خواتین اور دوشیزاؤں کیلئے!

ردا ڈائجسٹ

FEBRUARY 2015

ماڈل: Esha

میک اپ: روز بیوٹی پارلر

فوٹوگرافی: موسیٰ رضا

ملاقات

سلسلے وار ناول

مکمل ناول

ناولٹ

افسانے

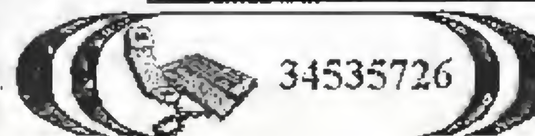
فروری 2015ء

جلد نمبر 20 شمارہ نمبر 2

قیمت 60 روپے

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری

720 روپے



پبلشر وایڈیٹر صالحہ محمود نے ابن حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔
مقام اشاعت: ۱۲۹/ڈی بلاک۔ 2۔ پی-ای-سی-ایچ-سوسائٹی، کراچی

مستقل سلسلے





صالحہ محمود

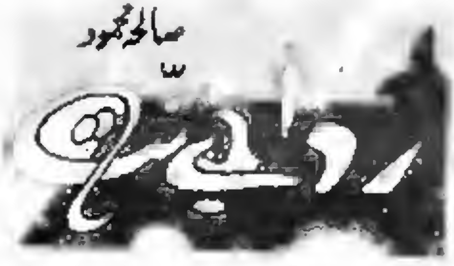
نئے سال کی خوشگوار دوسری صبح فروری کا آغاز زندگی کے بیش بہا لمحوں کا آغاز ہماری سرزمین پاکستان کی امیدوں کا سال ہو۔ ہماری عسکری قوت بھارت کے سامنے کئی گنا قوت، ہمت اور ارادوں میں مضبوط ہے۔ جنوری کے آغاز سے سرحدوں پر بھارت کی شرانگیزیاں جاری ہیں۔ وہ صبر و تحمل کو کمزوری سمجھتا ہے۔ بزدلوں کی نشانیوں میں سے ایک نشانی کہ وہ اپنے سامنے دوسروں کو کمزور سمجھتا ہے۔ جذبہ دین ہماری یکجہتی کے لیے ایک آہنگ سنگ میل ہے۔ انتشار اور بدامنی کے دور میں ہمیشہ دین نے ہمیں یکجا کر دیا۔ بھارت کے شدت پسند اور انتہا پسند ہندو بھی مسلمانوں کو زندہ جلا رہے ہیں۔ اس کی سیکولر ذہنیت سامنے آگئی ہے۔ اگر یہی طریقہ کار مسلمانوں کے خلاف جاری رہا تو یہ عمل پھر اتنا سہل نہیں ہوگا۔

اسی طرح دین اسلام پر کوئی حرف آئے تو ہین رسالت قطعی طور پر برداشت نہیں کی جا سکتی۔ پیرس میں دہشت گردوں کے خلاف ملین مارچ کا یورپین ممالک کی جانب سے مظاہرہ او۔ آئی۔ سی کی آنکھیں کھولنے کے لیے کافی ہے۔ فرانس میں مساجد پر حملے کیے جا رہے ہیں۔ پوئیٹرز میں زیر تعمیر مسجد کو آگ لگا دی گئی۔ آخر یہ دہشت گرد کون تھے؟ فرانس کی حکومت اس حوالے سے مکمل خاموش کیوں ہے؟ جرمنی میں نسل پرستوں نے مسجد میں حملہ کر کے مسجد کے مختلف حصوں پر صلیب کے نشان بنا دیئے۔ یورپی ممالک میں کروڑوں مسلمان آباد ہیں اور وہ سارے مسلمان جن جن ممالک میں آباد ہیں ان سے وفادار بھی ہیں۔ یہ مشہور ہے کہ یورپی ممالک بڑے مہذب ہیں۔ تمام مذاہب کا وہ احترام کرتے ہیں، کوئی کسی کی عبادت گاہ پر قبضہ نہیں کر سکتا۔ پیرس کے ایک جریدے چارلی ایبڈو نے 9/11 کے بعد سے اب تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کئی بار توہین آمیز خاکے شائع کیے اور امت مسلمہ کے جذبات کو مجروح کیا یہ ایک ایسی گستاخانہ حرکت ہے جسے کوئی مسلمان برداشت نہیں کر سکتا۔ پاکستان میں جگہ جگہ ریلیاں اور احتجاج جاری ہے۔ یہ ایک سوچی سمجھی اسکیم کے تحت ہفت روزہ چارلی ایبڈو میں پیغمبر اسلام کے گستاخانہ خاکے شائع کیے گئے۔ پیرس میں فرانسیسی زبان میں چھپنے والے جریدے کے ایڈیٹر چارب نے اعلان کیا تھا اس نے پرچے میں خاکوں کے لیے ایک پیج مختص کیا ہوا ہے اس پیج میں وہ بار ہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاکوں کی اشاعت کرتا رہا ہے۔ آخر یہ کیسی آزادی صحافت ہے جس کی وجہ سے ڈیڑھ ارب مسلمانوں کی دل آزاری ہوئی۔ لہٰذا اس بات کی شدید مذمت کی جاتی ہے تا کہ ایسا عمل دوبارہ نہ ہو۔

چلتے ہیں اب ردا کی جانب فروری کے شمارے میں کئی افسانے شامل کیے گئے ہیں۔ آپ کے سندیسے ردا کی رہنمائی کا ہمیشہ ذریعہ بنے۔ لہٰذا ردا پڑھنے کے بعد سندیسہ ضرور لکھیے۔ ہماری پوری کوشش ہوتی ہے کہ ہم بہتر سے بہتر آپ کے لیے ردا کو کر سکیں۔ نئے لکھنے والے ردا سے رابطہ رکھیں۔ ہم انہیں ردا گائیڈ کارنر میں ضرور شامل کرتے ہیں۔

خوشگوار پھولوں کے موسم کی آمد آمد ہے۔ سدا آپ لوگ پھولوں کی طرح مسکراتی رہیں۔ نت نئے رنگوں کے خواب بھرے افسانے لکھیں یہ موسم لکھنے کے لیے رنگوں بھرا ہے۔

آپی



صالحہ محمود

مومن، کافر اور منافق کا بیان

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا چار باتیں ایسی ہیں کہ جس میں وہ پائی جائیں گی۔ وہ پکا منافق ہوگا اور جس میں ان میں سے کوئی ایک بات پائی جائے گی۔ اس میں نفاق کی صرف ایک ہی شق ہو گی تا آنکہ وہ اسے ترک کر دے۔ وہ چار باتیں یہ ہیں جب وہ بات کرے تو جھوٹ بولے، کسی سے کوئی معاہدہ کرے تو اس کی خلاف ورزی کرے، جب وہ کسی سے کوئی وعدہ کرے تو وعدہ خلافی کرے جب اس کا کسی سے جھگڑا ہو جائے تو وہ گالی گلوچ پر اتر آئے۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے۔ انصارؓ سے محبت رکھنا ایمان کی علامت ہے اور ان سے بغض رکھنا نفاق کی نشانی ہے۔

حضرت زید بن خالد جہنیؓ کا بیان ہے کہ ابھی رات کی تاریکی باقی تھی کہ آنحضرتؐ نے ہمیں مقام حدیبیہ میں صبح کی نماز پڑھائی اور سلام کے بعد مقتدیوں سے مخاطب ہو کر فرمایا تمہیں کچھ خبر ہے حق تعالیٰ نے کیا ارشاد فرمایا ہے؟ انہوں نے عرض کیا اللہ اور اس کے رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا حق تعالیٰ نے ابھی فرمایا ہے کہ میرے بندے اس حال میں صبح کرتے ہیں کہ ان میں سے بعض مجھ پر ایمان رکھتے ہیں اور بعض میرا انکار کرتے ہیں۔ پس جو یہ کہتا ہے کہ ہم پر اللہ کے فضل و کرم سے بارش ہوئی وہ مجھ پر ایمان رکھتا ہے اور نجوم کا منکر ہے اور جو یہ کہتا ہے کہ فلاں فلاں ستاروں کے اثرات کے نتیجے میں بارش ہوئی وہ میرا منکر اور نجوم پر ایمان رکھنے والا ہے۔

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ میں نے آنحضرتؐ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ایمان اور کفر و شرک کے درمیان دانستہ ترکِ نماز حدِ فاصل ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا بیان ہے کہ میں نے آنحضرتؐ سے سوال کیا کہ کون سا عمل بہتر ہے؟ فرمایا، نماز کو اس کے وقت پر ادا کرنا۔ میں نے عرض کیا اس کے بعد کون سا عمل بہتر ہے؟ فرمایا، والدین سے بہتر سلوک کرنا۔ میں نے پھر عرض کیا اس کے بعد کون سا عمل بہتر ہے؟ فرمایا، راہِ خدا میں جہاد کرنا۔

حضرت عمرو بن شرجیلؓ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہؓ نے آنحضرتؐ سے سوال کیا کہ خدا کے نزدیک کون سا گناہ بہت بڑا ہے؟ فرمایا یہ کہ تو کسی کو خدا کا شریک قرار دے۔ حالانکہ خدا ہی نے تجھے پیدا کیا ہے۔ نے عرض کیا بے شک یہ بہت بڑا گناہ ہے۔ پھر اس کے بعد کون سا گناہ بڑا ہے؟ فرمایا یہ کہ تو اس خوف سے اپنی اولاد کو ہلاک کر ڈالے کہ وہ تیرے رزق میں حصہ دار ہو گی۔ میں نے پھر عرض کیا اس کے بعد کون سا گناہ بڑا ہے؟ فرمایا یہ کہ تو اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ جس نے ہم سے دھوکہ کیا وہ ہم میں سے نہیں۔

حضرت علقمہؓ نے بروایت حضرت عبداللہؓ بیان

کیا ہے کہ جب ذیل کی آیت نازل ہوئی۔ (ترجمہ)
”وہ لوگ جو ایمان لائے پھر انہوں نے اپنے ایمان کو ظلم سے ملوث نہیں کیا۔“

تو صحابہؓ پر یہ امر شاق گزرا اور انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ ہم میں سے کون ایسا ہے جو اپنے نفس پر ظلم نہیں کرتا۔ اس پر آنحضرتؐ نے فرمایا بات وہ نہیں ہے جو تم سمجھتے ہو بلکہ اس بات کو اس مثال سے سمجھا جائے کہ حضرت لقمانؑ نے اپنے بیٹے کو نصیحت فرمائی تھی اے میرے پیارے بیٹے تو خدا کا کسی دوسرے کو شریک نہ بنایا کیوں کہ شرک ظلم عظیم ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا تم میں سے کسی کے پاس شیطان آکر پوچھتا ہے کہ فلاں فلاں شے کو کس نے پیدا کیا یہاں تک کہ آخر میں یہ سوال کر بیٹھتا ہے کہ تمہارے رب کو کس نے پیدا کیا؟ جب وہ اس حد تک پہنچے تو انسان کو اللہ کی پناہ مانگنی چاہیے اور آگے بات کرنے سے گریز کرنا چاہیے۔

حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا جس نے اپنے کسی مسلمان بھائی کا حق غصب کیا اللہ اس کے لیے دوزخ لازم اور اس پر جنت حرام کردے گا۔ اس پر ایک صحابیؓ نے عرض کیا۔ یارسول اللہ اگرچہ کوئی معمولی چیز ہی غصب کی ہو؟ فرمایا اگرچہ پیلو کے درخت کی ایک شاخ ہی کیوں نہ ہو۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یارسول اللہ اگر کوئی شخص مجھ سے میرا مال چھینا چاہے تو مجھے کیا کرنا چاہیے؟ فرمایا اسے اپنا مال نہ دو۔ عرض کیا اگر میرے انکار کرنے پر وہ مجھے قتل کر ڈالے، فرمایا تب تو شہید کا مرتبہ پائے گا۔ عرض کیا اگر میں اس کی بدبختی پر اسے قتل کر ڈالوں، فرمایا وہ دوزخ میں جائے گا۔

انہی راوی سے ایک روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا اسلام کی ابتدا کسمپرسی و غریب الوطنی میں ہوئی اور وہ اپنی ابتداء کی طرح آخر میں بھی اسی طرح بے یار و مددگار رہ جائے گا۔ پس اس مناسبت کی بنا پر بے یار و مددگار بیکسوں کے لیے خوش خبری اور مبارک باد کا موقع ہے۔

حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کسی مرد کو کسی مرد کی اور کسی عورت کو کسی عورت کی ستر کی جگہ کو نہ دیکھنا چاہیے۔ علیٰ ہذا کسی مرد کو دوسرے مرد کے ساتھ اور کسی عورت کو دوسری عورت کے ساتھ ایک چادر میں لپٹ کر نہ لیٹنا چاہیے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا۔ دو لعنتیوں سے بچتے رہو صحابہؓ نے عرض کیا یارسول اللہ وہ دو لعنتی کون کون ہیں؟ فرمایا ایک وہ ہے جو لوگوں کی گزرگاہ میں رفع حاجت کرتا ہو دوسرا وہ جو لوگوں کی سایہ دار آرام گاہ میں غلاظت ڈالتا ہو۔

حضرت جابرؓ نے روایت کی ہے کہ آنحضرتؐ نے ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے منقول ہے کہ تم میں سے جب کوئی دھونی لے تو تین مرتبہ دھونی لے اور جب کوئی وضو کرے تو ناک میں پانی ڈال کر ناک کو جھاڑ دے۔

حضرت سلمانؓ فرماتے ہیں ان سے دریافت کیا گیا کہ آپ کے نبی نے تو آپ کو ہر شے کے طور طریقے حتیٰ کہ بیت الخلا کے آداب تک سکھا دیے ہیں۔

آپؓ نے فرمایا۔ بے شک آنحضرتؐ نے رفع حاجت کے وقت قبلہ رخ بیٹھنے دائیں ہاتھ سے استنجا کرنے۔ تین ڈھیلوں سے کم استنجا کرنے اور ہڈی اور گوبر سے استنجا کرنے سے منع فرمایا ہے۔ ☆☆

شازیہ مصطفیٰ عمران

سلسلہ وار ناول

قسط نمبر 16

تجھ سے مانگوں میں تجھ کو

''سب ہی سزا دے رہے ہیں ایک ان کی کسر ہے یہ بھی دے لیں گی۔'' وہ نارمل انداز میں بولا۔

گاڑی مرتضیٰ ولاء کی طرف گامزن تھی خوشنما کو تو اس کا سامنا کرتے ہوئے گھبراہٹ و پریشانی تھی۔



سوچ لیا تھا۔ ''اپنا چہرہ نہیں دکھائے گی سمجھتا کیا ہے خود کو میں اتنی بے وقعت نہیں ہوں۔'' وہ سارے راستے یہی سوچتی آرہی تھی۔

''نانا جان! بڑی مامی کو سمجھا دیجیے گا میری بیوی کے ساتھ کوئی الٹی سیدھی بات نہیں کریں۔'' وہ بولا۔

خوشنما نے چونک کے سنا اس کے لیے ایسی لگاوٹ وہ حیران تھی۔ ہیشم کی بڑی مامی کے مزاج سے تو وہ ایک دن میں ہی واقف ہوگئی تھی۔

''میں یہاں کچھ دن رہوں گا پھر اپنے گھر میں شفٹ ہوجاؤں گا۔'' اس کا دل ہی اتنا ٹوٹا ہوا تھا۔

''ہیشم! ایسی سزا تو نہیں دو میں نہیں رہ سکتا تمہارے بغیر۔'' وہ افسردہ ہوگئے۔

ہیشم نے یہ فیصلہ بھی بہت جبر کرکے کیا تھا جنہیں اپنا سمجھتا تھا انہوں نے کیسے پرایوں جیسی بات کی تھی وہ ناپسندیدہ بن کے نہیں رہ سکتا تھا۔

☆......☆



حسنیٰ کی شاپنگ ہو رہی تھی۔ ادھر نسرین فراج کی بھی تیاری کر رہی تھیں حسنیٰ کی رخصتی پر مزاج کا ولیمہ رکھا تھا۔

''مما! مجھے ساڑھیاں بھی لینی ہیں۔'' اسے ساڑھی بہت پسند تھی۔

''ہاں لے لینا جو دل کرے۔'' رفعت اس کی چیزوں میں کوئی کمی نہیں رہنا دینا چاہتی تھیں۔

نسرین تو پھر بھی سستی چھوٹ رہی تھیں زیادہ تر ساری ہی تیاری رفعت ہی کر رہی تھیں۔

''حسنیٰ تمہارے جو بھی سوٹ کیس شہریار کے جائیں گے۔ جہیز کے سامان کے ساتھ سب لاک لگا کے بھیجنا شادی کا گھر ہوگا پھر شہریار کی بہنیں اور بھانجیاں بھی ہوں گی۔ کوئی بھی چیز ادھر ادھر ہو سکتی ہے۔''

''آپ بے فکر رہیں وہاں کوئی ایسا نہیں ہے۔'' وہ تیار ہو کے آ گئی تھی آف وائٹ پر ملٹی شیڈ کی کڑھائی کے سوٹ میں اس کی سرخ و سپید رنگت انار کی طرح لگ رہی تھی۔

''تمہیں نہیں پتہ مجھے تو یہ حسین بیگم بھی لالچی خاتون لگ رہی ہیں۔ فٹ سے رشتہ کر لیا بلکہ کتنی دفعہ دے چکی تھیں۔ ہر دفعہ انکار ہی ہوا اس دفعہ پھر کیسے دے دیا۔'' انہیں یہی تعجب تھا۔

''ارے مما! کیا آپ کو میری شادی نہیں کرنی تھی۔'' اس نے الٹا سوال ہی کر دیا۔

''کرنی تھی ایسی بھی کیا جلدی نکاح ہی کر دیا۔ وہ بھی مجھے پہلے سے انفارم ہی نہیں کیا۔'' رفعت کو اس بات کا بھی تو غصہ تھا۔

''اب اس بات کا کوئی فائدہ نہیں اگر انفارم کر بھی دیا جاتا کون سا آپ نے نکاح رکوا دینا تھا۔'' اس نے دوپٹہ کھول کے اوڑھا۔

''مجھے لگتا ہے حسنیٰ! تم اس رشتے سے خوش نہیں ہو۔'' رفعت جانچتی تفتیشی نگاہوں سے دیکھنے لگیں۔

''پلیز مما بس کریں کوئی فائدہ نہیں چلیے دیر ہو رہی ہے۔'' وہ واقعی بے زار ہونے لگی تھی۔

شہریار ایسی بلا تھا جو ساری زندگی اس پر مسلط ہی رہے گی۔

''تم نے ذرا بھی بھابھی سے یہ نہیں کہا تمہیں وہ پسند نہیں ہے۔'' رفعت کو نسرین پھر غصہ آنے لگا۔

''مما! اس بحث کو رہنے دیں امی کی کانوں میں پڑ گیا تو خوامخواہ آپ سے لڑنے لگنے لگی چلیے دیر ہو رہی ہے۔'' اس نے بیگ وغیرہ اٹھایا اور چلنے کے لیے قدم بڑھا دیے۔ رفعت کو غصہ آ رہا تھا پھر وہ کون سا حسنیٰ کی شادی سے خوش تھیں۔ انہوں نے تو ابھی تک بھی اس کی شادی کا سوچا ہی نہیں تھا مگر نسرین نے انہیں بتائے بغیر ہی رشتہ بھی کر دیا تھا۔ کتنا دل دکھا تھا وہ حسنیٰ کو ہمیشہ اپنے پاس رکھنا چاہتی تھیں۔

''آپ کو میری شادی کرنی تو تھی نا ایک دن، جیسے اب ہو رہی ہے۔''

''ایسے نہیں کرنی تھی تمہیں ایسے بھابھی بوجھ کی طرح ہی اتار رہی ہیں۔'' وہ جلی بھنی ہوئی تو ہو رہی تھیں۔

''مما! میں بھی آپ کو سمجھ گئی ہوں آپ میری شادی کبھی نہیں کرتیں۔'' حسنیٰ نے رفعت کی بہت سی باتوں سے اندازہ کر لیا تھا۔ وہ اسے اپنا ساتھی بنا کے اپنے پاس ہی رکھنا چاہتی تھیں۔ انہوں نے بھی تو کون سا شادی شدہ لائف خوشگوار گزاری تھی۔ شوہر نے عمر زیادہ کا ہمیشہ طعنہ ہی دیا تھا۔

☆......☆

خوشنما نے ابھی تک بھی ہیثم کو اپنا چہرہ نہیں دکھایا تھا اور پھر اسے کون سا دلچسپی ہی تھی۔ نزہت تو شرمندگی سے ہیثم سے نگاہ نہیں ملا رہی تھیں اور ہیثم وہ گھر میں کسی سے بھی بات نہیں کر رہا تھا۔

''ارے ہیثم! مجھ سے بھی بات نہیں کرو گے۔'' چھوٹی مامی نے اسے روک لیا۔

''مامی! ایسی کوئی بات نہیں ہے وہ بس آج کل کام میں بہت الجھ گیا ہوں۔'' اس نے بات بنائی۔

''کام چاہے کتنا بھی ہو تم ایسے بے زار کبھی نظر نہیں آئے ہو۔''

''اچھا! ان سب باتوں کو چھوڑیے چائے تو بنا کے دیں مزیدار سی۔'' اس نے موڈ فریش کرتے مسکرا کے کہا۔

''کل سے تمہاری بیوی آئی ہوئی ہے۔ تمہاری کوئی بات چیت ہوئی۔'' وہ اسے معنی خیزی سے چھیڑتے ہوئے سوس پین میں چائے کا پانی رکھ چکی تھیں۔

''بات چیت کے لیے عمر پڑی ہے اور یہ لڑکی میرے گلے میں زبردستی کا طوق ہے جو مجھے ڈال کے پھرنا ہے۔ کیوں کہ میں اپنی وجہ سے کسی کو مصیبت میں نہیں ڈالنا چاہتا۔'' اس نے اندر آتے فاران کو جتایا وہ فاران سے بھی تو بات نہیں کر رہا تھا۔

''یار ہیثم تم مجھ سے بھی ناراض ہو؟'' وہ بہت افسردہ ہو رہا تھا۔

''میں کیا کسی سے ناراض ہوں گا مجھ سے ہی سب ناراض رہتے ہیں۔ مامی چائے بن جائے تو آواز دے دیجیے گا۔'' وہ تیزی سے کچن سے نکل گیا فاران نے اسے جاتے ہوئے دیکھا۔

جیسے ہی اندر آہٹ ہوئی وہ سمٹ کے ایک طرف پردوں کے سائیڈ ہو گئی۔

''مجھ سے چہرہ چھپا کے کیا ظاہر کرنا چاہتی ہو۔ میرے لیے بہت خاص ہو۔'' وہ تپ کے ناگواری سے گویا ہوا۔

کل سے وہ دونوں ایک دوسرے سے مخاطب ہی نہیں ہوئے تھے خوشنما چادر تان کے نیچے کارپٹ پر سو گئی تھی جب کہ وہ آدھی رات کو ہی کمرے میں گھسا تھا۔

''نہیں ایسی کوئی بات نہیں بلکہ یہ ظاہر کرنا چاہتی ہوں آپ میرے لیے کوئی خاص نہیں ہیں۔''

اس نے ناگواری سے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ ہیثم آواز پر کچھ چونکا ضرور اس کی پشت پر نگاہ جمائی۔

''کیا بکواس ہے؟''

''جو سچ ہے وہ کہا ہے اور مجھے یہاں لا کے مجھ پر یا میرے ماں باپ پر احسان نہیں کیا ہے۔'' وہ غصے میں بھی تھی۔

''جانے کیوں یہ آواز اس سے کیوں مل رہی ہے۔'' وہ گہری سوچ میں پڑ گیا تھا۔

یا پھر اسے ہر جگہ اس لڑکی کا ہی گمان ہو رہا تھا۔

''یہ احسان ہی ہے۔'' وہ اسے بتانے لگا۔

''دیکھیں میں ابھی یہاں سے چلی جاؤں گی اگر مجھ سے الٹی سیدھی بات کی تو۔''

''ہوں۔'' وہ جوتوں سمیت سنگل صوفے پر دراز ہوا۔

دروازے پر ناک ہوئی۔

''جاؤ مامی ہوں گی چائے لائی ہوں گی۔'' وہ اس سے بولا۔

''میں آپ کی پابند نہیں ہوں۔'' اسے پہلی رات کی بے عزتی بھولی ہی نہیں تھی۔

''تمہیں تمہارے ماں و باپ نے یہ نہیں سکھایا شوہر کا حکم ماننا اور اس کی خدمت کرنا فرض ہے۔''

''میرے ماں و باپ نے مجھے سب سکھایا ہے آپ کو آپ کے بڑوں نے نہیں سکھایا۔ بیوی کی بھی عزت

ہوتی ہے۔'' وہ تو سوا سیر تھی۔
ہیشم لاجواب ہو کے خود ہی اٹھ گیا۔
''مائی تھینک یو۔'' خوشنما کی بھی وہ چائے ساتھ لائی تھیں۔
''تمہاری بھی چائے ہے پی لو۔''
''مجھے پینی ہوگی تو پی لوں گی۔ ابھی مجھے اپنے گھر جانا ہے۔'' خوشنما کو لگ رہا تھا اس کا سانس رک رہا ہو کل سے اسی کمرے میں بند تھی۔ چھوٹی مامی کئی دفعہ آئی بھی تھیں مگر اس نے انہیں بھی رخ دے کے بات نہیں کی تھی۔
''یہی گھر اب تمہارا ہے چند دن میں ہم دوسرے اپارٹمنٹ میں شفٹ ہو جائیں گے۔'' ہیشم کو الجھن ہو رہی تھی۔ وہ اس سے پشت پھیرے ہوئے تھی۔
''وہاں جاتے ہی میری عزت میں اضافہ ہو جائے گا۔'' وہ تنک ہی گئی۔
''فضول بکواس کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' وہ چائے کے سپ لینے لگا۔
''دیکھیے اگر آپ کو مجھ سے اس لب و لہجے میں بات کرنی ہے تو مجھے آپ کے ساتھ اس گھر میں بھی نہیں رہنا۔'' وہ تیزی سے بل کھا کے کمرے سے نکلنے لگی۔
ہیشم کپ رکھ کے تیزی سے صوفے سے اٹھا اور اس کی کلائی پکڑ لی وہ تو بوکھلا گئی چہرے پر جھولتا گھونگھٹ سرک کے نیچے اتر جاتا کہ اس نے دوسرے ہاتھ سے پکڑ لیا۔
''زیادہ تماشے کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ پہلے ہی تمہاری وجہ سے میری زندگی ہر ایک نے تماشہ بنا دی ہے۔'' خوشنما کو اندر صوفے پر دھکیلا تھا۔
''کیا بدتمیزی ہے؟'' اس نے ناگواری سے تیز لہجے میں کہا۔
''جانے کیوں مجھے تمہاری آواز جانی پہچانی لگ رہی ہے۔'' وہ پھر الجھن اور پریشانی کا شکار ہو گیا۔
''ظاہر ہے۔ ماڈرن آدمی ہیں۔ ہر روز کسی نئی لڑکی کے ساتھ پھرتے ہوں گے مل رہی ہوگی اس سے میری آواز۔'' اس نے پھر طنز دانت پیس کے کیا۔
''زیادہ فضول ہانکنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' وہ خفیف سا ہو گیا۔
''آپ کی کلاس اپر ہے ہم غریب لوگوں کی بیٹیاں آپ کے قابل کہاں۔ کیوں کہ بیک ورڈ جو ہوتی ہیں۔'' وہ دل کھول کے اس پر طنز کر کے اسی کے جملے اسے واپس کر رہی تھی۔
''پتہ نہیں کتنی بیویاں اور رکھی ہوں گی ہو سکتا ہے کسی دن دوسری کر کے میرے سامنے لے بھی آئیں۔'' ہیشم نے ایک لمحے کو چونک کے اسے دیکھا۔ کیوں کہ جو کچھ وہ بول رہی تھی ایسا تو وہ کر چکا تھا۔
''اپنی اوقات میں رہو اور مجھ پر تم اپنی طرف سے باتیں منسوب کر رہی ہو۔'' وہ چراغ پا ہونے لگا۔
''میری جو اوقات ہے آپ جانتے ہیں آپ کے قابل نہیں آپ کے ساتھ نہیں چل سکتی چھوڑ دیں۔'' خوشنما اسے جتنا سلگا سکتی تھی سلگا رہی تھی۔
''کیوں تم نے کوئی دیکھ رکھا ہے۔'' اب اس نے وار کیا تھا۔
''ہم عزت دار گھرانے سے ہیں۔ کیا صحیح ہے اور کیا غلط ہے اسے جانتے ہیں ایسی نوبت نہ کبھی آئی ہے اور نہ کبھی آئے گی۔'' اس نے تحمل انداز سے اسے جواب دیا۔

''کیوں آپ زبردستی لے آئے ہیں آپ کا دل نہیں ہے تو یہ رشتہ زبردستی کیوں نبھا رہے ہیں۔'' وہ بھی غصے میں آ گئی۔
ہیشم کی نگاہ اس کی ناک پر تھی جو دوپٹہ کے اندر سے نظر آ رہی تھی چہرہ اس نے ابھی تک نہیں دکھایا تھا۔ ہاتھ پیر اس کے نرم و نازک اور سرخ و سپید تھے۔ کاسنی کلر اس پر الگ چھب دکھا رہا تھا۔
''ایسے ہی ہاتھ پیر اس کے بھی ہیں۔'' ہیشم کا ذہن پھر بھٹک کر خوشنما کی طرف چلا گیا۔
''مجبوری میں کچھ رشتے نبھانے پڑتے ہیں۔'' وہ گہری سوچ کے ساتھ گویا ہوا۔
''مجبوری کے رشتے پائیدار نہیں ہوتے ہیں۔''
''یہ وقت بتائے گا میں کچھ نہیں کہہ سکتا اور پلیز میری تم سے اتنی ریکوسٹ ہے۔ کوئی تماشہ نہیں کھڑا کرنا مجھ سے بھی لڑائی کرنی ہے گھر کے لوگوں کے سامنے بالکل نہیں کرنا خاص کر بڑی مامی کے سامنے اپنا رویہ میرے ساتھ درست رکھنا۔'' ہیشم ایک دم ہی نرم لہجے میں بولا اس کی خود سمجھ نہیں آ رہا تھا وہ کیا چاہ رہا تھا وہ اس لڑکی کو قبول کرے یا اس لڑکی کو بھول جائے اس دل کی جنگ میں وہ پھنس گیا تھا۔
''میری طرف سے تمہیں کوئی پابندی نہیں ہے اپنے ماں باپ سے ملنے جب دل کرے ملنے چلی جانا۔'' وہ اسے یہ سب کہہ کر واش روم میں گھس گیا۔
خوشنما عجیب مخمصے کا شکار تھی کب تک وہ چہرہ چھپائے ایک دن اسے پتہ تو چلے گا۔

☆......☆

''امی! اس دفعہ دادی جان تو کافی لمبا قیام کرنے آئی ہیں۔'' آدم ناشتہ کر رہا تھا اور رضوانہ سے باتوں میں بھی لگا تھا۔
''ہاں۔'' وہ بس اتنا ہی بولی تھیں۔
''بھابھی کو ہر وقت روکتی ٹوکتی ہیں۔''
''وہ کل رو رہی تھی ضمران مجھے بتا رہا تھا اب میں کیا کروں۔ تمہاری دادی کی عادت ہی ایسی ہے۔ وہ کسی کو نہیں چھوڑتی ہیں۔'' رضوانہ خود بہت پریشان تھیں حباب کی وجہ سے بھی۔
''اے رضوانہ یہ ضمران کی دلہن آج ابھی تک اٹھی کیوں نہیں۔'' وہ ایک دم ہی اندر سے چلی آئیں وہ دونوں ہی گڑبڑا گئے۔
''وہ ہاں اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔'' انہوں نے عذر تراشہ کیونکہ وہ جانتی تھیں۔ ابھی بھی چھوڑیں گی نہیں حباب کو۔
''بہوؤں کو اتنی ڈھیل نہیں دینی چاہیے دبا کے رکھو۔''
''اونہہ دبا کے رکھو ہماری ماں پر جو آپ نے حربے آزمائے ہیں پلیز وہ سب یہاں نہیں ہو سکتا۔'' آدم کے تو آگ ہی لگ گئی۔
''تو...... تو میرے منہ مت آیا کر ذرا لحاظ نہیں بڑے چھوٹے کا۔'' وہ آدم سے بہت تپتی تھیں۔
''دادی جان! میں غلط بات کی نفی کرتا ہوں، بھابھی ہمارے ساتھ بہت اچھی ہیں۔ امی کیوں دبائے رکھیں۔'' رضوانہ کی کوشش ہوتی تھی ان دادی پوتے کا سامنا کم ہی ہو کیوں کہ لڑائی کا اندیشہ زیادہ رہتا تھا۔
''کیسا بدتمیز لڑکا ہے۔'' وہ ناگواری اور غصے سے بول رہی تھیں۔
''آدم چپ کر جاؤ۔''
''امی! چپ کروا کروا کے تو آپ نے یہ کیا ہے۔ سب سے پہلے آپ کو گھر سے نکالا انہیں اس وقت بھی

خیال نہیں آیا۔ آپ کے بچے چھوٹے تھے کیسے محنت کر کے ہمیں جوان کیا ہے۔"

"ہاں خوب بدلے لو اولاد کی صورت تم خود نہ لو تو تمہارا یہ لڑکا بول کے ساری کسر نکال لیتا ہے۔" وہ ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھ گئی تھیں اور آدم ناشتہ کیے بغیر ہی اٹھنے لگا۔

"دادی جان! آپ غلط بات نہیں کریں امی کا کوئی قصور نہیں بھی ہوتا ہے آپ انہیں سناتی ہیں۔" ضمران تیار ہو کے وہیں آ گیا تھا دیکھا وہاں تو محاذ بنا ہوا تھا۔

"چل میرے منہ مت لگ۔" وہ منہ پھیر کے رہ گئیں۔

"جواب نہیں ہے آپ کے پاس۔" وہ بولا۔

رضوانہ سر پیٹ کے رہ جاتی تھیں۔

"تیری بیوی نہیں اٹھی آج۔" انہوں نے ضمران سے پوچھ لیا۔

"جی آ رہی ہے۔"

"آج کل کی لڑکیوں کو ذرا گرہستی کا شوق نہیں ہے اور تو اور بچوں کا بھی شوق نہیں ہے ان کی شو جو خراب ہوتی ہے۔" حباب کے قدم رک گئے۔ ضمران تاسف سے سر ہلاتے رہ گیا۔

"ہاں یہ کسر بھی وہ پوری کر دی۔" آدم کو بھی برا لگا۔

"جاؤ تم یہاں سے۔" رضوانہ نے اسے کڑے انداز میں ہی حکم دیا تھا۔

حباب کی نگاہ ضمران سے ٹکرائی تھی۔ ویسے ہی وہ کل سے کتنی دفعہ رو چکی تھی۔ دوبارہ وہ دل جلانے والی باتیں کر رہی تھیں۔

"امی! ایسی کوئی بات نہیں ہے اللہ کی دین ہے جب دے۔" رضوانہ نے بات سنبھالی۔

"بس رہنے دو تمہارے تو پہلے سال ہی ضمران ہو گیا تھا۔" وہ بولیں۔

"دادی جان! آپ دعا دیا کریں۔" ضمران نے بھی بات کو ہنس کے ٹالنا چاہا۔

"دعا تو ہر وقت دیتی ہوں، مگر تو اپنی بیوی کا چیک اپ کروا ابھی تک بھی کوئی امید نہیں۔"

حباب بل کھا کے رہ گئی اور پیر پٹخ کے چلی گئی، ضمران نے اسے جاتا دیکھ لیا تھا۔

"امی! ابھی شادی کو کونسا سال ہوا ہے۔" رضوانہ نے بھی حباب کے ایکسپریشن دیکھ لیے تھے۔

"ابھی سے ہی تو علاج ہوتا ہے۔"

"امی! آج ناشتہ ملے گا؟" ضمران کوفت میں مبتلا ہو گیا۔

"تیری بیوی آئی نہیں، تو آفس جانے کو بیٹھا ہے۔"

"آجائے گی۔" وہ اخبار اٹھا کے پڑھنے لگا، رضوانہ کچن میں چلی گئی تھیں۔

"امی! آپ ناشتہ رہنے دیں میں آفس میں کر لوں گا۔" وہ بھی اٹھ گیا۔

"ارے یہ کیا۔" وہ جلدی سے باہر آئی تھیں۔ ضمران کو حباب کی فکر تھی وہ ضرور رو رہی ہوگی۔

"یہاں تو سارے ہی لڑکے عجیب ہیں۔" دادی جان نے پھر ناگواریت کا اظہار کیا۔

رضوانہ کو اپنے بیٹوں کو بغیر ناشتے کے جانے پر عجب بے چینی ہو گئی تھی، وہ ماں تھیں سب کی ہی فکر کرتی تھیں اور ایک یہ ماں تھیں جنہیں کسی کی فکر نہیں تھی۔

☆......☆

نسرین نے فراج کی بری بھی اچھی بنائی تھی، جب کے حسین بیگم کے بعد کنجوسی میں دوسرا نمبر انہی کا آتا تھا۔

"یہ جو سوٹ ہیں انہیں تم اپنے جہیز کے کپڑوں میں رکھ لینا۔" نسرین نے اس کے آگے کپڑوں کا شاپر رکھا۔

"امی! یہ کپڑے بالکل بھی اچھے نہیں ہیں، بھرے بھرے کام کے ہیں۔" حسنیٰ نے برا سا منہ بنایا۔

"زیادہ بکواس کرنے کی ضرورت نہیں ہے، شروع میں ایسے ہی بھرے بھرے پہننے ہوتے ہیں، سعدیہ کے بھی میں نے ایسے ہی لئے ہیں۔"

"کیا دونوں کے ایک سے بالکل بھی نہیں، یونیفارم لگتا ہے۔" حسنیٰ ویسے بھی اپنی چیز بالکل الگ رکھتی تھی، کسی کا کپڑا یا ڈیزائن دیکھ کے تو لیتی ہی نہیں تھی، اپنا بوتیک بھی الگ رکھا تھا، بہادر آباد میں تھا وہاں سے ہی سارے کپڑے کاٹن کے سلے ہوئے لیتی تھی۔

"تمہارا دماغ رفعت نے خراب کیا ہے۔"

"انہوں نے کوئی نہیں کیا ہے شروع سے مجھے اچھا ہی انہوں نے پہنایا ہے۔" وہ شاپر اٹھا کے سائیڈ پر رکھنے لگی آج نسرین نے اسے ڈرائنگ روم کی صفائی کے لئے بلایا تھا جب کہ اوپر کی تو وہ کرتی ہی نہیں تھی رفعت نے ماسی رکھی ہوئی تھی۔

"کیوں تیرے ماں اور باپ نے تو اچھا پہنایا نہیں کبھی ہے نا۔" نسرین کے تو پتنگے لگ گئے۔

"تیرے والد جب زندہ تھے ہر اچھی چیز تیرے لئے لاتے تھے۔"

"امی! مجھے پتہ ہے رہنے دیں ابو نے تو خیال کیا ہے آپ نے کبھی نہیں کیا۔" وہ صوفوں کے نیچے سے برش سے کچرا نکالنے میں بھی مصروف تھی اور زبان بھی اس کی ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔

"اگر تیرا خیال نہیں کرتی تو ایسے ہی پڑی رہتی، رفعت تو تیری شادی بھی کرتی نہیں اس کا اندازہ تو تو نے خود کیا ہوگا۔" وہ اتنا بولتی تھیں حسنیٰ کو ڈر ہوتا تھا کہ رفعت نہ سن لیں۔

"یہ آپ کی سوچ ہے ورنہ وہ ایسی نہیں ہیں۔" وہ ہمیشہ رفعت کی حمایت ہی میں بولتی تھی۔

"بہت زبان چلنے لگی ہے، شہریار تو ذرا لحاظ نہیں کرے گا۔" انہوں نے اسے گھورا تھا۔

"ان کے گھر میں کوئی کب کسی کا لحاظ کرتا ہے۔" وہ بھی تپی اور جلی ہوئی تو تھی ہی۔

"اچھا زیادہ بک بک کرنے کی ضرورت نہیں یہ شاپر لے کے جانا اور ہاں آج میرے ساتھ بازار بھی چلنا، تمہیں کچھ لینا ہو تو لے لینا ویسے میں نے بھی کافی تمہاری خریداری کر لی ہے۔" وہ بتانے لگیں۔

"مما کر رہی ہیں، آپ کو ضرورت نہیں ہے۔"

"ہاں آج کہہ رہی ہے، کوئی ضرورت نہیں ہے اور کل کو بولے گی کیسی ماں تھی کچھ بھی نہیں دیا۔" نسرین میں اور اس میں تو کبھی بنتی ہی نہیں تھی تبھی حسنیٰ کو یہ احساس زیادہ ہونے لگا تھا، جو اس کی سگی ماں تھی وہ بھی اس کے ساتھ فرینک ہو، اس کے مسائل نہیں سنتی تھیں اور وہ رفعت جنہوں نے پالا تھا، انہوں نے واقعی اسے موم کا بنا کے ہی رکھا ہوا تھا۔ وہ بھی کبھی اس کی دل کی نہیں سنتی تھیں، حسنیٰ کی شخصیت بٹ کے رہ گئی تھی، سگی ماں اسے ڈانٹ کے رکھتی اور پالنے والی ماں اسے ہتھیلی کا چھالا بنا کے رکھتیں، پتہ نہیں دونوں میں سے فیئر کون تھا۔

جانے کیوں ماں باپ اپنی اولاد کو دوسروں کی جھولی میں ڈال دیتے ہیں اور اولاد کی شخصیت تباہ ہو کے رہ جاتی ہے۔ اسی وجہ سے ہی حسنیٰ منہ پھٹ اور زبان دراز بھی ہو گئی تھی، ہر وقت چڑچڑا اس کا موڈ رہتا تھا۔ جب سے شہریار سے اس کا نکاح ہوا تھا وہ اور ہی بھنائی ہوئی رہنے لگی تھی، رخصتی کے دن قریب آ رہے تھے اور اس کی

اداسی اور پریشانی بڑھتی جارہی تھی خود پر بھی توجہ دینی چھوڑ دی تھی۔

''حسنیٰ! تمہارے موبائل پر کال آرہی ہے۔'' رفعت کی آواز پر وہ چونک گئی کپڑا اٹھا کے وہ گیلری کی طرف جارہی تھی، ایک دم ناگواریت سے دانت پیسنے لگی ضرور شہریار کی ہوگی۔

''آنٹی دیں میں کام کررہی ہوں۔'' وہ تیز لہجے میں بولی۔

''جا کے دیکھ کس کی ہے شہریار ہوگا۔'' نسرین کو جیسے اندازہ تھا۔

''ابھی مجھے بہت کام ہے۔'' وہ بہت چڑچڑی اور کھسیائی ہوئی ہورہی تھی۔

''بعد میں کرلینا۔'' انہوں نے سختی سے کہا وہ پیر پٹختی ہوئی چلی گئی۔

کال دیکھی تو حباب کی تھی، اس نے شکر ادا کیا، کچھ دیر اس سے باتوں میں لگ گئی دل بھی بہل گیا۔

''حباب بیتا باجی کے رہنے آئی ہوئی ہے مجھے بھی بلارہی ہے۔'' اس نے بتایا۔

''اچھا ہے چلی جانا کچھ آرام تو ملے گا، ورنہ بھابی صفائیاں کروا کے تمہاری اسکن خراب کروا دیں گی۔''

''مما! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔'' وہ بیزاری سے اپنے بیڈ پر تھک کے لیٹ گئی دس بجے سے وہ صفائی میں لگی تھی۔

☆......☆

وہ آفس سے آیا تو روم میں دیکھا، وہ نہیں تھی واش روم بند تھا ضرور وہ باتھ لے رہی تھی۔ آج کام بھی زیادہ تھا، خوشنما آفس نہیں آئی تھی اس کی بے کلی اور پریشانی میں اضافہ ہوگیا تھا، اس کا کوئی کانٹیکٹ بھی نہیں ہورہا تھا۔ بیڈ پر وہ جوتوں سمیت تکیوں کو ڈبل کرکے دراز ہوگیا تھا۔

کچھ دیر میں واش روم کا دروازہ کھلا، ہیثم نے نگاہ اٹھائی مگر اسے ہاتھ نظر آئے، لگ رہا تھا اسے نہیں پتہ تھا ہیثم کی روم میں موجودگی کا، وہ بالوں کو تولیے میں لپیٹے باہر آئی دونوں کی نگاہوں کا تصادم ہوا ہیثم تو اٹھ کر کھڑا ہوگیا اسے لگ رہا تھا سکتہ ہوگیا ہو۔

اور وہ تو جیسے جم گئی تھی، ہاتھ اس کے تولیے میں لپٹے بالوں پر تھے، مسٹرڈ کاٹن کے پرنٹڈ سوٹ میں اس کی رنگت نہانے کے بعد اور نکھری لگ رہی تھی۔

''تو......م......م۔''

''جی، جی وہ......!'' خوشنما کی سمجھ نہیں آرہا تھا، کیا کرے بیڈ کے سرے پر دوپٹہ پڑا تھا، اٹھا کے شانوں پر ڈالا، تولیہ پھسل کے نیچے گر گیا، اسے اتنی جلدی ساری حقیقت کھل جانے پر غصہ آگیا۔

آخر اسے پتہ کیوں نہیں چلا وہ آنے والا ہے، طبعیت عجیب ہورہی تھی، وارڈ روب سے کپڑے نکال کے نہانے چلی گئی بیڈ روم اس کا اسی طرح سیٹ تھا، جیسے وہ چھوڑ کے گئی تھی۔

''تم خوشنما ہو سچ بولو۔'' ہیثم کو ایسا لگ رہا تھا ہفت اقلیم ہاتھ لگ گیا ہو۔ خوشنما کو اندازہ نہیں تھا وہ اس وقت آسکتا ہے اس کا دل بہت زیادہ دھڑ دھڑ کررہا تھا اب تو کوئی بھی بچاؤ کا راستہ نہیں تھا چہرہ اس کا بالکل سپاٹ ہوگیا تھا۔

''اوہ تھینک گاڈ یہ تم ہو یعنی میری جس سے شادی ہوئی تھی وہ تم ہی تھیں۔''

''زیادہ خوش ہونے کی ضرورت نہیں ہے یاد رہے پہلی رات آپ نے میری بہت بے عزتی کی تھی اور اگر آپ پہلی رات میرا چہرہ دیکھ بھی لیتے تو کونسا قبول کرنا تھا۔'' وہ جز بز اور جھینپی ہوئی بھی ہورہی تھی۔

''یعنی تم جو اپنے شوہر کے لئے خود کو پابند کرکے بیٹھی تھیں وہ میں ہی تھا اور راشعر کی فرم میں جو انٹرویو تھا وہ کیا تھا۔''

''وہ بھی سچ تھا میرے شوہر نے مجھے نکال دیا ہے اور میرا خرچ وغیرہ نہیں اٹھاتا اسی لئے جاب کی ضرورت پڑ گئی ہے۔'' خوشنما اکڑ کے بات کررہی تھی کیونکہ ہیثم اس کا اسیر جو ہوگیا تھا اور وہ اتنی جلدی تو کیا کبھی بھی اسے معاف نہیں کرے گی۔

''پتہ ہے آج میں پورا دن آفس میں اداس ہی رہا کیونکہ تم جو آفس نہیں آئی تھیں۔'' اس وقت اس کا دل بہت خوش ہورہا تھا خوشنما کی اس نے انجانے میں تمنا کی تھی وہ یوں ملے گی بلکہ وہ تو ملی ہوئی تھی۔

''آپ کا کیا ہے دوسری لڑکی کو جاب پر رکھیں اس سے دل لگالیں۔'' اب باری اس کی تھی طنز کرکے اس کے دل کرچی کرنے کی۔

''میں ایسا نہیں ہوں۔'' وہ برا مان کے اسے گھور کے دیکھنے لگا خوشنما ڈریسنگ ٹیبل سے چوڑیاں اٹھا کے ہاتھوں میں پہننے لگی جو نہانے سے پہلے اتار کے گئی تھی۔

''کیوں کیا ہوا آپ تو ماڈرن اور فیشن ایبل لڑکیوں کو پسند کرتے ہیں میں آپ کی کلاس کی کب ہوں، بیک ورڈسی ہوں یہی وجہ تھی جو آپ مجھے پہلی رات چھوڑ کے گئے تھے۔'' اس کی باری تھی ہیثم کو بے عزت کرنے کی۔

''میں نے ایسا کچھ نہیں کہا تھا۔'' وہ جز بز ہوکے شرمندہ ہونے لگا۔

''مسٹر ہیثم احمد آپ اپنے خیالات اور الفاظ تک بھول گئے میں آپ کا ہتک آمیز رویہ نہیں بھولوں گی آپ نے اپنے گھر والوں کے سامنے میری توہین کی ہے۔'' وہ تو لگتا تھا ہیثم سے گن گن کے بدلے لینا چاہ رہی تھی۔

''وہ تو سب اچانک ردعمل تم پر نکل گیا۔ نانا جان نے زبردستی میری شادی تم سے کروائی غصہ نکلنا تھا وہ تم پر نکل گیا۔'' وہ خفیف ہوکر سر جھکانے لگا اسے اندازہ تھا خوشنما اسے اتنی آسانی سے معاف نہیں کرے گی۔

''اب کیا ہوا۔'' وہ اسے گھورنے لگی۔

''وہ اب ایسا ہوا کہ کیوپڈ کا اثر ہوگیا تم مجھے آہستہ آہستہ اچھی لگنے لگیں۔''

''فرض کریں اگر میں وہ نہیں ہوتی پھر آپ کا ردعمل کیا ہوتا؟'' خوشنما کو اس کے بولنے پر اور غصہ آیا۔

''پھر میں فارملیٹیز نبھاتا کیونکہ یہاں بات کسی کی زندگی کی تھی میری وجہ سے وہ کیوں یہ مصیبت نبھائے۔''

''کیا مطلب ہے۔'' وہ تیز لہجے میں ناگواری سے گویا ہوئی۔

''مطلب یہ کہ نانا جان بڑے ماموں کے بیٹے فاران سے تمہارا نکاح کروادیتے مجھ سے ڈیورس دلوا کے۔''

''واٹ۔'' اسے اور بھی غصہ آیا۔

''میں کیا بے جان چیز ہوں سارے فیصلے آپ کے نانا جان ہی کرتے میری کوئی عزت نفس نہیں ہے۔'' وہ سر پکڑ کے صوفے پر بیٹھ گئی وہ تو پہلے ہی اتنی ٹوٹ پھوٹ کا شکار تھی مزید یہ سب سن کے اس کا دکھ وافسوس سے برا حال ہوگیا۔

''خوشنما تم غلط نہیں سمجھو میں جو حرکتیں کررہا تھا نانا جان تمہیں کوئی دکھ نہیں دینا چاہتے تھے۔''

''شٹ اپ، آپ سب ہی خود غرض ہیں ہم غریبوں کی جب دل چاہا بے عزتی کردی، عزت تو آپ اپر کلاس لوگ کبھی دیتے ہی نہیں ہیں۔''

''تم غلط بات کررہی ہو ایسی کوئی کہانی نہیں ہے۔'' ہیثم گھبرا کے بوکھلا کے اس کے قریب بیٹھا۔ نہایا نہایا گلابوں جیسا چہرہ اتنا دلکش لگ رہا تھا کہ دل کررہا تھا خوشنما کو وارفتگی سے محسوس کرے مگر ابھی یہ سب ممکن نہیں تھا۔

''یار کوئی کمپرومائز کی گنجائش نہیں نکل سکتی۔''

''میری نظروں کے سامنے سے چلے جائیں آپ سب ہی خود غرض ہیں اور آپ، آپ نے میری اتنی ہتک

کی ہے ایک لڑکی کو پہلی رات اس کا شوہر چھوڑ کے چلا جائے یہ اس کے لئے مرنے کا مقام ہوتا ہے مگر مسٹر بیشم تم معافی کے بھی قابل نہیں ہو اور یہ تمہارے سارے رشتے دار مجھے ہمیشہ گری ہوئی نگاہوں سے دیکھتے تھے۔'' وہ چہرہ ہاتھوں میں چھپا کے بری طرح رو رہی تھی اور بیشم خود کو ندامت کی گہرائیوں میں گرتا ہوا محسوس کر رہا تھا۔

☆......☆

حباب میکے رہنے آئی ہوئی تھی حسنیٰ کو بھی بلا لیا تھا دونوں ایسے ملی تھیں جیسے بہت صدیوں بعد ملی ہوں۔

''حسنیٰ آنٹی آپ خاصی دبلی ہوتی جا رہی ہیں۔'' ارومہ نے اس کا خاصا تفصیلی جائزہ لینے کے بعد کہا۔

''اچھا ہے نا دبلی ہو گئی ہیں۔'' حباب کو وہ بہت پیاری لگنے لگی تھی۔ ''تمہارے ماموں مجھے اتنا ڈراتے ہیں کہ دبلی تو ہوں گی ہی اور تو اور پتہ نہیں کیا کیا الٹا سیدھا بولتے ہیں۔'' حسنیٰ کو شہریار کی شکایت کرنے کا موقع مل گیا۔

''حسنیٰ آنٹی شہریار ماموں الٹا سیدھا تو نہیں یقیناً پیار بھری باتیں کرتے ہوں گے۔'' حباب نے معنی خیزی سے کہتے ہوئے اس کے بازو پر ہلکی سی دھپ لگائی۔

''تم غلط فہمی کا شکار ہو تمہارے ماموں کو پیار بھری باتیں تو کرنی آتی ہی نہیں ہیں۔''

''اب ایسے بھی نہیں ہیں شہریار ماموں رومینٹک تو ضرور ہوں گے یہ آپ ہمیں نہیں بتا رہی ہیں۔'' حباب نے سرگوشی میں پوچھا۔

''تمہارا ضمران تو ضرور رومینٹک ہوگا مگر یہ شہریار ذرا سا بھی نہیں ہوگا۔'' حسنیٰ نے دانت پیسے۔

''حسنیٰ ذرا ادب لحاظ کرو شہریار تمہارا شوہر ہے۔'' بینا نے اسے ٹوکا جو اس کی بات سن چکی تھیں۔

''آپ سب لوگ ہی ان کی سائیڈ لیتے ہیں میری کوئی بھی نہیں لیتا۔'' اس نے خفگی سے برا مان کے شکوہ کیا۔

''حسنیٰ آنٹی امی آپ کو سمجھا رہی ہیں ڈانٹ نہیں رہی ہیں اور آپ بالکل بے فکر ہیں آپ کی جب بھی شہریار ماموں سے لڑائی ہوگی میں ہی آپ کی سائیڈ لوں گی۔'' حباب نے اس کے شانے پر تھپکی دی۔

''حباب تم میرا مذاق اڑا رہی ہو۔''

''آنٹی میں کیا آپ کا مذاق اڑاؤں گی میری زندگی ہی خود مذاق بن گئی ہے۔'' حباب نے افسردہ اور معصوم لہجے میں کہا۔

بینا کی شاکی نگاہیں اس پر اٹھ گئیں کیونکہ ان تین چار ماہ کے عرصے میں حباب نے پہلی دفعہ شادی کے بعد ایسی بات کہی تھی۔

''کیوں کیا ہوا تمہاری ساس تمہیں کچھ کہتی ہے۔'' وہ تو فوراً ہی گویا ہوئیں۔

''حباب کیا بات ہے؟'' حسنیٰ نے بھی فکرمندی سے پوچھا۔

''وہ تو کچھ نہیں کہتی ہیں البتہ ان کے سسرالی اور ساس نے میرا دم سکھا کے رکھا ہوا ہے۔''

''بات کیا ہے بتاؤ مجھے۔'' بینا اس وقت بالکل روایتی ماؤں کی طرح فکر کرتی ہوئی اس کے پاس آ کے بیٹھیں ارومہ کو آج وہ بالکل نئے انداز میں لگیں۔

''ضمران کی دادی ہر وقت بچے کا طعنہ دیتی ہیں۔'' وہ رونے لگی۔

''ارے یہ کیا بات کی انہوں نے، ابھی تمہاری شادی کو دن ہی کتنے ہوئے ہیں۔'' بینا کو تو غصہ آنے لگا۔

''ضمران کچھ نہیں کہتے انہیں۔'' حسنیٰ کو بھی فکر لاحق ہوئی۔

''وہ انہیں بہت کچھ کہتے ہیں مگر وہ دادی ہیں ان کی شان میں گستاخی کوئی نہیں کر سکتا میری ساس برا مناتی ہیں۔''

''ارے واہ یہ کیا بات ہوئی، تمہیں وہ کچھ بھی کہتی رہیں آگے سے کوئی انہیں کچھ کہے بھی نہیں میں خود رضوانہ باجی سے آ کے بات کرتی ہوں۔''

''امی پلیز آپ کچھ نہیں کہیے گا وہ مجھے اس لئے بھی منع کرتی ہیں کیا ان کی ساس ان کے ساتھ کونسا اچھا سلوک کرتی ہیں اور پھر ان کی ساس کی مرضی تو ضمران کی پھوپو کی بیٹی سے تھی۔''

''بینا باجی یہ تو جلن حسد والی کہانی ہوئی۔'' حسنیٰ کو دکھ بھی ہونے لگا۔

''تم ڈرتی کیوں ہو منہ توڑ جواب دیا کرو۔'' ارومہ کو تو سن کے غصہ آیا۔

''ہاں منہ توڑ جواب دیا کروں جیسے بہت آسان ہی ہے۔'' اس نے آنسو صاف کیے۔

''ضمران میرا بہت خیال رکھتے ہیں اور محبت بھی بہت کرتے ہیں شائد یہ سب ان لوگوں کو برداشت نہیں ہو رہا۔'' اس نے نوشین اور راشدہ پھوپو کی بھی ساری باتیں بتائیں۔

''وہ نوشین تو مجھے اس دن سے سخت بری لگنے لگی ہے۔'' حسنیٰ حباب کی مایوں والے دن کا ہنگامہ بھولی کب تھی۔

''نوشین جب بھی آتی ہے ضمران کے آگے پیچھے ہوتی ہے۔''

''ضمران اسے کوئی رسپانس تو نہیں دیتا۔'' بینا نے تفکر زدہ لہجے میں استفسار کیا۔

''نہیں وہ تو خود اس سے چڑتے ہیں اور آدم تو انہیں اتنی منہ پر سناتا ہے پھر بھی ہر ہفتے آ جاتی ہیں۔''

''بتاؤ تو سہی جوان لڑکوں کے گھر میں اپنی جوان بیٹیوں کو چھوڑ جاتی ہیں۔''

''امی آج کل کوئی لحاظ نہیں کرتا۔'' ارومہ ان تینوں کے لئے چائے بنا کے لے آئی تھی۔ بینا نے گہری نگاہوں سے اسے دیکھا انہیں ایسا لگا کہ ارومہ ان پر طنز کر رہی ہو۔

''میں آپ کو بالکل بھی نہیں کہہ رہی ہوں۔'' ارومہ جیسے ان کی نگاہوں کا مفہوم سمجھ گئی تھی اس نے چائے کی ٹرے سائیڈ ٹیبل پر رکھی۔

''اگر میرے ابھی تک کوئی خوشی کی خبر نہیں ملی تو ان کی دادی کہتی ہیں پہلے سال میں ہی بچہ ہو جائے تو اچھا ہے۔''

''حباب مجھے بھی فکر ہو گئی ہے میں تمہارا چیک اپ کل ہی کروا دیتی ہوں۔'' بینا تو پریشان ہو گئیں۔

''ارے بینا باجی کیا ہو گیا ہے ہماری حباب کی شادی کو کوئی عرصہ نہیں گزرا ہے جو پریشانی ہو یہ تو اللہ کی دین ہے جب دے۔'' حسنیٰ نے ان کی سوچ کو روکا گھبرا تو حباب بھی گئی کیونکہ وہ انہیں یہ تو بتا نہیں رہی تھی کہ ضمران سے اس نے کونسا اچھے تعلقات رکھے ہیں بچہ جا دوسے تو ہونے سے رہا۔ حباب نے چائے کا کپ اٹھایا۔

''امی آپ بھی ان کی باتوں سے ڈر گئیں۔''

''جب تم رو رو کے بتاؤ گی تو ظاہر ہے ڈریں گی۔'' ارومہ کسی کو بھی نہیں بخشتی تھی۔

''تم چپ رہو۔'' حباب نے اسے ڈانٹ دیا۔

حسنیٰ خود گہری سوچ میں پڑ گئی اگر اس کے بھی پہلے سال میں بچہ نہیں ہوا تو حسین بیگم تو خود سنانے میں آگے تھیں وہ کب کسی کو چھوڑتی تھیں۔ اس نے ویسے سوچ لیا تھا ایسا کچھ کرے گی کہ شہریار اس کی مٹھی میں آ جائے۔''

''کہاں گم ہیں چائے پئیں۔'' ارومہ نے اس کے بازو کو ہلایا وہ چونک گئی اور جھینپ کے اسے دیکھنے لگی۔

☆......☆

اسے یہاں آئے ہوئے پندرہ دن ہو گئے تھے وہ کمرے سے باہر نکل آئی تھی وہ بھی چھوٹی مامی اسے زبردستی

لائی تھیں۔

"اپنے میاں کو ناشتہ کھانا تم اپنی نگرانی میں وہ بہت نخرے کرتا ہے۔" چھوٹی مامی اسے مسکرا مسکرا کے ہیثم کی باتیں بتا رہی تھی اور وہ کچن کا تفصیلی جائزہ لے رہی تھی بڑا سا کچن جدید طرز پر بنا ہوا تھا اس میں ہر چیز بڑے طریقے اور سلیقے سے لگی تھی کراکری بھی خوب بھری ہوئی تھی خوشنما نے ہر چیز کا جائزہ لیا تھا۔

"ہمارے ہاں ماسی صفائی وغیرہ کے لئے رکھی ہوئی ہے کھانا بنانے کی ہم لوگوں کی باریاں ہوتی ہیں دادا جان کو ماسیوں کے ہاتھ کا کھانا بالکل پسند نہیں ہے وہ کہتے ہیں کچن کے سارے کام کھانا بنانے سے لے کے لگانے تک کا کام گھر کی خواتین ہی کریں۔" چھوٹی مامی اسے تفصیل سے بتا رہی تھیں اور وہ چیئر پر بیٹھی صرف ان کی سن رہی تھی۔

"میرا کھانا بنانے کا نمبر کب ہوگا۔" اس نے پوچھا۔

"ابھی تم نئی نویلی دلہن ہو ذرا ٹھاٹ سے رہو۔" وہ مسکرائیں رات کے کھانے کے لئے چکن کڑھائی بنا رہی تھیں۔ "شاہدہ کیوں تم اتنا ہر کسی کو سر چڑھاتی ہو۔" بڑی مامی چلی آئیں۔ خوشنما جز بز ہو کے انہیں دیکھنے لگی ہیثم کا حکم تھا بڑی مامی کے بالکل منہ نہیں لگنا ہے اگر وہ طنزیہ باتیں کریں بھی تو جواب نہیں دینا ہے۔

"بھابی خوشنما اس گھر کی فرد ہے اس میں سر چڑھانے کی تو بات ہی نہیں ہے۔" انہیں ناگوار گزرا اور خوشنما کے سامنے شرمندگی بھی ہوئی۔

بڑی مامی کے تو دل پر اور زیادہ آرے چلنے لگے تھے کیونکہ وہ ان کی بیٹی کی جگہ پر جو آ گئی تھی جب کے ہیثم نے ایسی کوئی دلچسپی ظاہر نہیں کی تھی پھر بھی وہ کوششوں میں تھیں جو ہم سے ہیثم کی شادی ہو۔

"چھوٹی مامی روٹیاں میں بنا دوں۔"

"شاہدہ ہماری روٹیاں اور کھانا بنوانے کی ضرورت نہیں ہے ہم خود اپنا الگ کچن کر لیں گے۔" وہ یہ کہہ کر کچن سے نکل گئیں جیسے وہ یہی تو جتانے آئی تھیں۔

خوشنما کو ان کے لب و لہجے میں حقارت تضحیک اور توہین سب ہی تو ظاہر ہوتی لگی یعنی اس کا غریب ہونا ان کے لئے کوئی موذی چیز تھی۔

"خوشنما تم بھابھی کی باتوں کو دل سے نہیں لگانا یہ مزاج کی تیکھی ضرور ہیں مگر دل کی بری نہیں۔" شاہدہ یہ بالکل نہیں چاہتی تھیں خوشنما پر ان کا تاثر غلط پڑے جب کے وہ اولین دن کی بے عزتی ان کا جلن حسد کب بھولی تھی۔

"اور دیکھو ہیثم کو بالکل نہیں بتانا وہ بہت حساس ہے۔" وہ اسے ہدایت بھی دینے لگیں۔

خوشنما کو کسی کے درمیان ناپسندیدہ بن کے رہنا کڑے عمل سے گزرنا لگ رہا تھا وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی آخر ان کا رویہ ایسا کیوں ہے۔

"ارے بھابھی آپ یہاں ہیں دادا جان آپ کو یاد فرما رہے ہیں۔" مہران یونیورسٹی سے اسی وقت آیا تھا اور سید حارخ اس کا کچن میں ہی ہوتا تھا

"خیریت تو ہے۔" شاہدہ نے مسکرا کے پوچھا۔ "پتہ نہیں اسٹڈی روم میں تھے اور وہاں ہیثم بھائی بھی موجود ہیں۔" اس نے مزید تفصیل دی خوشنما نے اپنا دھانی آنچل قرینے سے سر پر رکھا۔

"معصومیت تو دیکھو اس لڑکی کی۔" نزہت مامی نے پھر جلے دل سے تیر پھینکا۔

وہ انہیں ڈائننگ ہال میں جاتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔

"آؤ بیٹا۔" مرتضیٰ علی نے سنجیدہ اور خاموش خوشنما کو جھجک کے دروازے کی چوکھٹ میں کھڑی دیکھا۔ ہیثم کی بھی پر شوخ نگاہیں اٹھیں دھانی کلر اس پر کتنا سج رہا تھا سادگی میں بھی وہ یکتا نظر آتی تھی۔

"نانا جان آپ خود بولیں۔" وہ گویا ہوا۔

"خوشی بیٹا آپ کو آج ہیثم کے دوست کے گھر ڈنر پر جانا ہوگا۔" وہ اسے کہنے لگے۔

ہیثم نے مرتضیٰ علی کا سہارا لیا تھا کیونکہ اگر وہ خود سے کہتا تو وہ ضرور اختلاف کر کے اڑ جاتی۔

"جانا کیا ضروری ہے؟" اس نے آہستگی سے کہا۔

"بیٹا دیکھو ضروری تو کچھ بھی نہیں ہوتا ہے مگر بہت کچھ خود سے کرنا پڑتا ہے اس لئے میں چاہتا ہوں کہ تم ہیثم کے ساتھ گھومو پھرو حالانکہ ہیثم اس قابل تو نہیں ہے کہ اسے معاف کیا جائے۔" وہ ہیثم پر بھی نگاہ ڈال کے بولے وہ لب بھینچے بیٹھا تھا۔

"میں نے انہیں معاف کیا بھی نہیں ہے ٹھیک ہے اگر آپ کا حکم ہے تو چلی جاؤں گی۔" اس نے یہ کہہ کر بات ہی ختم کر دی وہ دونوں اس کی سنجیدہ صورت دیکھنے لگے۔

☆......☆

حسنیٰ کو یہاں آئے ہوئے دوسرا دن تھا رفعت کی مسلسل کال آ رہی تھی وہ گھر آ جائے مگر حسنیٰ کام چور اس لئے بھی رکی ہوئی تھی کہ نسرین کے کاموں سے کم از کم بچی ہوئی تو تھی۔

"حسنیٰ آنٹی...... حسنیٰ آنٹی شہریار ماموں کی کال ہے۔" اردمہ نے اسے دو تین آوازیں دے کے جگایا۔

"اردمہ پلیز کہہ دو میں سو رہی ہوں بعد میں کر لیں۔" وہ چادر منہ پر تان کے لیٹی۔

"اردمہ اپنی آنٹی سے کہو اگر خیریت چاہتی ہو تو بات کرے۔" اردمہ نے اسپیکر آن کیا ہوا تھا شہریار کی آواز پر تو وہ تیزی سے جھٹکا کھا کے اٹھ بیٹھی اور حواس باختہ بھی ہو گئی جیسے موبائل سے شہریار باہر نکل آیا ہو۔

"آپ بات کریں میں ناشتہ بناتی ہوں۔" وہ مسکراتی ہوئی نکل گئی لگتا تھا حباب بھی آج جلدی اٹھ گئی تھی اس لئے بیڈ پر نظر نہیں آ رہی تھی۔

"آپ آرام سے سونے بھی نہیں دیتے ہیں۔"

"سوچو جب پاس ہوں گا تو بالکل سونے نہیں دوں گا۔" لہجہ اس کا معنی خیز تھا مگر آواز کو سنجیدہ بنایا ہوا تھا۔

"کیا بکواس ہے۔" اس کے تو پتنگے لگ گئے۔

"تمیز سے الفاظ کا خیال کرو تمہاری زبان بھی پھوپھو کی زبان کی طرح ہی چلتی ہے۔"

"آپ کا اپنی زبان کے بارے میں کیا خیال ہے۔" اس نے بھی ناک کے طنز کا ترکی بترکی مارا۔

"مجھے چھوڑو میں شروع سے ایسے ہی بولتا ہوں پورا خاندان جانتا ہے۔" شہریار نے تفخر زدہ لہجے میں ہی کہا۔

"اچھا یہ بتایئے کال کیوں کی ہے۔" وہ صبح صبح کسی بھی لڑائی کے موڈ میں نہیں تھی۔ اس لیے وہ کھسیا بھی گئی تھی۔

"ہوں، کال کیوں کی ہے دھیان سے سننا اور کسی کے سامنے ظاہر نہیں کرنا۔"

"ایسی کیا بات ہے۔" اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی سی دوڑ گئی۔

"تم پتہ لگاؤ اپنے طور پر حباب ضمران کے ساتھ ٹھیک رہ رہی ہے یا دونوں کی کچھ کھٹ پٹ ہے۔" اس نے مدعا بیان کیا۔

حسنیٰ کو کل کی باتیں یاد آئیں حباب جو اپنی سسرال کی بتا رہی تھی مگر ضمران کے بارے میں تو ایسا کچھ نہیں بتایا

وہ سوچنے لگی۔

''حباب نے کبھی ضمران کا ذکر ہی نہیں کیا۔'' وہ بولی۔

''ابھی تو میں پوچھ رہا ہوں کیونکہ میری کل ضمران سے بات ہوئی، لگتا ہے حباب اسے اہمیت نہیں دیتی ہے دونوں میں دوریاں ہیں۔'' وہ خاصا تفصیل سے اسے بتانے لگا۔

''حباب ضمران کا ذکر کرتی بھی نہیں ہے۔''

''ابھی تو کہہ رہا ہوں موٹی عقل کی عورت پتہ کرو۔'' وہ پھر اسے سلگانے لگا۔

''آپ سے تو کبھی بھی طریقے سے بات نہیں ہوتی۔'' وہ غصہ میں آگئی۔

''دیکھو تم اس وقت میری بات پر غور کرو، سوال میں سے سوال نہیں نکالا کرو مجھے سخت چڑ ہے۔'' وہ برہم ہو رہا تھا۔

''اچھا ٹھیک ہے میں آج ہی بات کرتی ہوں۔'' وہ خفیف ہوگئی۔

''رات میں کال کروں گا پاکستان کے وقت کے مطابق گیارہ بجے۔'' وہ بولا۔

''پلیز ایک درخواست ہے، صبح ہی صبح نہیں کیا کریں کال، میں سو رہی ہوتی ہوں۔''

''جتنا سونا ہے سو لو بعد میں سونے بھی نہیں دوں گا۔'' وہ قہقہہ لگا کے بولا تھا۔

حسنیٰ نے تپ کے سیل ہی آف کر دیا جلدی جلدی فریش ہوئی۔

''ہوگئی شوہر نامدار سے بات۔'' حباب نے شرارتی لہجے میں مسکرا کے چھیڑا۔

''میری تو اپنے شوہر نامدار سے ہوتی رہتی ہے بات، تم کچھ نہیں بتاتی ہو اپنے شوہر نامدار کی کوئی بات۔'' ناشتہ بنا کے اردمہ نے لاؤنج میں ہی لگا دیا تھا بینا ابھی تک سو رہی تھیں۔

''میرے شوہر کی سن کے کیا کریں گی۔'' اس نے بات ہنس کے مذاق میں اڑائی۔

''کیوں میرے بڑے پیچھے پڑی رہتی ہو شہر یار مجھ سے کیسی باتیں کرتے ہیں وہ رومینٹک بھی ہیں یا نہیں۔''

''میں تو اس لئے پوچھتی ہوں شہر یار ماموں کا پتہ ہی نہیں چلتا ہے ہر وقت ایک سے موڈ میں رہتے ہیں امی سے ہمیشہ نصیحت آمیز لہجے میں بات کرتے ہیں اور امی کو جو کہ ناگوار گزرتا ہے نانی اماں سے بھی رعب والے انداز میں کرتے ہیں مجھے یہ تجسس رہتا ہے شہر یار ماموں آپ سے، یقیناً اچھے موڈ میں کرتے ہوں گے بات۔''

''بکو مت تمہارے ساتھ وہ کب برے انداز میں بات کرتے ہیں۔''

''حسنیٰ آنٹی ٹھیک کہہ رہی ہیں۔'' اردمہ چائے کی کیتلی اٹھائے چلی آئی۔

''تم پھر اس میں لے آئیں پتہ ہے اس میں ٹھنڈی ہو جاتی ہے چائے فلاسک میں لایا کرو۔'' حباب کو ٹھنڈی چائے میں مزا نہیں آتا تھا۔

''فلاسک میں اسمیل آ رہی تھی گرم پانی سے دھلے گا۔'' اس نے عذر بھی بتایا۔

''ارے بیٹا باجی کو بھی اٹھا دیتیں تم۔''

''آنٹی وہ اپنی مرضی سے اٹھتی ہیں آپ کو پتہ ہی ہے اردمہ سے ان کی بنتی ہی کب ہے۔'' حباب نے ناشتہ شروع کر دیا تھا۔

''زیادہ بدتمیزی نہیں کیا کرو ان کے ساتھ۔'' حسنیٰ نے اردمہ کو چپت لگا کے سرزنش کی۔

تینوں نے خاموشی سے ناشتہ کیا اردمہ کچن سمیٹ کے کمپیوٹر کے آگے بیٹھ گئی تھی۔

حباب اور حسنیٰ باتوں میں لگ گئی تھیں۔

''تم لگتا ہے جان بوجھ کے کچھ نہیں بتانا چاہ رہی ہو۔''

''آپ یہ کیسے کہہ سکتی ہیں۔'' حباب نے چتون تیکھے کر کے اسے دیکھا۔

''زیادہ مجھ سے کچھ چھپانے کی کوشش نہیں کرو۔''

''ارے میں کیا چھپاؤں گی۔'' وہ حسنیٰ کے سوال پر سوال کرنے پر گھبرا گئی مگر اس نے سوچا ہوا تھا اپنے کسی بھی پرسنل معاملات میں کسی کو نہیں انوالو کرے گی۔

''مجھے لگتا ہے تم ضمران کو قبول نہیں کر رہی ہو۔'' حسنیٰ کا انداز تفتیشی اور شاکی ہو گیا حب کی شادی کے بعد وہ یوں تفصیلی بہت عرصے بعد ملی تھی اس لئے بھی وہ حباب سے زیادہ کچھ سسرال والوں کے متعلق نہیں پوچھ سکی تھی۔

''جب شادی ہو گئی تو قبول بھی کر لیا ضمران بہت اچھے ہیں کہ ایک بدنام لڑکی کو ایسے حالات میں قبول کر لیا ارے اس سے بڑی کیا بات ہوگی۔'' ایکدم ہی وہ طنزیہ اور تلخ ہو گئی۔

''یہ کیا بول رہی ہو ضمران تم سے ایسی کچھ بات کہتا ہے۔'' حسنیٰ نے اچانک استفہامیہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے فکر مند لہجے میں پوچھا۔

''کہتے تو نہیں ہیں۔''

''تمہاری ساس کہتی ہوں گی۔'' حسنیٰ کو بھی جاننے کی بے چینی ہو گئی تھی۔

''وہ سب بہت اچھے ہیں مگر حسنیٰ آنٹی کاش میری شادی ایسے حالات میں نہ ہوتی۔'' لہجے میں حسرت اور افسردگی تھی۔

''دیکھو حباب اللہ تعالیٰ جس کی قسمت میں جو لکھ دیتے ہیں وہ سب اسی طرح ہوتا ہے اس کی منشاء کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا۔''

''پھر لوگ یہ کیوں کہتے ہیں قسمت انسان خود بناتا ہے۔'' وہ آہستگی اور افسردگی سے پھر گویا ہوئی۔

''قسمت بھی تدبیر سے بنتی ہے اور پھر تمہارا جوڑ ضمران سے ایسے ہی لکھا تھا مگر یہ تم پر منحصر ہے تم یہ سب کیسے خوشی خوشی قبول کرتی ہو اگر تم ضمران کو منفی ردعمل دوگی تو وہ تم سے دور سے دور ہوتا چلا جائے گا یہ سب تم بھی اندازہ کر چکی ہو نوشین کو بھی تم اچھی طرح جانتی ہو میں تمہیں یہ کہتی ہوں آئندہ کی قسمت تم خود خراب نہیں کرو اسے اچھی بناؤ۔'' حسنیٰ اسے بڑے مدبرانہ انداز میں سمجھا رہی تھی۔

☆......☆

''امی آپی تو ایسی گئی ہیں ان کی کوئی خیر خبر ہی نہیں ہے میں نے کال بھی کی تھی ان کا سیل بند ہے۔'' رمنا کو بہت فکر ہو رہی تھی۔

''آپی تو میرے خیال میں اپنا سیل یہیں چھوڑ گئی ہیں میں نے الماری میں ان کی دراز میں دیکھا تھا۔'' ایمن الماری میں کسی کام سے کچھ نکالنے لگی تھی اسے خوشنما کا سیل نظر آیا تھا۔

''لو تو پھر اس کی خیر خیریت کیسے ملے گی۔'' امی کو اس کی بہت فکر ہو رہی تھی۔

خوشنما ویسے ہی زبردستی تو گئی تھی وہ اس کے مزاج سے واقف تھیں غصے کی وجہ سے بھی وہ کال نہیں کر رہی ہوگی کیونکہ جاوید احمد کے سمجھانے پر وہ گئی تھی۔

''امی مجھے لگتا ہے آپی کو غصہ ہے جب ہی انہوں نے خود بھی کال نہیں کی۔'' رمنا کو اتنا اندازہ تھا۔

''ہیثم بھائی کے سیل سے ہی کر دیتیں۔''

"تمہارے پاس نہیں ہے ہیثم کا نمبر۔" امی نے ایمن سے پوچھا۔
"نہیں اتنی ہماری بات چیت ہی کب رہی ہے جو وہ نمبر وغیرہ دیتے۔"
"ایسا کرتے ہیں ہم لوگ چلتے ہیں۔" رمنا کو یہی سمجھ آ رہا تھا۔
"نہیں ایسے جانا ٹھیک نہیں ہے۔" امی نے پرسوچ انداز میں منع کیا۔
"امی کیوں ٹھیک نہیں ہے ہم آپی کے گھر جا سکتے ہیں۔" رمنا کو ان کا یہ اعتراض سمجھ نہیں آیا۔
"پہلے کبھی یوں گئے نہیں ہیں۔" وہ قدرے توقف کے بعد گویا ہوئیں۔
"امی ہم اگر جائیں گے نہیں تو وہ لوگ آپی کو دبا کے رکھیں گے۔" رمنا کو خوشنما کی بہت فکر ہو رہی تھی۔
"ارے وہاں ایسی کوئی بات نہیں مرتضیٰ صاحب بہت خیال کریں گے اور ہیثم بھی خود ہمیں یقین دلا کے گیا ہے وہ دونوں اس کا خیال رکھ رہے ہوں گے۔"
"امی ہم پھر بھی جائیں گے تاکہ ہماری تسلی ہو جائے۔"
"ٹھیک ہے میں تمہارے ابو سے پوچھتی ہوں وہ اگر اجازت دے دیں گے تو ٹھیک ہے چلتے ہیں۔" امی بھی اسے دیکھ کر اطمینان حاصل کرنا چاہتی تھیں خوشنما کس طرح وہاں رہ رہی ہے۔
جاوید احمد نے اجازت دے دی تھی۔ وہ تینوں تیار ہو کر نکل گئی تھیں شام کے پانچ بج رہے تھے اسٹاپ پر وہ کھڑی تھیں کسی ٹیکسی یا رکشے کے انتظار میں مگر رکشے ٹیکسی کے کرائے بھی بہت تھے پانچ سو سے کم کی تو بات ہی نہیں کر رہا تھا پھر فیصلہ کیا گلشن اقبال تک بس سے چلے جاتے ہیں وہاں سے ٹیکسی لے لیں گے گلشن کے اسٹاپ پر کھڑی تھیں ہیثم کے دوست کی گاڑی آ کے رکی۔
"آپ نے کہاں جانا ہے۔" اشعر کی نگاہ فیروزی کپڑوں میں ملبوس رمنا پر پڑی وہ چونک کے حیرانگی سے دیکھنے لگی۔
"دماغ تو درست ہے۔" رمنا نے پہچانتے ہی انکار کر دیا تھا، امی حیرانگی سے رمنا کو دیکھنے لگیں۔
"میں ہیثم کا دوست ہوں، بھابی کے ساتھ یہ ملی تھیں میں نے انہیں دیکھ کر گاڑی روکی ہے۔" اشعر نے جھٹ وضاحت دی وہ مبادہ کچھ الٹا سیدھا ہی نہیں سوچ لیں۔
"جی امی۔" رمنا نے بھی تائید کی تھی۔
"آیئے آنٹی میں ڈراپ کر دوں جانا کہاں ہے۔"
"ہم ہیثم بھائی کے گھر ہی جا رہے ہیں۔" ایمن نے جلدی سے کہا کہیں یہ دونوں انکار ہی نہ کر دیں۔ وہ اسٹاپ پر کھڑی کھڑی کوفت میں مبتلا ہو گئی تھی۔
"نہیں بیٹا ہم چلے جائیں گے۔" امی نے بھی انکار کیا۔
اور وہ ویسے بھی نہیں بیٹھنا چاہ رہی تھیں ہیثم نے اگر برا منایا تو یہ اچھا نہیں ہو گا اور جوان غیر مرد کے ساتھ اپنی جوان بیٹیوں کو لے کے جا کے باتیں نہیں بنوا سکتی تھیں۔
اشعر بھی جیسے سمجھ گیا تھا وہ پھر سلام کر کے گاڑی آگے بڑھا لے گیا۔
"تم دونوں کیا اس کی گاڑی میں بیٹھی تھیں۔"
"امی یہ آپی کے باس بھی تھے جہاں پہلے آپی جاب کر رہی تھیں۔" رمنا نے تفصیل بتائی۔
"یہ ابو کو ہاسپٹل بھی دیکھنے آئے تھے۔" آپی بتا رہی تھیں۔
"ہوں مگر اچھا نہیں لگتا ایسے بیٹھ کر جانا تم جانتی ہی ہو ہیثم کی بڑی مامی ویسے ہی مجھے عجیب عورت لگتی ہیں انہیں

چلا تو پھر خوشنما کو سننے کو ملے گا۔" امی خاصی دور اندیش بھی واقع ہوئی تھیں ایمن منہ ہی منہ میں بڑبڑانے لگی۔
رمنا کا اس وقت سے دل دھک دھک کر رہا تھا اشعر کی نگاہوں میں بہت کچھ نظر آ رہا تھا۔

☆......☆

"تین دن ہو گئے ہیں تم اسے لے آؤ گھر سونا سونا لگ رہا ہے۔" رضوانہ کو حباب کی یاد آنے لگی تھی ان کی اس رات ہی گئی تھیں انہوں نے پھر ضمران سے حباب کو لے کے آنے کو کہا تھا۔
"جی وہیں جا رہا ہوں بینا آنٹی کی کال آئی تھی کہہ رہی تھیں بہت دن سے آئے نہیں ہو حباب کو بھی لے آنا۔" وہ جلدی جلدی چائے کے سپ لینے لگا۔
"تمہاری دادی نے بھی حد کر دی وہ انہی سے تنگ آ کے گئی ہے۔" رضوانہ نے بھی اسے نہیں روکا جانے دیا کیونکہ وہ چڑچڑی بھی ہو گئی تھی۔
"امی آپ دادی جان کو اتنا تو سمجھایئے حباب کو کچھ نہیں کہیں۔"
"تم دیکھتے ہی ہو شروع سے میرے ساتھ کیسا سلوک رکھتی ہیں۔"
"اس وجہ سے آپ کے ساتھ سلوک رکھتی ہیں ابو کی کمزوری ہے وہ بھی آپ کی سائیڈ کبھی نہیں لیتے تھے۔"
مزمل بھی اپنا چائے کا کپ لے کے ان کے کمرے میں آ گیا۔
"آپ ابو سے کہیں یہاں آ کے رہیں۔"
"ارے یہ تم نے کیا بات کی وہ یہاں کبھی نہیں آئیں گے راشدہ پھپھو بھی پتہ نہیں کیوں انہیں وہاں رکھے ہوئے ہیں۔" مزمل نے ضمران کی بات کے جواب میں کہا۔
"پھپھو کا مفاد ہی ہو گا۔" ضمران کا لہجہ بھی پرسوچ تھا۔
"تم دونوں الٹی سیدھی کوئی بات نہیں کرو۔" رضوانہ نے دونوں کو ہی سرزنش کی۔
"امی میں آپ کو بتا دوں پھپھو اپنی کسی بھی بیٹی کو یہاں بیاہنے کے چکر میں ہیں۔"
"یہ تم کیسی بڑوں کی طرح باتیں کر رہے ہو چلو جا کے اپنا کام کرو۔" رضوانہ نے ڈانٹ دیا مزمل خفیف سا ہو گیا۔
"ویسے نوین آدم کے لئے مناسب رہے گی اس طرح پھپھو اور دادی جان کا منہ ہو جائے گا۔" ضمران کو یہی سمجھ آ رہا تھا۔
"نہیں بیٹا میں آدم کے ساتھ زبردستی نہیں کروں گی پھر وہ یہ نہیں سوچے گا تمہاری کیوں نوشین کے ساتھ نہیں کر دی شادی۔" رضوانہ ہر بات اور کام بہت سوچ سمجھ کے کرنے کی قائل تھیں۔
"جی یہ تو میں نے بھی نہیں سوچا۔" وہ کپ سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر کھڑا ہو گیا پستئی کلر کے قمیض شلوار میں اونچا لمبا ضمران بہت ڈیسنٹ لگ رہا تھا۔
"مزمل سے کہتے جانا بکن نہ پھیلائے کبھی پھر کچھ پکانے میں لگ گیا ہو۔" رضوانہ عصر کی نماز کے لئے اٹھ گئیں، ضمران خدا حافظ کہہ کر نکل گیا تھا چند قدم پر ہی تو بینا کا گھر تھا۔ اسے خبر مل گئی تھی حسنیٰ بھی آئی ہوئی ہے۔ حباب کو دیکھے آج چوتھا روز تھا اس کی راتیں اور دن بے کل گزر رہی تھیں دو ایک دفعہ اس نے حباب کو کال بھی کی مگر وہ سوئی ہوئی تھی آج رضوانہ کے کہنے پر وہ لینے بھی جا رہا تھا وہ حباب کی طبیعت سے اچھی طرح واقف ہو گیا تھا وہ بہت حساس لڑکی تھی ہے ہر چھوٹی بات کو محسوس کرتی تھی جس کی اہمیت ضمران کے نزدیک نہیں تھی۔
(جاری ہے)

طاہرہ حسن

مکمل ناول

تمہیں مجھ سے محبت ہے

"دیکھیں نا مما اتنی دیر ہوگئی ہے اور یہ رضا ابھی تک نہیں آیا، آج آفس کا پہلا دن ہے اور اسے فکر ہی نہیں۔"

"ارے بیٹا! آتا ہی ہوگا۔ ٹریفک میں نہ پھنس گیا ہو۔" علیشاء جو بے صبری سے ادھر سے ادھر چکر کاٹ رہی



تھی تو مما نے اس کی بے چینی کو کم کرتے ہوئے کہا اور ناشتے کے برتن سمیٹنے لگیں۔ حالانکہ وہ جانتی تھیں کہ رضا ہمیشہ لیٹ ہو جاتا تھا اور پھر کوئی نہ کوئی بہانہ بنا کر پیش کر دیتا۔

"تھینک گاڈ! لگتا ہے رضا آ گیا۔" بائیک کی آواز سنی تو لپک کر کھڑکی سے باہر جھانکا دیکھا تو رضا ہی تھا۔

"او کے مما! میں چلتی ہوں رضا آ گیا ہے۔" فائل اور بیگ اٹھا کر وہ باہر چلی آئی۔

"شکر ہے کہ تم آج کی تاریخ میں آ گئے ورنہ میں تو سمجھی تھی کہ تمہارا جانے کا کوئی پروگرام نہیں، کہاں رہ گئے تھے تم؟"

"او گاڈ علیشا! کتنا بولتی ہو تم۔" رضا نے ہیلمٹ اتار کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"اتنی دیر سے کیوں آئے ہو؟"

"یار وہی ٹریفک پرابلم تم جانتی تو ہو۔"



''ہاں ہاں سب جانتی ہوں تمہیں اور تمہاری ٹریفک پرابلم کو، سمجھے۔''

''اب تمہیں دیر نہیں ہو رہی، جانا نہیں ہے کیا؟''

''او شٹ چلو چلو پہلے ہی تمہارے انتظار میں لیٹ ہو چکے ہیں۔ اب یہ نہ ہو کہ پہلے ہی دن آفس سے ... ہوں۔'' رضا نے بائیک اسٹارٹ کی اور علیشا اپنا دوپٹہ سنبھالتے ہوئے پیچھے بیٹھ گئی۔

''علیشا! یہ تو بتاؤ کہ تم یہ جاب مستقل کرو گی یا رزلٹ کے بعد چھوڑ دو گی؟''

''آف کورس چھوڑ دوں گی کیوں تمہارا کیا ارادہ ہے؟''

''میں سوچ رہا ہوں کہ اب جب جاب مل گئی ہے تو کیوں نا اسی پر ڈٹے رہیں میں یہ جاب مستقل ہی کروں گا۔ تم تو جانتی ہو اگر ایک بار جاب چھوڑ دو تو دوبارہ ملنا مشکل ہوتی ہے۔''

''ٹھیک کہہ رہے ہو آج کل اتنی آسانی سے اتنی اچھی جاب ملتی کہاں ہے۔'' باتوں باتوں میں آفس بھی آ گیا۔ سب سے اپنا تعارف کروانے کے بعد اب ریسپشن پر موجود لڑکی سے سر کے بارے میں انفارمیشن لے رہے تھے۔

مسٹر احتشام درانی کا اپنا کنسٹرکشن کا بزنس تھا۔ اسفندان کا اکلوتا بیٹا تھا جس نے لندن سے بزنس ایڈمنسٹریشن کی ڈگری لی اور اب تین سالوں سے بزنس میں اپنا الگ اور اہم مقام حاصل کیا تھا۔

''یوں تو سر کافی گرم مزاج کے ہیں لیکن کبھی کبھی اتنے سوفٹ نیچر میں بات کرتے ہیں کہ لگتا ہی نہیں کہ یہ وہی سر ہیں۔''

''ارے بھئی عمر کا تقاضا ہے۔''

''نہیں آپ غلط سمجھ رہی ہیں، سر تو کافی.....'' علیشا اس کی بات کاٹ کر بولی۔

''آئی نو تمہارے سر کافی کھڑوس ہیں، اس لیے تو اتنے روڈ لہجے میں بات کرتے ہیں۔''

''دیکھیں آپ کچھ زیادہ ہی.....''

''آئی نو میں کچھ زیادہ ہی بولتی ہوں مگر یہ رضا بھی کچھ کم نہیں، پتا نہیں اب کیوں اس کے منہ کو تالا لگا ہوا ہے۔ رضا تم کچھ بولتے کیوں نہیں۔'' یہ کہہ کر جیسے ہی پلٹی اپنے مدمقابل بلیک پینٹ کوٹ کے اوپر ڈارک بلیو کلر کی شرٹ پہنے نہایت ہی گریس فل پرسنالٹی کو کھڑے پایا۔ ایک پل کے لیے وہ ساکت کھڑی دیکھتی ہی رہ گئی۔ اتنے میں پیچھے کھڑی لڑکی نے کہا۔

''گڈ مارننگ سر!''

''یس سر۔'' علیشا کی زبان سے بامشکل اتنا ہی نکلا۔

''یس مائی نیم از اسفند درانی۔'' اسفی اس کی باتیں سن چکا تھا۔ اس لیے تو اسفند کو دیکھ کر رضا کی بولتی بند تھی۔

''آپ لوگ میرے کیبن میں آئیں۔'' یہ کہہ کر وہ روم میں چلا گیا مگر علیشا ابھی تک حیرت اور بے یقینی کی سی کیفیت میں مبتلا کھڑی تھی۔ تو رضا اس کے پاس چلا آیا اور کہنے لگا۔

''ایم سوری وہ مجھے نہیں پتا تھا کہ وہ پیچھے سے آ رہے تھے۔ جب دیکھا تو تمہیں بتانے لگا تھا۔ اس سے پہلے کہ میں تمہیں آگاہ کرتا وہ خود چل کر تم تک پہنچ چکے تھے۔ پتہ نہیں اب کیا ہوگا اگر تمہاری وجہ سے مجھے نوکری سے ہاتھ دھونا پڑا تو میں تمہیں چھوڑوں گا نہیں، سمجھیں۔'' علیشا کو شولڈر سے پکڑ کر ہلاتے ہوئے کہا وہ تو جیسے ابھی ہوش میں آئی تھی۔

''ایسا کیسے ہو سکتا ہے اسفند نام کے لوگ تو بڈھے ہی ہوتے ہیں مگر یہ تو......؟''

''او میری ماں، تم ابھی تک اپنے لوجیک میں پھنسی ہو اور سر نے ہمیں اندر بلایا ہے۔''

''واٹ؟''

''ہاں!''

''او گاڈ اب کیا ہوگا۔ تم نے تو کوئی کسر نہیں چھوڑی آفس سے نکلوائے جانے کی۔''

''مجھے کیا پتا تھا کہ سر میرے پیچھے کھڑے ہیں۔ تم نے بھی کوئی اشارہ نہیں کیا تو پھر مجھے کیسے پتا چلتا۔''

''اچھا اب تم نوک کرو۔''

''تو.....تم کرو۔''

''نو علیشا میڈم، کام تم نے غلط کیا اور ڈانٹ میں سنوں، ہرگز نہیں۔''

''رضا! تم نوک کر رہے ہو یا نہیں۔''

''نہیں۔''

''ٹھیک ہے میں بھی نہیں کروں گی۔''

''او کے ایز یو وش۔'' اسفند کے کیبن کے باہر کھڑے ہو کر دونوں آپس میں جھگڑنے لگے کہ دروازہ فوری کھل گیا۔ دونوں حیرت سے ایک دوسرے کو تکنے لگے۔ اتنے میں اسفند نے کہا۔

''آپ لوگ اندر آ سکتے ہیں، او کے مسٹر آپ کا کیا نام ہے؟''

''سر رضا شیرازی۔''

''اور مس آپ کا؟''

''جی علیشا۔''

اسفندان کی حرکتوں کو اگنور کرتے ہوئے انہیں ان کے کام کے بارے میں بتانے لگا۔

''مسٹر رضا! آپ یہاں اکاؤنٹنٹ کی حیثیت سے کام کریں گے اور مس علیشا آپ میری سیکنڈ سیکریٹری اپائنٹ کی جاتی ہیں۔ امیتا کے ساتھ رہ کر اپنے کام کو سمجھیں میں چاہتا ہوں کہ آپ اپنی ذمے داری کو اچھی طرح نبھائیں۔''

''او کے یو می گونا ڈانڈ ڈو یو ورک۔''

دونوں جلدی سے باہر کی طرف بڑھے۔

''ایک منٹ مس! کیا نام بتایا تھا آپ نے؟''

''جی سر! علیشا۔''

''تو مس علیشا! آپ ذرا رکیں اور مسٹر رضا آپ جا سکتے ہیں۔''

''میں جاؤں، او تھینک یو سر۔'' رضا مسکراتے ہوئے علیشا کی طرف دیکھ کر باہر چلا آیا اور دروازے کے ساتھ کان لگا کر کھڑا ہو گیا۔

''جی تو مس علیشا!'' اسفند اپنی کرسی سے اٹھ کر اس کے روبرو آ کھڑا ہوا۔ علیشا کے گھبراہٹ کے مارے پسینے چھوٹنے لگے۔ غیر ارادی طور پر علیشا کی نظریں اٹھیں اسفی کی سرخی مائل آنکھیں اسی پر جمی تھیں۔ اسفی اسے یک ٹک دیکھ رہا تھا۔ نرم، نازک سی، سرخ و سفید رنگت، پرکشش چہرے پر بے پناہ معصومیت تھی۔ اسفند اسے

دیکھ کر ایک پل کے لیے دیکھتا ہی رہا۔ پھر اپنے حواس بحال کرتے ہوئے کہنے لگا۔

"ایک بات میں آپ سے کہنا چاہتا تھا بنا کسی کو دیکھے اس کے بارے میں اتنی اچھی رائے قائم نہیں کرنی چاہیے اٹز بیڈ ہوبی! آئی ہوپ یہ آپ کی پہلی اور آخری غلطی تھی۔ اس لیے میں آپ کو معاف کر رہا ہوں، سو نیکسٹ ٹائم بی کیئرفل اب آپ جا سکتی ہیں۔" علیشا جانے کا سن کر یوں غائب ہوئی جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔ اسفند اسے جاتا دیکھ کر ہلکی سی مسکراہٹ لیے چیئر پر واپس آ بیٹھا۔ رضا نے جب علیشا کو باہر آتے دیکھا تو اس کے پاس چلا آیا اور پوچھا۔

"کیا ہوا کیا کہا سر نے؟"

"ارے کہنا کیا تھا بس یہی کہا کہ یہ آپ کی پہلی غلطی ہے اس لیے معاف کر رہا ہوں آئندہ ایسا نہیں ہونا چاہیے۔"

"بس صرف اتنا ہی۔"

"ہاں اور ویسے بھی ہماری پرسنالٹی کے آگے کوئی کچھ بول ہی نہیں پاتا، ڈانٹنا تو دور کی بات ہے۔"

"تمہیں کیا لگتا ہے کہ سر نے تمہاری صورت دیکھ کر تمہیں کچھ نہیں کہا۔"

"ہاں کہہ سکتے ہیں۔"

"جانے دو یار! معصومیت اور تمہارے چہرے پر، غلط فہمی ہے یہ تمہاری سمجھیں۔"

"اچھا بتاؤ کیا تمہیں میرے چہرے پر معصومیت نظر نہیں آتی۔"

"بالکل بھی نہیں۔"

"ارے آپ لوگ ابھی تک یہیں کھڑے ہیں؟" اچانک اسفند کی آواز پر دونوں بری طرح چونک گئے۔

"سر وہ ہم...... بس جا ہی رہے تھے۔" یہ کہہ کر دونوں جلدی سے اپنے کیبن کی طرف بھاگے۔ شام کو جب وہ گھر واپس آئی تو آتے ہی بستر پر گر پڑی۔ بنا سلام دعا کے علیشا کو یوں اپنے کمرے میں جاتا دیکھا تو مما بھی پیچھے پیچھے چلی آئیں۔

"کیا بات ہے بیٹا! تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے۔"

"کچھ مت پوچھیں مما! آج جو ہمارا حال ہوا ہے میری توبہ کیا بتاؤں آپ کو۔"

"بیٹا تمہارے بابا کب سے تمہارا انتظار کر رہے تھے اور تم یوں سیدھے اوپر چلی آئی ہو۔"

"کیا بابا آ گئے ہیں؟"

"ہاں وہ آج آفس سے جلدی آ گئے تھے۔"

"اچھا ٹھیک ہے آپ چلیں۔ میں تھوڑی دیر میں فریش ہو کر آتی ہوں۔" کچھ دیر بعد وہ فریش ہو کر آ گئی اور اب مما بابا کے ساتھ بیٹھی باتوں میں مگن تھی۔

"اچھا تو آج ہماری بیٹی کا آفس میں پہلا دن کیسا گزرا اچھا یا برا؟"

"بابا! ویسے تو اچھا زیادہ اور برا کم۔"

"اس کم برے میں ہماری بیٹی کے ساتھ کیا برا ہوا؟"

"ارے بابا! نا ہی پوچھیں تو اچھا ہے۔"

"کیوں بھئی ایسا کیا ہوا۔"

"وہ بابا! اکچولی کیا ہوا ناں۔" علیشا نے سارا واقعہ کہہ سنایا۔ بابا یہ سن کر پہلے تو ہنسے اور پھر کہنے لگے۔

"شکر کرو بیٹا کہ اس نے تمہیں آفس سے نہیں نکالا۔ لگتا ہے تمہارا باس کافی سوبر قسم کے انسان ہیں۔ آج کے دور میں ایسے لوگ کم ہی نظر آتے ہیں۔"

"اچھا اب بہت ہو گئی باتیں کھانا شروع کریں ورنہ ٹھنڈا ہو جائے گا۔" مما نے ٹیبل پر کھانا لگاتے ہوئے کہا اور خود بھی ان کے پاس بیٹھ گئیں۔ رات کو علیشا جیسے ہی بستر پر آ کر لیٹی تو فوراً ہی نیند نے اسے آ لیا۔

☆......☆

صبح رضا اسے لینے آیا تو بار بار ہارن دینے پر بھی وہ باہر نہ آئی تو وہ خود ہی اندر چلا آیا۔ اندر آتے ہی علیشا، علیشا چلانے لگا۔ اس کی آواز پر مما کچن سے باہر آ گئیں۔ انہیں آتا دیکھ کر کہا۔

"خالہ! یہ علیشا کہاں ہے اسے آفس نہیں جانا کیا؟"

"ارے بیٹا تم؟ کیسے ہو؟" خالہ کے پوچھنے پر ہی اسے سلام دعا کا خیال آیا تو شرمندہ ہو کر بولا۔

"میں ٹھیک ہوں خالہ! آپ کیسی ہیں۔"

"الحمدللہ ٹھیک ہوں بیٹا! دراصل میں بھول گئی کہ علیشا کو آفس بھی جانا ہے، ورنہ میں اسے جگا دیتی۔"

"واٹ...... وہ ابھی تک سو رہی ہے۔ جگائیں اسے اور پوچھیں اسے آفس نہیں جانا کیا؟"

"اچھا بیٹا! تم بیٹھو میں اسے اٹھا کر لاتی ہوں۔" کچھ ہی دیر میں بال سنوارتی تیز تیز چلتی ہوئی وہ باہر چلی آئی۔ اس سے پہلے کہ رضا اسے کچھ کہتا خود ہی شروع ہو گئی۔

"چلو اٹھو جلدی کرو، تمہیں چائے پینے کی پڑی ہے، پہلے ہی بہت دیر ہو چکی ہے۔ مجھے تو پتہ ہی نہیں چلا نو بج گئے۔"

"تمہیں کیسے پتہ چلے گا جب اتنی پرسکون نیند سوؤ گی مجھے دیکھو صبح سات بجے کا اٹھا ہوا ہوں اگر معلوم ہوتا کہ تم سو رہی ہو تم، اسی وقت فون کر دیتا۔"

"اچھا اب چھوڑ بھی اور کتنی دیر کرنی ہے۔" وہ باہر کی طرف نکلی تو وہ بھی بھاگا بھاگا پیچھے چلا آیا۔

"ایک منٹ علیشا بیٹا! ناشتہ تو کرتی جاؤ۔"

"رہنے دیں آنٹی! بہت دیر ہو چکی ہے اور ویسے بھی اگر یہ ایک ٹائم کا نہیں کھائے گی تو مر نہیں جائے گی۔"

"ارے نہیں بیٹا! کیسی باتیں کرتے ہو، مریں اس کے دشمن۔"

"اسفند سر! واٹ ہاں اگر وہ آفس آ چکے ہوئے تو پتہ نہیں پھر کیا ہوگا۔ سنا ہے وہ ٹائم کے معاملے میں بہت پنکچوئل ہیں۔" اچانک جب سر کا خیال آیا تو پریشان ہو کر بولی۔

"ڈونٹ وری مما! میں لنچ بریک میں کچھ کھا لوں گی۔"

"ٹھیک ہے بیٹا! اپنا خیال رکھنا۔" رضا ہواؤں کے ساتھ بائیک اڑاتا ہوا بیس منٹ میں آفس پہنچا۔ اسفند کی گاڑی ابھی تک پارکنگ ایریا میں موجود نہیں تھی۔ یہ دیکھ کر دونوں نے سکون کا سانس لیا۔

"تھینک گاڈ! سر ابھی نہیں آئے۔"

"ہاں یار! شکر ہے ٹائم پر پہنچ گئے۔ اچھا تم اندر چلو میں بائیک اسٹینڈ کر کے آتا ہوں۔"

"اوکے۔" علیشا نے ابھی ایک قدم ہی اٹھایا تھا کہ اچانک گاڑی رکنے کی آواز آئی۔ فوراً پلٹ کر دیکھا تو اسفند کی کار تھی۔

"اوشٹ۔" جلدی سے رضا کو اشارہ کر کے اندر کی طرف بھاگی۔ رضا نے مڑ کر دیکھا تو بائیک اسٹینڈ کرنا بھول گیا۔ پھر جلدی جلدی بائیک کو وہاں موجود باقی بائیکو کے ساتھ سہارا دے کر کھڑا کیا اور فوراً بھاگا۔ ادھر اسفند ان دونوں کی حرکت دیکھ چکا تھا۔ علیشا سے جلدی میں دروازے کا لاک بھی نہیں کھل پا رہا تھا۔ اسفند جیسے ہی علیشا کے کیبن کی طرف پہنچا تو علیشا کی کوشش رنگ لے آئی۔ ادھر اسفند کی نظر علیشا پر پڑی ادھر علیشا فوراً اندر گھس گئی۔ اسفند نے گھڑی پر نگاہ ڈالی۔ پونے دس ہو رہے تھے۔ اپنے کمرے میں آ کر اس نے امینا کو فون کیا اور کہا۔

"ان دونوں کو اندر بھیجو۔" جب ان دونوں کو سر کا میسج ملا تو دونوں اپنے اپنے کیبن سے باہر آئے۔ باہر آتے ہی رضا علیشا پر برس پڑا۔

"یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے اگر تم صبح اٹھ جاتیں تو یہ سب نہ ہوتا۔ اب بھگتو۔ میں تو ابھی سے کہہ رہا ہوں اگر سر نے مجھے کچھ کہا ناں تو میں سارا الزام تم پر لگا دوں گا۔"

"واٹ! اب اس میں میری کیا غلطی ہے تم اگر مجھے جلدی لینے آ جاتے تو ہم لیٹ نہ ہوتے۔"

"اچھا تو اب سارا قصور میرا ہے۔"

"دیکھیں! سر آپ دونوں کا انتظار کر رہے ہیں۔" ریسپشن پر موجود لڑکی نے انہیں ٹوک کر کہا۔ دونوں سر کے کیبن کی طرف چلے آئے اور وہ بھی بنا نوک کیے۔ انہیں اپنی اس غلطی کا احساس بھی اندر آنے کے بعد ہوا۔ یہ دیکھ کر اسفند نے کہا۔

"ابھی تک میں نے آپ کو پہلی غلطی کی سزا نہیں دی اور آپ نے دوسری بھی کر دی۔"

"وہ ایکچولی سر! ہم کافی نروس تھے اس لیے...... سوری سر۔" رضا نے فوراً اپنا بچاؤ کرتے ہوئے کہا۔

"اوکے تو مسٹر شیرازی! آپ مجھے اپنے لیٹ آنے کی وجہ بتا سکتے ہیں؟"

"یس سر وہ میں تو ٹائم پر ہی آ جاتا مگر یہ علیشا......"

اچانک رضا کی چیخ نکلی کیوں کہ علیشا نے اپنا پاؤں اس کے پاؤں پر مارا تھا۔ اسفی نے جب یہ دیکھا تو اٹھ کر کھڑا ہوا۔ علیشا کی جانب دیکھا جو سر جھکائے کھڑی تھی پھر رضا سے مخاطب ہوا۔

"جی تو آپ کیا کہہ رہے تھے۔"

"جی سر! وہ مم میں...... کچھ نہیں سر۔"

"دیکھیں آپ چاہتے ہیں کہ آپ کی جاب برقرار رہے، تو مجھے سچ سچ بتائیے۔" یہ سن کر رضا فر فر بولنے لگا۔ اسفند نے ایک گہری نگاہ علیشا پر ڈالتے ہوئے کہا۔

"اوکے مسٹر رضا! آپ جا سکتے ہیں۔"

"ریئلی!"

"یس۔ اور آئندہ اپنے وقت کا خیال رکھیے گا۔" "جی سر۔" علیشا بھی رضا کے پیچھے پیچھے جانے لگی تو اسفند نے یہ دیکھ کر کہا۔

"ایک منٹ مس علیشا! رکیں آپ کہاں جا رہی ہیں؟ جب غلطی آپ نے کی ہے تو سزا بھی آپ ہی کو ملے گی۔"

"ایم سوری سر! وہ مجھے خیال ہی نہیں رہا کہ آج آفس بھی جانا ہے۔"

"او تو آپ بھول گئی تھیں۔"

"جی سر!"

"نو پرابلم ہم آپ کے خیال کو حقیقت بنا دیتے ہیں۔"

"جی......!" علیشا نے سوالیہ نظروں سے پوچھا۔

"ایک منٹ ابھی بتاتا ہوں۔" اس نے الماری سے ایک فائل نکالی اور اسے پکڑاتے ہوئے کہا۔

"یہ رہا آپ کا ہوم ورک، گھر پر کچھ کام کریں گی تو خیال رہے گا کہ آفس بھی جانا ہے۔ یہ تمام پیپر آپ سیٹ کیجیے گا۔"

"پر...... سر!"

"آپ جا سکتی ہیں اور ہاں امینا سے مل لیجیے گا۔" باہر آئی تو امینا کو اپنا منتظر پایا۔ ابھی وہ باتیں ہی کر رہی تھیں کہ رضا ٹپک پڑا۔

"کیا ہوا علیشا کیا کہا سر نے۔"

"رضا مجھ سے فالتو بات کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، سمجھے تم۔"

"پر علیشا سنو تو سہی۔" وہ اس کی بات کو اگنور کرتے وہاں سے چلی آئی اندر آ کر کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔

"کہو کیا بات تھی؟"

علیشا! سر نے مجھے کہا ہے کہ میں تمہیں کام کے متعلق اچھی طرح سمجھا دوں سر کو اپنے کام میں کسی بھی قسم کی لاپرواہی بالکل برداشت نہیں اس لیے جتنی جلدی ہو سکے تم اس کام کو پک کر لو۔" امینا نے ٹیبل پر رکھی فائل اٹھا کر علیشا کے آگے بڑھائی۔

"میں آج کل اسی پر کام کر رہی ہوں۔" کچھ دیر بعد علیشا نے فائل اسٹڈی کرنے کے بعد نظریں اٹھا کر اس کی جانب دیکھا۔

"امینا! کام تو کافی مشکل ہے۔"

"ہاں بھئی مشکل تو ہے لیکن یور گڈ لک کہ میں یہاں ہوں تمہیں ٹرین کرنے کے لیے۔"

علیشا مسکرانے لگی۔

"ڈونٹ وری میں سارا کام اچھی طرح ہینڈل کر لوں گی۔ دیکھنا سر جلد ہی میری تعریف کریں گے۔"

"آئی ہوپ سو۔"

"کیوں بھئی۔"

"کیونکہ سر کم ہی کسی کی تعریف کرتے ہیں۔ ویل آل دا بیسٹ۔"

"تھینک یو۔"

"علیشا میڈم! یہاں تھینک یو سے کام نہیں چلتا بلکہ کام کرنا پڑتا ہے۔"

شام کو گھر آتے ہی کچن میں وہ آ کر کھانے پر ٹوٹ پڑی۔ مما نے جب دیکھا تو اس کے پاس چلی آئیں۔

"کیا بات ہے بیٹا! لگتا ہے دوپہر میں کچھ کھایا نہیں۔"

"بس مما! ٹائم ہی نہیں ملا۔"

"اچھا تم کھانا کھا لو تو تمہارے لیے ایک خوش خبری ہے۔" مما اسے بتا کر کچن سے نکلیں تو وہ بھی سب کچھ

چھوڑ چھاڑ کر پیچھے بھاگی۔

"مما، مما بتایئے ناں کیا خوش خبری ہے۔"

"ارے بھئی پہلے آرام سے کھانا تو کھالو۔"

"مما چھوڑیں کھانا وانا پہلے آپ مجھے بتایئے کیا خوش خبری ہے۔"

"نہیں پہلے تم کھانا کھالو پھر۔" مما اسے جان بوجھ کر ستا رہی تھیں۔

"مما! آپی تو نہیں آرہیں۔" اچانک جب اسے خیال آیا تو جھٹ بولی۔

"ارے واہ تمہیں تو سب پتہ ہے۔" مما نے ہنس کر اس کی بات کی تائید کی۔

"سچ مما! آپی آرہی ہیں۔" مما کو پکڑ کر وہ خوشی سے جھومنے لگی۔

"ارے بیٹا! بس کرو چھوڑ دو مجھے میں گر جاؤں گی۔"

"اچھا مما! آپی اکیلی آرہی ہیں یا احسن بھائی بھی ساتھ آرہے ہیں۔" وہ اب مما کو چھوڑ چکی تھی۔

"بیٹا اتنے سالوں کے بعد تو تحریم آرہی ہے ظاہری بات ہے احسن بھی ساتھ ہی آئے گا۔"

"واہ پھر تو اور بھی مزہ آئے گا۔ ویسے کب آرہے ہیں؟"

"کل۔"

"کیا......! اور یہ آپ مجھے اب بتا رہی ہیں؟"

"رات کو اس کا فون آیا تھا تو میں تمہیں بتانے آئی تھی۔ پر تم سو رہی تھیں سوچا صبح بتا دوں گی مگر صبح تم افراتفری میں چلی گئیں اور مجھے یاد نہیں رہا۔ خیر اب کل تم آفس سے چھٹی کرلیا۔"

"آفس سے چھٹی! نہیں مما! میں آفس سے چھٹی نہیں کرسکتی۔ مما آپ تو جانتی ہیں سر کیسے ہیں اور پتہ ہے آج میرے لیٹ آنے پر انہوں نے یہ فائل مجھے کمپلیٹ کر کے لانے کو دی ہے۔" صوفے سے فائل اٹھا کر انہیں دکھائی۔

"اب آپ ہی بتایئے میں ایسے چھٹی کیسے کرلوں۔"

"لیکن بیٹا......!"

"مما پلیز میں جلدی آنے کی کوشش کروں گی۔"

"ٹھیک اب جیسے تمہاری مرضی۔" کام کرتے کرتے ٹائم کا پتہ ہی نہیں چلا۔ نیند سے آنکھیں بوجھل ہو رہی تھیں گھڑی پر نگاہ ڈالی تو ساڑھے گیارہ ہو رہے تھے۔ پھر جلدی سے سب سمیٹ کر صبح جلدی اٹھنے کے خیال سے بستر پر آگری تو پھر صبح ہی آنکھ کھلی۔ صبح جب آنکھ کھلی تو کمرے میں میٹھی سی خوشبو پھیلی ہوئی تھی اور یہی خوشبو اسے کھینچ کر کچن تک لے آئی۔ دیکھا تو مما گاجر کا حلوہ بنا رہی تھیں جو تحریم کے ساتھ ساتھ اس کا بھی فیورٹ تھا۔

"واہ مما! کیا خوشبو آرہی ہے میں چکھ کر دیکھوں؟"

"ارے ابھی نہیں پہلے منہ ہاتھ تو دھولو نہ منہ دھویا نہ برش کیا سیدھا کھانے چلی آئی ہو۔ تمہیں صرف چکھنے کے لیے ملے گا کیوں کہ میں نے یہ حلوہ تحریم کے لیے بنایا ہے۔"

"مما! یہ کیا بات ہوئی۔ آپی آرہی ہیں تو آپ مجھے بھول رہی ہیں۔"

"ارے نہیں ایسی بات نہیں تم تو میری جان ہو، اچھا ٹھیک ہے پہلے تم ہی کھالینا۔ اب خوش۔"

"او تھینک یو مما! پیار سے مما کے گلے میں بانہیں ڈال کر بولی۔

"اچھا اچھا میں فریش ہو کر آتی ہوں۔"

"علیشا سنو!"

"جی مما! بیٹا وہ رضا کا فون آیا تھا تمہیں جگانے کے لیے میں بس تمہیں جگانے ہی آرہی تھی کہ تم چلی گئیں۔"

"او کے مما! میں تیار ہو کر آتی ہوں۔ بیٹا اگر تم چھٹی کرلیتیں تو اچھا تھا۔

"اوہو مما! میں نے کہا ناں میں جلدی آنے کی پوری کوشش کروں گی۔" کچھ دیر بعد وہ تیار ہو کر آئی تو بابا پہلے ہی ڈائننگ ٹیبل پر موجود تھے۔

"گڈ مارننگ بابا۔" علیشا وہیں ان کے پاس بیٹھ گئی۔

"آج تو ہماری بیٹی بہت خوش ہوگی۔ اس کی آپی جو آرہی ہے۔"

"جی بابا!"

"تو پھر کیا تیاریاں کیں ہیں آپ نے ہماری بیٹی کے آنے کی خوشی میں۔" بابا نے نیوز پیپر فولڈ کر کے ایک طرف رکھا۔

"وہ بابا! ایکچولی میں نے کچھ تیاری نہیں کی مما ہی نے سب تیاری کی ہیں۔"

"کیوں بھئی! تم نے کچھ کیوں نہیں کیا؟"

"بابا! آپ تو جانتے ہیں آفس جاب کتنی مشکل ہوتی ہے اور اوپر سے ہمارے باس اتنے کھڑوس ہیں کہ کیا بتاؤں۔"

"لیکن میں تو سمجھا تھا کہ آج تم آفس نہیں جاؤ گی۔"

"ٹھیک ہے بابا! میں آفس سے چھٹی کرلیتی ہوں۔"

"ارے نہیں بیٹا! اب جب کام کی ذمے داری لی ہے تو نبھانی تو پڑے گی۔" مما نے ٹیبل پر بریک فاسٹ لگا دیا تو وہ خاموشی سے ناشتہ کرنے لگی۔ علیشا کا موبائل رنگ کرنے لگا۔ دیکھا تو رضا کا نمبر تھا۔ فوراً اٹھ کھڑی ہوگی۔

"او کے بابا! میں چلتی ہوں رضا آگیا ہے۔ او کے مما۔"

"او کے بیٹا اپنا خیال رکھنا۔" وہ آفس پہنچے تو پتہ چلا اسفند آج نہیں آیا تھا ایک گھنٹہ گزرنے کے بعد بھی وہ نہیں آیا تو وہ رضا کے پاس چلی آئی۔

"حیرت ہے تم آج میرے کیبن میں۔ تمہیں معلوم ہے آج آپی آرہی ہیں۔"

"کیا......! اور تم آفس میں کیا کررہی ہو تمہیں تو گھر ہونا چاہیے تھا۔"

"کیا کروں سر کی وجہ سے مجھے آنا پڑا۔ انہوں نے مجھے فائل جو کمپلیٹ کر کے لانے کو کہا تھا اگر نہیں آتی تو انہیں سنانے کا موقع مل جاتا۔

"او کے تو اب کیا مسئلہ ہے۔"

"ایک اور گڈ نیوز ہے۔"

"وہ کیا؟" تو وہ خوشی سے بولی۔

"سر آج نہیں آئے۔"

"لیکن اس میں اتنا خوش ہونے والی کون سی بات ہے۔"
"یار! میرا دل چاہ رہا ہے کہ واپس چلی جاؤں۔"
"تو جاؤ ناں۔"
"مگر کیسے چھٹی تو لینا پڑے گی۔"
"میرے پاس ایک آئیڈیا ہے لیکن کرو گی تم۔"
"اوکے پہلے بتاؤ تو سہی۔"
"لیکن میری ایک شرط ہے میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گا۔"
"دونوں؟"
"ہاں تو کیا ہوا؟"
"مگر کیسے؟"

"بتا رہا ہوں ناں۔" رضا نے اسے اپنا آئیڈیا بتایا۔
اگلے ہی پل علیشا ریسپشن پر موجود ندا کے پاس آئی اور کہا۔
"ندا! وہ میرے کزن کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔"
"واٹ! او گاڈ کیسے ہوا؟"
"ندا! مجھے چھٹی چاہیے تھی سر بھی یہاں نہیں۔"
"کوئی بات نہیں تم مجھے لیف لکھ کر دے دو میں سر کو دے دوں گی۔" علیشا کے چہرے کا رنگ اڑ گیا انہوں نے تو اس بارے میں سوچا بھی نہیں تھا۔
"ندا! میرے پاس اتنا ٹائم نہیں ہے کہ میں لیف لکھوں مجھے ارجنٹ جانا ہے۔"
"ٹھیک ہے تم جاؤ میں سر سے کہہ دوں گی۔" ندا نے اس کی پریشانی کو سمجھتے ہوئے اسے جانے کی اجازت دے دی تو علیشا نے رضا کو آواز دی۔
"چلو رضا!"

"ایک منٹ یہ رضا کہاں جا رہا ہے۔"
"وہ ندا! اب میں اکیلی کیسے جا سکتی ہوں تم تو جانتی ہو کہ میں رضا کے ساتھ ہی آتی جاتی ہوں۔"
"ٹھیک ہے تم لوگ جاؤ۔" دونوں سنجیدہ سی شکل بنا کر باہر چلے آئے باہر آتے ہی رضا نے اپنے پلان کی کامیابی پر نعرہ لگایا۔
"یاہو! واہ علیشا! مائیڈ بلیو یئنگ تم اتنی اچھی ایکٹریس ہو یہ تو میں نے سپنے میں بھی نہیں سوچا تھا۔"
دونوں باتیں کرتے ہوئے پارکنگ ایریا کی طرف چلے آ رہے تھے۔
"اس کا مطلب تم نے مجھے ہی مروایا اویو۔" رضا نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا تو وہ مسکراتی ہوئی دور بھاگ گئی۔ رضا نے بائیک نکالی اور اسٹارٹ کر کے اس کے پاس لے آیا۔
"اوکے چلو اب بیٹھو یہ ناں ہو کہ سر ہی ٹپک پڑیں اور ہماری یہ خوشی غم میں بدل جائے۔"
"شٹ اپ رضا! جب بولو گے برا بولو گے کبھی تو اچھا بول لیا کرو۔"
"اوکے بابا! چلو اب بیٹھ بھی جاؤ۔"

''ہاں آج کا دن تو میں بھی نہیں بھولوں گی۔'' دونوں ہنستے مسکراتے گیٹ سے باہر نکلے تو اسفند نے انہیں دیکھ لیا۔ اندر آ کر نداسے پوچھا۔

''یہ لوگ کہاں گئے ہیں۔''

''سر وہ علیشا کے کزن کا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا اس لیے وہ چھٹی کر گئے ہیں۔''

''واٹ!! ایکسیڈنٹ۔''

''جی سر!''

یہ لوگ اتنی جدوجہد کے بعد جب گھر پہنچے تو مما نے بتایا آپی کی فلائٹ چھ گھنٹے لیٹ ہے اور شام کو وہ لوگ آئیں گے۔ یہ سن کر علیشا سر پکڑ کر رہ گئی۔

''دیکھا یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔'' وہ رضا کو سنانے لگی۔

''اگر تم جھوٹ نہ بولتے تو یہ سب نہ ہوتا۔''

''کیا میں نے جھوٹ بولا۔''

''ہاں آئیڈیا تو تمہارا تھا ناں۔''

''واہ میڈم! خوب صلہ دیا ہے آپ نے میری محنت کا ایک تو تمہارے لیے میں نے یہ سب کیا اور تم ہو کہ مجھے ہی برا بھلا سنا رہی ہو۔''

''اب مجھے کیا پتا تھا کہ آپی نہیں آئی ہوں گی۔''

''خیر اب کیا کرنا ہے؟''

''واپس چلیں۔''

''واٹ پاگل ہو گئی ہو کیا دماغ خراب ہو گیا ہے دوبارہ مجھے کنویں میں دھکیل رہی ہو۔''

''دیکھو نا رضا! کل تو میں ہر حال میں چھٹی کروں گی اگر آج بھی چھٹی کی تو سر غصہ ہوں گے۔ اس لیے کہہ رہی ہوں واپس چلتے ہیں۔''

''ٹھیک ہے لیکن واپس جا کر کہیں گے کیا؟''

''تم تو ایکسپرٹ ہو تو مجھ سے کیا پوچھ رہے ہو۔ راستے میں ہی کوئی آئیڈیا سوچ لینا۔''

''ٹائم کیا ہوا ہے؟ گیارہ بجے ہیں۔ چلو تمہارے لیے یہ رسک بھی لے لیتے ہیں۔''

آفس پہنچے تو اسفند کی گاڑی دیکھ کر دونوں کے ہوش اڑ گئے۔

اوپر کھڑکی میں اسفند کھڑا فون پر کسی سے بات کر رہا تھا جیسے ہی ان پر نظر پڑی تو دیکھا دونوں ابھی تک بائیک سے نیچے نہیں اترے تھے۔ دونوں ہی اس بحث میں لگے تھے کہ واپس جائیں یا نہیں اچانک رضا کے موبائل پر بیل ہوئی تو اس نے بے دھیانی میں نمبر دیکھے بغیر ہی فون ریسیو کیا۔

''اب اگر آپ واپس آ گئے ہیں تو اندر بھی تشریف لے آئیں۔'' دوسری جانب اسفند تھا۔ اس کی آواز سن کر رضا کچھ بول ہی نہیں پایا صرف سنتا رہا۔

''کیا ہوا رضا! کس کا فون تھا؟''

''سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔ اب اترو بائیک سے اور خاموشی سے اندر چلو پتہ چل جائے گا اوپر سر کھڑے ہیں اور ہمیں دیکھ چکے ہیں۔ اس لیے مزید کوئی بحث نہیں۔'' دونوں اب اسفند کے کیبن میں موجود تھے۔

''کہاں گئے تھے آپ؟'' اسفند نے دھیمی مگر کافی رعب دار آواز میں پوچھا۔

''سر! وہ ہم......!''

''کچھ بھی کہنے سے پہلے آپ کو یہ بتا دوں کہ میں نے آپ کو جاتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔'' رضا نے بامشکل ہی بولنے کی ہمت کی تھی۔

''آخر آپ لوگوں کو پرابلم کیا ہے۔ واٹس رونگ ود یو، شرم نہیں آتی آپ لوگوں کو جھوٹ بولتے ہوئے اگر آپ لوگوں کو جاب میں کوئی انٹرسٹ نہیں ہے تو پھر آفس جوائن کرنے کی ضرورت کیا تھی۔

''سوری سر!'' وہ آج میری سسٹر آ رہی تھیں تو اس لیے ہم...... ایم ریئلی سوری۔'' آخر علیشا نے ہی اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے کہا۔ اسفند کا لہجہ بھی نرم پڑ گیا۔

''یہی آپ پہلے کہہ دیتیں لیکن نہیں اتنی سی بات کے لیے آپ نے جھوٹ کا سہارا لیا۔ آج آپ لوگ یہ بات کلیئرلی سن لیں اور اپنے ذہن میں بٹھا لیں کہ مجھے جھوٹ سے شدید نفرت ہے چاہے وہ مذاق میں ہی کیوں نہ بولا گیا ہو۔''

''وی آر سوری سر!''

''آئی تھنک اب میں آپ سے یہ امید کر سکتا ہوں کہ آپ آئندہ ایسی کوئی حرکت نہیں کریں گے۔''

''جی سر!'' دونوں بیک زبان بولے۔

''اب جائیے اور جا کر اپنا کام کیجیے۔'' دونوں شرمندہ سے ہو کر سر جھکائے باہر چلے آئے۔ ان کے جانے کے بعد اسفند نے انیتا کو اپنے کیبن میں بلایا اور آج کی میٹنگ کے بارے میں ڈسکس کرنے لگا۔

جیسے تیسے وقت گزارا اور وہ گھر پہنچے تو آپی کو دیکھ کر علیشا کی ساری بے زاری دور ہو گئی سب کچھ بھول کر آپی کے گلے لگی۔ رضا بھی اس کے ساتھ اندر چلا آیا تھا۔ علیشا کے پیچھے رضا کو دیکھا تو کہا۔

''ارے بھئی آپ بھی تشریف لائے ہیں۔ کیسے ہو؟''

''جی آپی! بالکل ٹھیک، آپ سنائیے آپ کیسی ہیں۔''

''بس دیکھ لو ایک دم فٹ۔''

''اور آپ کیسے ہیں ہمارے لٹل ماسٹر۔'' تین سالہ زین کو اپنی گود میں اٹھاتے ہوئے کہا۔

''اچھا ہوں۔'' ننھا سا گول مٹول چہرے پر اسمائل کے ساتھ اور بھی بہت کیوٹ لگ رہا تھا۔

''آپی! یہ احسن بھائی کہاں ہیں؟'' علیشا نے ارد گرد نظریں گھماتے ہوئے پوچھا۔

''ارے بھئی ہم یہاں ہیں۔'' کمرے سے نکل کر اپنی قمیض کے کف درست کرتے ہوئے کہا۔ رضا جیسے ہی آگے بڑھ کر ان سے ملنے لگا تو درمیان میں علیشا آ ٹپکی اور ان سے ملتے ہوئے بولی۔

''کیسے ہیں احسن بھائی۔''

''اے ون! تم بتاؤ کہ تم نے ہماری سالی صاحبہ کا خیال رکھا کہ نہیں۔''

''رضا صاحب گھر میں سب کیسے ہیں۔ انکل آنٹی اور نائلہ وہ کیسی ہے؟''

''جی سب ٹھیک ہیں۔ کل شاید چکر لگائے۔''

''اچھا اور نائلہ آج کل کیا کر رہی ہے؟''

''آپی! آپ تو جانتی ہیں کہ اسے سوشل ورک کا کتنا شوق ہے۔ بس اسی چکر میں کبھی کسی ادارے اور کبھی کسی

ادارے کے چکر کاٹتی رہتی ہے۔"

"کیوں بھئی اس کی شادی وادی نہیں کرنی ہے یا انہی چکروں میں ساری زندگی گزارنی ہے۔"

"پتہ نہیں آپی! امی تو کہہ کہہ کر تھک گئی ہیں مگر اس پر کوئی اثر نہیں ہوتا یہ بابا نے ہی اسے سر چڑھا رکھا ہے ورنہ تو اسے میرا ابھی خیال نہیں۔"

"اوہو تو جناب کو اپنی شادی کی فکر لگی ہے۔ شرم کرو رضا کچھ تو شرم کرو پہلے بہن کے ہاتھ پیلے ہونے دو پھر اپنے سر پر سہرا سجانے کے خواب دیکھ لینا۔" اب کی بار احسن نے اسے شرمندہ کرتے ہوئے کہا مگر وہ رضا ہی کیا جو شرمندہ ہو۔

"تو کیا ہوا احسن بھائی! جب اسے پرواہ نہیں تو مجھے تو فکر کرنی پڑے گی۔"

"لگتا ہے اب علیشا کے ساتھ ساتھ تمہارا بھی کچھ کرکے ہی جانا پڑے گا۔"

"واٹ؟" آپی کی بات سن کر علیشا بری طرح چونکی۔ جب کہ آپی کے چہرے پر شرارت بھری مسکان تھی۔ علیشا کی طرح رضا بھی چونکا تھا۔ رضا آپی کے مزید کچھ کہنے کا منتظر تھا۔ اس لیے اس کی تمام تر توجہ ان کی جانب مرکوز تھی لیکن جب آپی کی جانب سے خاموشی برقرار رہی تو اسے لگا شاید وہ اس کے سامنے بات نہیں کرنا چاہتی اس لیے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"اوکے اب میں چلتا ہوں کافی ٹائم ہو گیا ہے اور میں نے امی کو بتایا بھی نہیں کہ میں یہاں ہوں۔

"تو کیا ہوا، فون کرلو تم کونسا پرائے گھر بیٹھے ہو۔"

"گھر تو اپنا ہے کل انشاء اللہ ضرور بیٹھوں گا فی الحال چلتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے جیسے تمہاری مرضی۔"

"اوکے احسن بھائی اجازت۔" احسن اٹھ کر ملا اور وہ چلا گیا۔

بابا آفس سے آئے تو زین بھاگتا ہوا ان کی گود میں چڑھ گیا۔ بابا نے اسے گود میں اٹھا کر پیار کیا۔ احسن اور تحریم سے ملنے کے بعد سب نے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھایا۔ اب چائے پینے کے ساتھ ساتھ باتیں بھی چل رہی تھیں مما تو سونے جا چکی تھیں۔ دن بھر کام کرنے سے وہ تھک گئی تھیں آپی اور علیشا ان کے بیچ بور ہونے لگیں تو اٹھ کر کمرے میں چلی آئیں۔

آپی! معلوم ہے میں آپ کو کتنا مس کرتی تھی۔ آپ کے بغیر تو مجھے بالکل مزہ نہیں آتا تھا۔" علیشا ان کی گود میں سر رکھے لیٹی تھی اور آپی اس کے بال سہلا رہی تھی۔

"علیشا میری جان! اب تم آئندہ ایسی کوئی شکایت نہیں کرو گی۔ مائی ڈیئر! اب اتنی بھی بے چینی کیا ہے۔"

"آپی پلیز بتائیے ناں یوں گول مول باتیں کیوں کر رہی ہیں۔"

"ٹھیک ہے تم یہ تو جانتی ہو گی کہ مما نے ہمیں کیوں بلایا ہے۔"

"کیا آپ کو مما نے بلایا ہے؟"

"ہاں بھئی کیوں تمہیں معلوم نہیں تھا۔"

"نہیں تو۔" علیشا نے لاعلمی ظاہر کی۔

"چلو تو میں نے تمہاری نالج میں اضافہ کر دیا۔

"مما نے آپ کو بلایا ہے اور مجھے پتہ نہیں۔"

"اوہو میری جان! اتنا مت سوچو۔" وہ علیشا کا ہاتھ تھام کر بولی۔

"چلو ایک بات بتاؤ کہ رضا کے بارے میں کیا خیال ہے۔" رضا کا نام سن کر وہ اٹھ بیٹھی۔

"آپی! اگر آپ اس لحاظ سے پوچھ رہی ہیں تو بالکل بھی نہیں رضا کو آپ جانتی ہیں کیسا ہے وہ اور اس کے ساتھ میں، نواوئے۔" اس کے دل میں رضا کے لیے ایسی کوئی فیلنگز نہیں تھیں آپی بھی اس کا جواب سن کر مطمئن ہو گئیں۔

"ریلیکس علیشا میں نے تو ایسے ہی اس کا نام لیا تھا۔ تمہیں اس بے چارے سے اتنی چڑ کیوں ہے۔ اتنا اچھا ہے تو ہمارا کزن اس کی برائی تو مت کرو، اچھا تمہیں معلوم ہے کل کون آ رہا ہے۔"

"اب کون آ رہا ہے؟"

"بھئی کل عدنان آ رہا ہے۔"

"کیا عدنان آ رہا ہے اٹس گڈ نیوز۔"

"علیشا! پھوپھو چاہتی ہیں کہ وہ واپس آ کر ادھر ادھر بھٹکے اس سے پہلے کہ اس کی منگنی کر دیں۔

"آتے ہی منگنی...... !عدنان مانے گا کہاں۔"

"ہاں بھئی کیا کریں پھوپھو یہی چاہتی ہیں۔"

"اچھا تو کون ہے وہ لڑکی جس سے عدی کی منگنی ہو رہی ہے۔"

"بڑی پڑھی لکھی خوب صورت ہے اور آج کل جاب کر رہی ہے اور یہیں رہتی ہے۔"

"کیا...... !جاب کرتی ہے؟"

"ہاں۔"

"عدنان کو اس پر کوئی اعتراض نہیں؟"

"وہ کون سا ہمیشہ کے لیے جاب کرے گی۔ رزلٹ کے بعد چھوڑ دے گی۔"

"لیکن وہ ہے کون؟"

"ارے بدھو اب بھی نہیں سمجھیں۔" علیشا نے نفی میں سر ہلایا۔

"میری پیاری بہنا وہ تم ہی تو ہو۔"

"واٹ! میں...... عدنان کے ساتھ......"

"ہوں اب عدنان میں کیا خرابی ہے۔ پڑھا لکھا ہے اپنا بزنس ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ تمہیں پسند کرتا ہے۔"

"وہ مجھے پسند کرتا ہے؟"

"ہاں بھئی اسی لیے تو پھوپھو نے تمہارا رشتہ مانگا ہے۔"

"پر آپی! میں نے اتنے سالوں سے عدنان کو دیکھا تک نہیں، اب پتہ نہیں کیسا دکھتا ہو گا۔"

"ٹھیک ہے پہلے تم اسے دیکھ لو بات کرلو پھر جو تمہارا فیصلہ ہو ہمیں بتا دینا، کوئی زور زبردستی نہیں۔"

آپی اس کی الجھنوں کو دور کرتی ہوئی بولیں لیکن وہ اسے اسی کشمکش میں مبتلا چھوڑ کر چلی گئیں۔ علیشا کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ اس نے تمام فیصلہ تقدیر پر ڈال دیا اور بستر پر لیٹ گئی۔ تمام رات کروٹیں بدلنے میں گزری۔

☆......☆

صبح گھر میں ہر طرف شام کی تیاریاں ہو رہی تھیں، بابا آفس جا چکے تھے۔ زین اور احسن ابھی تک سو رہے تھے۔ مما کافی مطمئن نظر آ رہی تھیں پتہ نہیں آپی نے انہیں کیا کہا تھا۔ مما نے ابھی تک علیشا سے کچھ نہیں پوچھا تھا

وہ چاہتی تھیں کہ علیشاء پہلے عدنان کو دیکھ لے۔
"اٹھ گئی علیشا!"
"جی آپی!" کچن سے باہر آتے ہوئے تحریم کی نظر جب علیشا پر پڑی تو پوچھا۔
"ممی، ممی!" زین آنکھیں ملتا ہوا تحریم کی طرف چلا آیا۔
"میرا لاڈلا اٹھ گیا۔" تحریم نے اسے زمین سے اٹھا کر گود میں بیٹھا لیا۔ وہیں پھر احسن بھائی بھی آگئے اور انہوں نے مل کر ناشتہ کیا اس کے بعد علیشاء اپنے کمرے میں چلی آئی۔ اچانک جب آفس کا خیال آیا تو سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔
"او گاڈ! میں نے تو لیف بھی نہیں دی ایسا کرتی ہوں رضا کو کہہ دیتی ہوں کہ میری لیف سر کو دے دے۔"
"ٹھیک ہے لیف تو میں دے دوں گا مگر اس پر تمہارے سائن چاہیے ہوں گے۔"
"کیا سائن؟"
"ہاں۔"
"اب کیا کروں؟"
"اچھا ٹھیک ہے میں کچھ سوچتی ہوں، اوکے بائے۔" ٹینشن میں اِدھر سے اُدھر چکر کاٹنے لگی۔
"میں سر کو ای میل کر دیتی ہوں۔" یہ خیال آتے ہی جلدی سے کمپیوٹر آن کیا اور میل کر دی۔
"شکر ہے جان چھوٹی۔" میل کرنے کے بعد سکون کا سانس لیا۔ شام ہوتے ہی سب آپہنچے تھے۔ پھوپھو، عدنان، رضا، نائلہ اور خالہ بھی ساتھ تھیں۔ پھوپھو تو باقاعدہ مٹھائی کے ساتھ آئی تھیں۔
"بھئی ہماری بیٹی علیشاء کہاں ہے اسے تو بلایئے۔"
"میں اسے لے کر آتی ہوں۔" آپی نے اٹھتے ہوئے کہا۔
"ہاں ہاں بھئی جلدی جاؤ آپا! اتنا سب کچھ لانے کی کیا ضرورت تھی۔" بابا نے ٹیبل پر نگاہ ڈال کر کہا۔
"یہ سب تو اپنی بہن کے لیے لائی ہوں کیوں زینب بھابھی آپ کو کوئی اعتراض ہے۔"
"ہیں بھلا میں کیوں اعتراض کرنے لگی آپ اپنی خوشی سے لائی ہیں۔" علیشاء کچن میں چائے وغیرہ تیار کر رہی تھی۔
"علیشاء اب آ بھی جاؤ پھوپھو کتنی بار تمہارا پوچھ چکی ہیں۔"
"آپی! عدنان بھی آیا ہے؟"
"کیسے سوال پوچھ رہی ہو؟ آف کورس وہ بھی آیا ہے۔"
"اچھا! وہ کیسا دکھتا ہے۔"
"علیشاء میڈم! یہ آپ خود ہی جا کر دیکھ لیں۔"
"آپی پلیز، بتایئے ناں۔"
"اب اگر میں اس کی تعریف کروں گی تو تم کہو گی میں جان بوجھ کر اس کی تعریف کر رہی ہوں۔"
"کیا بات ہے چائے تیار ہو رہی ہے یا پائے؟" اچانک احسن بھی کچن میں چلے آئے۔
"چائے تو ریڈی ہے مگر آپ کی سالی صاحبہ نہیں۔"
"کیوں کیا ہوا علیشاء؟" وہ پریشان ہوئے۔
"نہیں احسن بھائی ایسی کوئی بات نہیں وہ......"

"ارے میں بتاتی ہوں۔ علیشاء یہ جاننا چاہتی ہے کہ عدنان کیسا دکھتا ہے۔"
"او تو یہ بات ہے۔"
"نہیں احسن بھائی! یہ آپی بھی ناں ایسے ہی بول رہی ہیں۔"
"دیکھو علیشاء انسان کی صورت ہی سب کچھ نہیں ہوتی ہمیں اس کی سیرت دیکھنی چاہیے، انسان کی اصل خوب صورتی اس کے اندر ہوتی ہے۔"
"علیشاء بیٹا تم لوگ یہیں کھڑے باتیں کر رہے ہو وہاں تمہارے بابا ناراض ہو رہے ہیں۔" آخر مما خود کچن میں چلی آئیں۔
"تم دونوں بھی یہیں آکر بیٹھ گئے ہو۔"
"نہیں مما وہ ہم آ ہی رہے تھے۔ اچھا چلو اب جلدی سے چائے لے کر آؤ مما یہ کہہ کر چلی گئیں۔
"علیشاء! اب چائے لے ہی جاؤ یہ نہ ہو کہ اب بابا ادھر چلے آئیں۔" احسن نے ہنس کر کہا۔ علیشاء نے ڈرائنگ روم میں قدم رکھتے ہی سب کو بیک وقت سلام کیا۔
"شکر ہے بیٹا تمہارا چہرہ دیکھنے کو ملا، آؤ یہاں بیٹھو میرے پاس۔"
"جی پھوپھو۔" علیشاء کے چہرے پر گھبراہٹ واضح تھی۔ وہ پھوپھو کے پاس آ بیٹھی۔
"کیسی ہے میری بیٹی؟"
"جی ٹھیک ہوں۔" وہ جلدی سے اٹھی اور سب کو چائے سرو کی۔ اب صرف عدنان رہ گیا تھا۔ اس نے کانپتے ہاتھوں سے عدنان کو چائے کا کپ پکڑایا۔ وہ جیسے اس کے قریب آئی تو عدنان نے کہا۔
"یو آر ویری پریٹی۔" علیشاء جانے لگی تو احسن نے آواز دے کر روک لیا اور اپنے پاس بیٹھا لیا۔ احسن، عدنان کے ساتھ والے صوفے پر بیٹھا تھا۔ تھوڑی دیر بعد احسن اٹھ کر چلا گیا۔ اب صرف یہ دونوں ہی موجود تھے۔
"کیسی ہو تم؟" عدنان اس خاموشی کو توڑتے ہوئے بولا۔
"ٹھیک ہوں۔"
"ویسے تم اب چائے اچھی بنانے لگی ہو۔"
"شکریہ۔"
"تمہارا رزلٹ کب تک آرہا ہے؟"
"چار پانچ مہینے لگ جائیں گے۔"
"تو آج کل تم کیا کر رہی ہو؟"
"پھوپھو نے تو بتایا ہی ہوگا۔"
"ہاں بتایا تھا لیکن کیا جاب کرنا ضروری ہے۔"
"جی......؟"
"آئی مین بزی رہنے کے لیے تم کچھ اور بھی کر سکتی تھیں۔"
"آپ کو میرا جاب کرنا پسند نہیں۔"
"نہیں۔" وہ صاف گوئی سے بولا۔
"ایکچوئلی مجھے......" اس کی بات مکمل نہیں ہوئی تھی۔ مما نے علیشاء کو آواز دی۔

"جی مما!"
"بیٹا اب ذرا کھانے کا انتظام بھی کرلو۔" وہ اٹھ کر باہر چلی آئی۔ کچن میں آکر اس نے سکون کا سانس لیا۔
"تھینک گاڈ! مما نے بچالیا۔ ورنہ پتہ نہیں اور کیا کیا پوچھتے۔ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا جواب دوں۔"
"کیا ہوگیا یار! اب وہ اتنا برا بھی نہیں، جتنا تم ڈر رہی ہو۔" آپی بولیں۔
"اچھا یہ بتاؤ کہ کھانے کی کیا پوزیشن ہے؟"
"آپی! کھانا تو ریڈی ہے۔"
"او کے تو پھر جلدی سے ٹیبل پر لگا دیتے ہیں۔" کچھ دیر میں سب ڈائننگ ٹیبل پر موجود تھے۔ سوائے علیشاء کے اس سے پہلے کہ کوئی اس کا پوچھتا آپی نے رضا کو اشارہ کیا تو وہ اٹھ کر علیشاء کو لینے چلا آیا۔
"علیشاء تم تو بڑی چھپی رستم نکلیں لڑکا دیکھ بھی لیا اور پسند بھی کرلیا، مجھے بتایا تک نہیں۔" اچانک رضا کی آواز پر وہ دروازے کی طرف متوجہ ہوئی۔
"ویسے تو بلاوجہ بولتی رہتی ہو اور اب جب کام کی بات تھی تو مجھے بتایا تک نہیں۔"
"ارے رضا! ایسی بات نہیں وہ کل اچانک ہی آپی نے مجھ سے پوچھا تو میں نے......"
"تو تم نے ہاں کردی۔"
"نہیں، مطلب پتہ نہیں؟"
"علیشاء! پہلے ڈیسائیڈ کرلو کہ تمہیں کہنا کیا ہے۔"
"رضا! میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا میں کیا کروں۔"
اس کا مطلب تم نے ابھی تک کوئی فیصلہ نہیں کیا لیکن باہر تو سب یہی سمجھ رہے ہیں کہ تم نے ہاں کردی ہے۔"
"واٹ!"
"ہاں اور کیا لیکن میں نے تو ابھی تک عدنان کو دیکھا بھی نہیں۔"
"ڈونٹ بی سلی۔"
"سیریس میں نے واقعی ابھی تک عدنان کو دیکھا بھی نہیں۔"
"مگر تم تو ابھی اس سے مل کر آرہی ہو اور وہ تو تمہاری طرف ہی متوجہ تھا بلکہ یوں کہو کہ وہ تم میں ہی کھویا ہوا تھا۔"
"اچھا چھوڑو ان باتوں کو باہر سب تمہارا ویٹ کررہے ہیں۔" ڈنر کے بعد آپی برتن اٹھا کر کچن میں چلی آئیں تو علیشاء بھی پیچھے پیچھے چلی آئی۔ آپی فریج سے سویٹ ڈش نکالنے لگیں اور علیشاء برتن سمیٹنے میں لگ گئی۔
علیشاء کھیر لے کر کمرے میں داخل ہوئی تو سب کے ہنسنے کی آواز اس کے کانوں میں گونجی۔
"ارے آیئے آیئے! فی الحال آپ کی گفتگو نہیں ہورہی تھی۔" رضا نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا کیوں کہ عدنان یہیں اس کے ساتھ صوفے پر بیٹھا تھا جب کہ احسن سامنے دوسرے صوفے پر موجود تھا تو علیشاء آگے بڑھ کر کھیر سرو کرنے لگی۔ پیالی میں ڈالنے کے بعد سوچنے لگی کہ پہلے کسے دے۔ احسن بھائی بڑے تھے مگر اس وقت گیسٹ عدنان تھا اسی لیے کشمکش میں تھی کہ رضا نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ سے پیالی لے لی۔
"تھینک یو۔" رضا کی اس حرکت پر اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھا تو وہ گھوم کر احسن کے برابر آبیٹھا۔
"ارے علیشاء! اب کھڑی ہی رہوگی یا ہمیں بھی سرو کروگی؟" نائلہ اٹھ کر اس کے پاس چلی آئی۔ پھر سب کو سرو کیا گیا۔

"او گاڈ! یہ چکر ہے؟" رضا نے ناگواری سے منہ بگاڑتے ہوئے کہا۔ سب اس کی طرف متوجہ ہوئے۔
"علیشاء! یہ کھیر کس نے بنائی ہے؟"
"میں نے، کیوں کیا ہوا؟" علیشاء نے گھبراتے ہوئے کہا۔
"علیشاء! کسی چیز کو دینے سے پہلے کم از کم چیک تو کرلیا کرو کہ اس میں سب ٹھیک ہے کہ نہیں۔"
"ارے بھئی ہوا کیا؟ کیوں ہماری علیشاء کو پریشان کررہے ہو۔"
"احسن بھائی! آپ کھا کے دیکھیں آپ کو پتا چل جائے گا۔ علیشاء نے میٹھے کی بجائے نمکین کھیر بنائی ہے۔"
"کیا! نمکین ایسا کیسے ہوسکتا ہے۔ میں نے تو چینی ڈالی تھی۔"
"تو کیا میں جھوٹ بول رہا ہوں خود چکھ کر دیکھ لو۔"
"رہنے دیں احسن بھائی ہوسکتا ہے مجھ سے غلطی ہوگئی ہو۔" احسن نے چمچا اٹھایا ہی تھا کہ علیشاء نے آگے بڑھ کر روک دیا۔
"اچھا عدنان کیا تم یہ کھیر کھا سکتے ہو؟" رضا نے عدنان کو ٹریپ کرنے کی کوشش کی۔
"میں؟"
"ہاں بھئی تم! آفٹر آل علیشاء نے خاص تمہارے لیے ہی تو یہ کھیر بنائی ہے لیکن افسوس میں جلدی کرگیا۔"
"اگر ایسی بات ہے تو میں ضرور کھاؤں گا۔"
"پلیز مت کھائیں۔" علیشاء نے پہلی بار نظریں اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔ اسمارٹ پرسنیلٹی، گندمی رنگت، گہری براؤن آنکھیں اور چہرے پر ہلکی مسکان لیے وہ علیشاء کو ہی دیکھ رہا تھا۔ علیشاء نے فوراً نظریں جھکا لیں۔ اسے دیکھنے کے بعد اس کی بے چینی کم ہوئی۔
"چیک کرنے میں حرج ہی کیا ہے۔" یہ کہہ کر عدنان نے جیسے ہی چمچ منہ میں ڈالا علیشاء نے فوراً آنکھیں بند کرلیں۔ عدنان نے کھیر کھانے کے بعد رضا کی جانب دیکھا۔ رضا نے مسکرا کر آنکھ ماری۔ احسن نے رضا کی یہ حرکت دیکھ لی۔
"ارے علیشاء! اب اتنا بھی نمک نہیں ہے۔"
"کیا واقعی! اس میں نمک ہے۔"
"علیشاء! تم جانتی ہو کہ مما ہائی بلڈ پریشر کی مریض ہیں اگر انہوں نے وہ کھیر کھالی تو؟" رضا نے اسے مزید ڈرایا تو علیشاء کے آنسو نکل آئے یہ دیکھ کر رضا نے زوردار قہقہہ لگایا۔
"سوری یار! میں مذاق کررہا تھا۔"
یہ سن کر علیشاء کا بس نہیں چل رہا تھا اگر احسن اور عدنان موجود نہ ہوتے تو وہ اس کا گلا دبوچ دیتی وہ اٹھ کر باہر چلی آئی۔
"رضا! کچھ تو شرم کیا کرو، رلا دیا ناں میری سالی کو۔"
"یار میں تو مذاق کررہا تھا مجھے کیا پتا تھا کہ یہ رو دے گی۔ میں اسے منا کر لاتا ہوں۔"
"ایک منٹ رضا! تم رکو میں جاتا ہوں۔" عدنان نے اسے روکتے ہوئے کہا اور اٹھ کر باہر چلا آیا۔
"یہ کیا آپ ابھی تک رو رہی ہیں؟" کچن میں آکر علیشاء کو جب روتے دیکھا تو بولا۔
"تم جانتی ہو کہ رضا کیسا ہے پھر بھی اس کی حرکت پر رو رہی ہو۔ ویسے کھیر بہت اچھی تھی۔" علیشاء نے اپنے آنسو

پونچھتے ہوئے کہا۔

''ایک بات پوچھوں۔''

''ہاں۔''

''اگر کھیر میں واقعی نمک ہوتا تو آپ کھا لیتے؟''

''آف کورس کھا لیتا، آزما کر دیکھ لو۔''

''اچھا تو یہ بات ہے۔ ایک منٹ۔'' علیشاء نے نمک کا ڈبا اٹھایا اور پاس پڑی کھیر میں انڈیل دیا۔

''لیجیے اب کھا کر دکھائیں۔''

''اوکے۔'' عدنان نے چمچا اٹھا کر منہ کی طرف بڑھایا تو علیشاء نے فوراً ہی اس کا ہاتھ تھام لیا۔

''ارے یہ آپ کیا کر رہے ہیں میں تو مذاق کر رہی تھی۔''

''میں بھی تو مذاق کر رہا تھا۔'' یہ سن کر علیشاء کے چہرے پر مسکان آ گئی۔

''تحریم میرے لیے ایک کپ چائے بنا دو۔'' احسن بھائی اچانک ہی اندر آتے ہوئے بولے ان دونوں کو دیکھ کر وہیں رک گئے۔

''او...... میں سمجھا کہ تحریم یہاں ہے۔''

''ارے نہیں! احسن بھائی آپ آئیے میں تو علیشاء سے کہہ رہا تھا کہ کھیر بہت اچھی بنی تھی۔''

''ہاں علیشاء عدنان بالکل ٹھیک کہہ رہا ہے کھیر واقعی اچھی بنی تھی۔''

''اونہہ! احسن بھائی اب بس بھی کریں، اچھا میں آپ کے لیے چائے بناتی ہوں۔''

''مگر یہ تحریم کہاں ہے۔''

''آپی شاید زین کو سلا رہی ہیں۔''

''اچھا تو ٹھیک ہے میں چلتا ہوں۔'' علیشاء نے چائے کا پانی چولہے پر چڑھا دیا۔ اتنے میں رضا بھی ادھر چلا آیا۔

''علیشاء! یہاں چائے پلانے کا رواج ہے کہ نہیں۔''

''نہیں بالکل بھی نہیں۔ تمہیں تو خاص کر نہیں۔''

''لگتا ہے ابھی تک ناراض ہو، اوکے بابا ایم سوری اچھا اب جلدی سے چائے پلا دو۔''

''بھول جاؤ کہ میں تمہیں چائے بنا کر دوں گی۔ ٹھیک ہے تمہاری مرضی میں عدی کا کپ لے لوں گا۔'' اس نے عدی کے کپ کی طرف ہاتھ بڑھایا تو علیشاء نے اس کے ہاتھ پر چپت لگائی۔

''ایک نمبر کے گھٹیا انسان ہو تم۔''

علیشاء نے اپنا کپ اس کی طرف بڑھا دیا۔

''رضا کچھ تو شرم کرو واپس کرو اسے چائے۔''

''کیوں بھئی! میں کیوں واپس کروں اگر تمہیں زیادہ شرم آ رہی ہے تو اپنا کپ دے دو ناں۔'' عدی نے اپنا کپ علیشاء کی طرف بڑھایا۔

''رہنے دیں عدی میں اور بنا لوں گی۔'' علیشاء نے اپنے لیے چائے کا پانی پھر چڑھایا۔ علیشاء نے دودھ واپس فریج میں رکھ دیا تھا اور اب عدی فریج سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ وہ وہیں رک کر سوچنے لگی کہ اب عدی سے کیسے کہے لیکن دودھ تو چاہیے تھا آخر ہمت کر کے بولی۔

''عدی وہ دودھ فریج میں۔''

''او سوری۔'' عدی نے جلدی سے سائیڈ پر ہو کر فریج کا دروازہ کھولا۔ علیشاء ڈبا اٹھانے کے لیے ہاتھ بڑھا ہی رہی تھی کہ عدنان نے فوراً آگے بڑھ کر ڈبا اٹھا لیا۔ اس ایک پل میں نظروں کا ملاپ ہوا۔ رضا جو چائے پینے میں مگن تھا اچانک ہی اس کی نظر ان پر پڑی تو فوراً اسے شرارت سوجھی اور جلدی سے اٹھ کر عدی کے کپ میں مرچوں کا چمچہ بھر کر ڈال دیا اور مکس کرتے ہوئے واپس اپنی جگہ پر آ کر گلا کھنکھارنے لگا۔ تو دونوں اپنے خیالوں سے باہر آئے۔ عدنان نے بے دھیانی میں چائے کا سپ لیا ہی تھا کہ فوراً ہی منہ پر ہاتھ رکھ کر کچن سے باہر کی طرف بھاگا، رضا اپنی ہنسی پر کنٹرول نہیں کر پایا اور قہقہہ لگا کر ہنس دیا۔ علیشاء سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ اچانک ہی عدی کو کیا ہوا ہے مگر جب رضا کو ہنستے دیکھا تو سمجھ گئی کہ ضرور اس نے کوئی حرکت کی ہے۔ علیشاء نے عدی کے کپ کو منہ لگایا تو فوراً ہی تھوک دیا۔ پھر غصے سے رضا کی جانب بڑھی۔ رضا، علیشاء کو اپنی جانب آتا دیکھ کر فوراً وہاں سے بھاگا۔ علیشاء اب اسے چھوڑنے والی نہیں تھی اس کے پیچھے لپکی۔ رضا بھاگتا ہوا جا رہا تھا کہ تحریم سے جا ٹکرایا۔

''ارے بھئی کیا ہو گیا یوں طوفان کی طرح کیوں بھاگے جا رہے ہو۔''

''آپی! اس لیے بھاگ رہا ہوں کہ میرے پیچھے سونامی پڑی ہے۔''

''سونامی؟''

''ہاں وہ دیکھیں آپ کی بہن۔'' یہ کہتا ہوا سیدھا بڑوں میں جا بیٹھا۔ کیوں کہ وہ جانتا تھا علیشاء یہاں نہیں آنے والی۔ علیشاء آپی کے پاس پہنچی تو آپی نے اسے روک لیا۔

''کیا ہوا علیشاء۔''

''آپی دیکھیں ناں اس رضا کے بچے نے کیا کیا۔ میں نے عدی کے لیے چائے بنائی تھی اور اس اسٹوپڈ نے اس میں مرچیں ڈال دیں۔''

''اچھا تم رکو میں اس کی خبر لیتی ہوں۔ تم جا کر عدنان کو دیکھو، سنو سویٹ ڈش کھلا دینا اسے۔''

''جی آپی۔'' آپی کے ڈانٹنے پر رضا نے عدنان سے سوری کی۔

''اوکے علیشاء، بیٹا اپنا خیال رکھنا۔'' پھوپھو نے علیشاء کو پیار کرتے ہوئے کہا۔

''چلیں اب نکل بھی آئیں اور کتنی بار کہیں گی۔'' رضا نے چڑ کر کہا۔

''اوکے بھئی چلو چلو۔'' سب سے مل کر وہ گاڑی میں آ کر بیٹھے تھے کہ اچانک عدنان کو کچھ یاد آیا تو فوراً بھاگتا ہوا واپس آیا۔ علیشاء اور آپی اندر جانے ہی والی تھیں کہ اس نے آواز دے کر علیشاء کو روک لیا۔ اس کے پاس چلا آیا اور جیب سے گفٹ نکال کر اسے تھمایا۔

''علیشاء! یہ میں تمہیں خود پہنانا چاہتا تھا مگر بھول گیا۔'' وہ گفٹ پکڑا کر واپس چلا گیا۔ گھر پہنچ کر عدنان نے علیشاء کو کال کی کہ میں تمہیں صبح آفس ڈراپ کر دوں گا اوکے کہہ کر اس نے فون بند کر دیا۔

☆......☆

علیشاء نے آج پرپل اینڈ گرین کلر کے کنٹراس کا سوٹ پہنا ہوا تھا۔ ساتھ ہی میچنگ ایئر رنگ بھی۔ عدی نے جب علیشاء کو آتے دیکھا تو فرنٹ ڈور کھول دیا۔ علیشاء اندر آ کر بیٹھ گئی۔ عدی نے دیکھتے ہی اس کی تعریف کی۔

''بہت خوب صورت لگ رہی ہو۔''

''تھینک یو۔''

"بس تم سے ملنے کو جی چاہا تو چلا آیا۔"
"اور رضا کہاں رہ گیا؟"
"ایکچوئیلی میں نے ہی اسے منع کر دیا تھا۔"
"لیکن آپ مجھے بتا تو دیتے۔"
"پر رات کو بتا تو دیا تھا۔"
"واٹ؟"
"ہاں بھئی تم ہی نے تو فون اٹھایا تھا۔"
"او، وہ آپی نے آپ سے بات کی ہوگی۔"
"واٹ! وہ آپی تھیں۔"
"ہاں۔"
"او شٹ، کیوں کیا ہوا؟"
"آپ نے کچھ ایسا ویسا تو نہیں کہہ دیا۔"
"ارے نہیں میں نے تو صرف آنے کی اجازت مانگی تھی۔ ویسے مجھے ڈاؤٹ ہوا تھا کہ تم ایک ہی پل میں کیسے مان گئیں۔ پھر سوچا چلو اچھا ہے تم لڑکیوں کی طرح زیادہ نخرے نہیں دکھاتیں۔"
"ایکسیوزمی، اب میں اتنی بھی سیدھی نہیں ہوں کہ آپ ایک بار کہیں اور میں مان جاؤں، نخرے تو میں ضرور دکھاؤں گی۔"
"او تو یہ بات ہے۔"
"جی جناب! اور ہاں آئندہ آپ کو فون کرنا ہو تو میرے موبائل پر کیجیے گا۔"
"لیکن میرے پاس تمہارا نمبر نہیں۔"
"او گاڈ! میں تو اپنا سیل گھر پر بھول آئی ہوں۔"
"تو واپس چلتے ہیں۔"
"نہیں رہنے دیں اب اتنی دور آ گئے ہیں اور ویسے بھی آگے پانچ منٹ کا راستہ ہے۔"
"ایز یو وش۔"
"ویسے علیشاء تمہیں رنگ پسند آئی۔"
"رنگ...... وہ تو میں نے پہنی ہی نہیں۔"
"واٹ؟ پر کیوں؟"
"وہ آپ نے ہی تو کہا تھا کہ آپ پہنانا چاہتے تھے اس لیے۔"
"ارے بابا میں نے کہا تھا لیکن یہ بھی تو کہا تھا کہ میں بھول گیا تھا۔ پر تم تو پہن لیتیں، چلو واپس جا کر رنگ لے آتے ہیں۔"
"واپس؟"
"ہاں۔"
"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں میں گھر جا کر پہن لوں گی۔"

"نہیں تم ابھی پہنو گی۔"
"لیکن آفس سے دیر ہو جائے گی۔"
"کوئی بات نہیں اگر تمہارے باس نے کچھ کہا ناں تو میں خود اس سے بات کر لوں گا۔"
"پر میں گھر جا کر سب کو کیا کہوں گی۔"
"کچھ بھی، بس تم جاؤ اور رنگ لے کر آؤ۔" عدنان با ضد تھا اس نے واپسی کے لیے گاڑی موڑ دی تو علیشاء بھی چپ ہو کر بیٹھ گئی گھر پہنچ کر گاڑی سے اتری اور اندر جا کر رنگ لے آئی اور ساتھ اپنا موبائل بھی۔
"یہ لیجیے اپنی رنگ آپ بھی ناں حد کرتے ہیں۔"
"علیشاء! میں چاہتا تھا کہ تم جب گھر سے باہر نکلو تو میری بن کر۔"
"اوکے لیجیے پہنا دیں۔" علیشاء نے اپنا ہاتھ آگے بڑھاتے ہوئے کہا تو عدنان نے اسے رنگ پہنا دی۔
"تھینکس ناؤ ہیپی...... اب چلیں۔" تھوڑی ہی دیر میں دونوں آفس پہنچ گئے۔ علیشاء دل ہی دل میں دعائیں کیے جا رہی تھی کہ سر ابھی تک نہ آئے ہوں۔ علیشاء نے دیکھا تو پارکنگ ایریا میں اسفند کی گاڑی موجود نہیں تھی۔ اس نے سکون کا سانس لیا۔
"اوکے عدنان بائے۔"
"ارے سنو! میں لینے کب آؤں؟"
"کیا آپ لینے بھی آئیں گے؟"
"کیوں، نہیں آؤں کیا؟"
"نہیں ایسی بات نہیں، میں رضا کے ساتھ آ جاؤں گی۔"
"بھئی رضا نے بہت خدمت کر لی۔ اب ذرا ہمیں بھی موقع دو۔"
"پر آپ......"
"نہیں مجھے کوئی پرابلم نہیں، تم ٹائم بتا دو۔"
"جی چھ بجے۔"
"اوکے سی یو۔" عدنان چلا گیا تو وہ اندر چلی آئی۔ اندر آئی تو رضا اس کا منتظر تھا۔
"ارے علیشاء! کہاں رہ گئی تھیں تم؟"
"وہ میں......؟"
"اچھا چھوڑو یہ بتاؤ کہ سر کب تک آئیں گے۔"
"ہو سکتا ہے سر آج بھی نہ آئیں۔"
"آج بھی مطلب؟ سر کل نہیں آئے تھے؟"
"ارے میں تو تمہیں بتانا ہی بھول گیا کہ کل میرے ساتھ کیا ہوا۔"
"کیا ہوا؟"
"بتاتا ہوں پہلے بیٹھ تو جاؤ۔" علیشاء کو پکڑ کر اپنی کرسی پر بٹھا دیا اور خود اس کے سامنے ٹیبل پر بیٹھ گیا۔
"میں تمہیں شروع سے بتاتا ہوں۔ کل جب گیارہ بجے تک سر نہیں آئے تو میں انیتا سے پوچھنے کے لیے اپنے کیبن سے نکلا ہی تھا کہ کسی لڑکی سے جا ٹکرایا۔ اس کے ہاتھ میں موجود فائلز نیچے گر گئیں۔ اس سے پہلے میں اس

سے سوری کرتا وہ بولی۔ ''آپ اندھے ہو، دیکھ کر نہیں چل سکتے۔'' پھر جیسے ہی اس نے میری طرف دیکھا۔ او گاڈ! کیا بتاؤں تمہیں شی از سو بیوٹی فل، اسٹیپ کٹنگ بال شانوں پر بکھیرے ہوئے تھے۔ آنکھوں میں ایسی چمک کہ سورج کی کرنیں بھی مدھم لگنے لگیں۔ ہونٹوں پر پنک شیڈ کی لپ اسٹک، وہ کسی پری رخ سے تشبیہہ دے رہی تھی۔

''رضا لگتا ہے کہ تم گئے کام سے۔''

''کہاں یار۔'' رضا نے ٹیبل سے اٹھتے ہوئے کہا۔

''جانتی ہو وہ لڑکی کون ہے؟''

''کون؟''

''اس آفس کی دوسری ہیڈ یعنی ہماری دوسری باس، تانیہ میڈم!''

علیشاء چونک کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

''ہاں یار!'' وہ سنجیدگی سے بولا۔

''ایک بری خبر بھی ہے۔''

''کیا؟''

''کل میں نے جو چیک پاس کیا تھا، وہ واپس آ گیا کیوں کہ اس پر اسفند سر کے سائن نہیں تھے اور یہ ٹریجڈی تانیہ میڈم کے ساتھ ہوئی۔''

''پھر کیا ہوا؟''

''ہونا کیا تھا انہوں نے پہلے میری کلاس اور پھر سزا کے طور پر میری سیلری ہاف کر دی۔''

''یہ تو بہت برا ہوا۔''

''سر نے آپ کو اپنے کیبن میں بلایا ہے۔'' پیون نے آ کر رضا کو اطلاع دی۔

''سر آ گئے ہیں؟''

''جی اور میڈم بھی۔''

''او کے میں آتا ہوں۔ پتہ نہیں اب سر نے کیوں بلایا ہے۔''

''مسٹر شیرازی! آئندہ مجھے آپ کی شکایت ملی تو یو آر ڈس مس۔''

''سوری سر! میں آئندہ خیال رکھوں گا۔''

''ٹھیک ہے آپ جائیے۔''

''سر وہ میری سیلری۔''

''ڈونٹ وری، آپ کی پہلی مسٹیک تھی اس لیے معاف کر رہا ہوں آپ کو آپ کی پوری سیلری ملے گی۔''

''او تھینک یو سر۔''

''آپ جا سکتے ہیں۔''

''لیکن اسفند؟'' تانیہ نے اسفند کو ٹوکنا چاہا۔ اسفند نے ہاتھ کے اشارے سے روک دیا۔ رضا کے جانے کے بعد کہا۔

''آئی نو تانیہ اس کی غلطی چھوٹی نہیں تھی مگر اس کا ذمے دار تو میں ہی ہوں، مجھے سائن دونوں طرف سے دیکھ

لینے چاہیے تھے سو اٹس او کے۔ تم یہ بتاؤ کہ انکل آنٹی کیسے ہیں۔''

''فائن۔''

''اور کل تمہارا دن کیسا گزرا؟''

''بس ٹھیک ہی تھا۔''

''اسفند! تم نے کہا تھا کہ تمہاری دوسری سیکریٹری بھی ہے مگر وہ تو مجھے کل نظر ہی نہیں آئی۔''

''او ٹھیک یاد دلایا تم نے؟ امیتا ذرا علیشاء کو اندر بھیج دیں۔'' اس نے انٹر کام پر امیتا کو میسج پہنچایا۔ کچھ ہی دیر میں علیشاء دروازے پر موجود تھی۔ ناک کر کے اجازت لی اور اندر چلی آئی۔

''سر! آپ نے مجھے بلایا؟''

''یس مس علیشاء! اسفند چیئر سے ٹیک لگا کر بولا۔

''کل آپ کہاں تھیں؟''

''سر وہ میں نے آپ کو لیف لکھی تھی۔''

''مجھے؟'' اسفند حیران ہو کر بولا۔

''جی سر!''

''کب؟''

''سر! میں نے کل آپ کو ای میل کی تھی۔'' وہ فوراً بولی۔

''ای میل، ویری گڈ مس علیشاء آپ کو کیا لگتا ہے کہ میں یہاں آپ کی میلز پڑھنے کے لیے فارغ بیٹھا ہوں۔''

''سر! مجھے لگا آپ چیک کر لیں گے۔''

''دیکھیں آپ آفس میں کام کرتی ہیں۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ اگر آپ کو چھٹی چاہیے تو لیف ایک دن پہلے دی جاتی ہے۔ تا کہ آپ کی غیر موجودگی میں کسی دوسرے کو اپائنٹ کیا جا سکے۔ وہ تو شکر ہے امیتا پہلے سے موجود ہے ورنہ اگر آپ کے بھروسے آفس چھوڑ دیں تو اگلے روز ہی بند ہو جائے گا۔''

''اٹس او کے اسفند!'' تانیہ کو لگا وہ کچھ زیادہ ہی اسے ڈانٹ رہا ہے تو ٹوک کر کہا۔ علیشاء بھی کافی انسلٹ فیل کر رہی تھی۔ اسفند نے جب یہ محسوس کیا تو کچھ دیر خاموش رہ کر کہا۔

''آپ جا سکتی ہیں۔'' علیشاء غصے سے باہر چلی آئی۔

''ایم شیور سر نے جان بوجھ کر اس لڑکی کے سامنے مجھے اتنی سنائیں ایک چھٹی کیا کی، رعب دکھانے لگے۔ عدنان ٹھیک کہتے ہیں مجھے آفس جوائن کرنا ہی نہیں چاہیے تھا۔ خوامخواہ اتنی انسلٹ برداشت کی۔''

''اسفند! تم جانتے ہو یہ میٹنگ کتنی ضروری ہے۔''

''آئی نو تانیہ! لیکن میں کیا کروں میں چاہ کر بھی ٹائم نہیں نکال پاؤں گا۔ میٹنگ یہاں ہوتی تو میں کچھ کر لیتا مگر اسلام آباد جانا میرے لیے امپاسبل ہے۔''

''اس کا مطلب تم مجھے اکیلے بھیجنا چاہتے ہو لیکن اسفند میں اکیلے کیسے جاؤں گی۔ پاپا بھی یہاں نہیں۔''

''ڈونٹ وری میں نے اس کا بھی انتظام کر لیا ہے۔''

''مطلب کہ تم نے پہلے سے سوچ رکھا تھا کہ تم نہیں جاؤ گے۔ ہے ناں؟'' وہ اسے گھورتے ہوئے بولی۔

''یہی سمجھ لو۔'' وہ نظریں پھیر کر بولا۔

"اوکے تو کسے بھیج رہے ہو میرے ساتھ۔"
"ایک منٹ ابھی بتاتا ہوں۔" اس نے انٹرکام سے رضا کو کال کی۔
"رضا میرے کیبن میں آئیں۔"
"رضا..... کون رضا! کہیں وہ ہی تو نہیں جو ابھی یہاں آیا تھا۔"
"ہاں وہی۔"
"نو، دیکھو اسفند میں اس کے ساتھ ہرگز نہیں جاؤں گی۔"
"تانیہ وہ تمہاری ہیلپ کرے گا۔"
"جو اپنی ذمے داری نہیں سنبھال سکتا وہ میری ہیلپ کیا کرے گا۔"
"دیکھو تانیہ! تمہیں مجھ پر بھروسہ ہے ناں، تو جو میں کہہ رہا ہوں اسے مان لو۔"
"مے آئی کم ان سر؟" رضا نے دروازے پر نوک کرتے ہوئے پوچھا۔
"سر! آپ نے بلایا۔"
"مسٹر رضا! آپ کے لیے ایک گریٹ آپر چونیٹی ہے۔"
"واٹ سر؟"
"یہ سمجھیں آپ کو چانس مل رہا ہے اپنی صلاحیت پروف کرنے کا۔"
"سر! میں سمجھا نہیں۔"
"پہلے مجھے بات کمپلیٹ تو کر لینے دیں۔"
"سوری سر!"
"آج ہماری بہت امپورٹنٹ میٹنگ ہے اسلام آباد میں، اس میٹنگ کے لیے مجھے جانا تھا لیکن میرے پاس ٹائم نہیں۔ اس لیے اب آپ جا رہے ہیں۔"
"واٹ..... سر میں؟"
"جی ہاں اینی پرابلم۔"
"نو سر۔"
"سر! کب جانا ہے؟"
"ٹائم کیا ہوا ہے۔"
"سر! گیارہ بج رہے ہیں۔"
"تو دو بجے آپ کی فلائیٹ ہے۔ جائیے اور گھر جا کر ضروری چیزیں لے آئیں۔"
رضا خوشی سے پھولے نہیں سما رہا تھا۔ باہر آ کر سیدھا علیشاء کے کیبن میں چلا آیا۔
"علیشاء! آئی ایم سو ہیپی۔"
"کیوں کیا ہوا؟" وہ جو کام میں مصروف تھی فائل بند کر کے اس کی جانب متوجہ ہوئی۔
"علیشاء! اسفند سر کتنے اچھے ہیں۔" علیشاء کو سن کر کھانسی کا دورہ پڑا۔ رضا نے جلدی سے ٹیبل سے گلاس اٹھا کر اس کے آگے بڑھایا۔ علیشاء نے پانی کا گھونٹ بھرتے ہوئے کہا۔
"کیوں بھئی خیریت ہے تمہارے منہ سے آج اسفند سر کے لیے پھول کیوں جھڑ رہے ہیں۔"

"یو نو واٹ، سر نے مجھے کیوں بلایا تھا۔"
"کیوں؟"
"میں اور تانیہ میڈم اسلام آباد جا رہے ہیں۔"
"واٹ؟ لیکن کیوں؟"
"ہے کوئی میٹنگ اور ہم لوگ ایک ہفتے کے لیے جا رہے ہیں۔ ایم شیور یہ آئیڈیا تانیہ میڈم کا ہوگا۔"
"ڈیئر رضا! تم کچھ زیادہ ہی خوش فہمیاں پال رہے ہو، تمہیں کیا لگتا ہے پورے جہاں میں ایک تم ہی ہو جن کے ساتھ وہ فلرٹ کرے گی۔"
"یار فلرٹ نہ سہی پر دوستی تو کر سکتی ہیں۔"
"دوستی اور وہ بھی تم سے، زیادہ اونچے خواب مت دیکھو۔ دوستی تو دور کی بات وہ تم سے ڈھنگ سے بات بھی نہیں کرے گی۔"
"میں تو اس سے دوستی کر کے ہی رہوں گا چاہے تم بیٹ لگالو۔"
"اوکے آل دا بیسٹ۔" رضا نے ہاتھ آگے بڑھایا تو وہ اس سے ہاتھ ملاتی ہوئی بولی۔
"یار! تم نے مجھے باتوں میں لگا دیا اوکے بائے میں چلتا ہوں۔" گھر جا کر وہ ضروری سامان لے آیا آفس پہنچا تو تانیہ آل ریڈی گاڑی میں بیٹھی اس کا ویٹ کر رہی تھی۔ بیگ سنبھالتے ہوئے اس کے قریب پہنچا۔
"ہیلو..... آپ؟" تانیہ نے نظر اٹھا کر پہلے اسے اور پھر اس کے بیگ کو دیکھا۔
"مسٹر رضا! ہم ایک ہفتے کے لیے جا رہے ہیں ایک مہینے کے لیے نہیں۔"
"آئی نو میڈم! لیکن پورے ہفتے ایک ڈریس تو پہنا نہیں جا سکتا۔" شرمندہ ہونے کے بجائے وہ عقل مندی دکھاتے ہوئے بولا اور بیگ اٹھا کر گاڑی میں رکھ دیا۔ تانیہ نے ناگواری سے اسے گھورا۔ کیوں کہ وہ اس کے برابر آ کر بیٹھ گیا تھا۔
"چلو ڈرائیو۔" اس کے اندر بیٹھتے ہی تانیہ نے کہا تو وہ گاڑی اسٹارٹ کر کے نکل پڑا۔

☆......☆

علیشاء چھٹی کے بعد باہر آئی دیکھا تو عدی کی گاڑی پہلے سے موجود تھی۔
"ہیلو عدی!" گاڑی میں بیٹھتے ہی بولی۔
"ہیلو سالی صاحبہ!" "احسن بھائی آپ یہاں" پلٹ کر احسن کو دیکھا تو چونک گئی۔
"جی ہاں یہاں، بھئی جب تمہارے پاس ہمارے لیے وقت نہیں تو ہم نے سوچا ہم ہی تمہیں گھما لائیں۔" تحریم نے کہا۔
"کیا گھومنے واہ۔" خوشی اور حیرت کے ملے جلے تاثرات سے بولی۔
"ہاں بھئی، لیکن ممی نہیں آئیں۔"
"وہ ایکچولی بابا کو آفس میں کام تھا اس لیے وہ لیٹ آئیں گی۔"
"لیکن ہم جا کہاں رہے ہیں۔"
"جہاں ہماری علیشاء کہے گی۔" احسن نے کہا۔ علیشاء فوراً بولی۔
"سی ویو چلیں۔"

''کیا سی ویو اور وہ بھی اس وقت کہیں اور نہیں چل سکتے۔''

''عدنان صاحب آپ تو ابھی سے ہماری بہن کی فرمائش پوری نہیں کر رہے تو آگے جا کہ کیا کریں گے۔''

''ارے نہیں آپی! میں تو اس لیے کہہ رہا تھا، جاتے جاتے سورج ڈوب جائے گا۔ اندھیرے میں بھلا کیا مزہ آئے گا؟ میں تو چاند پر بھی اسے لے جاؤں اگر یہ کہے تو۔'' عدی اچانک رومینٹک ہو کر بولا تو احسن کھانستے ہوئے کہنے لگا۔

''ارے یار! فی الحال تم ہمیں سی ویو ہی لے جاؤ۔'' احسن کی بات پر سب نے قہقہہ لگایا تو علیشا بھی مسکرانے لگی۔ اگلے کچھ ہی لمحوں میں وہ سمندر کی لہروں کا مزہ لے رہے تھے۔ کافی وقت گزرنے کے بعد وہ گھر لوٹ آئے۔ زین تو رستے میں ہی سو گیا تھا۔ علیشاء کو بھی کافی تھکاوٹ محسوس ہو رہی تھی اس لیے آ کر چینج کیا اور سو گئی۔

☆......☆

''علیشاء بیٹا اب رضا تو ہے نہیں اس لیے میں نے عدنان کو کہا ہے وہ تمہیں لینے اور چھوڑنے آ جائے گا۔'' بریک فاسٹ پر مما نے علیشاء سے کہا۔

''مما! اس کی کیا ضرورت تھی میں خود آ جاتی۔''

''بیٹا تحریم نے کہا تو میں نے ہاں کر دی۔ اب تم جلدی کرو وہ آتا ہی ہوگا۔''

''ٹھیک ہے مما! جیسے آپ کی مرضی۔'' علیشاء ہینڈ بیگ اور موبائل لیے باہر آئی تو دیکھا ڈرائیور گاڑی کے ساتھ کھڑا تھا۔

''یہ تو اسفند سر کا ڈرائیور ہے مگر یہ یہاں کیا کر رہا ہے۔'' یہ سوچتی ہوئی وہ اس کے پاس چلی آئی۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ پوچھتی وہ کہنے لگا۔

''میڈم! سر نے مجھے آپ کو لینے کے لیے بھیجا ہے۔''

''اچھا آپ جائیں میں خود آ جاؤں گی۔''

''مگر سر نے کہا ہے کہ آپ کو ساتھ لے کر آؤں۔''

''دیکھیے میرے پاس گاڑی ہے میں آ جاؤں گی۔''

''لیکن سر نے کہا ہے کہ آپ کو ساتھ لے کر ہی آؤں۔'' اس کے بار بار منع کرنے پر بھی وہ باضد تھا تو وہ چڑ کر بولی۔ ''میں نے آپ سے کہہ دیا ناں آپ جائیں میں آتی ہوں۔''

''لیکن میم......'' اسی وقت عدنان کی گاڑی اندر ٹرن ہوئی تو وہ پھر سے اس سے مخاطب ہو کر بولی۔

''دیکھیں میں ان کے ساتھ آ رہی ہوں آپ گاڑی واپس لے جائیں۔'' وہ دوٹوک لہجے میں بات کر کے عدی کی گاڑی کی طرف بڑھ گئی تو وہ گاڑی واپس لے کر چلا گیا۔

''کیا ہوا، علیشاء کون تھا یہ؟''

''کچھ نہیں وہ سر نے گاڑی بھیجی تھی لیکن میں نے منع کر دیا۔'' عدنان نے گاڑی کی اسپیڈ فل چھوڑ دی اور کھڑکی سے باہر جھانکنے لگا۔ علیشاء بھی خاموش بیٹھی تھی۔ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد وہ کہنے لگا۔

''آج آفس کے بعد تمہارا کیا پروگرام ہے؟''

''جی گھر ہی جاؤں گی۔''

''وہ تو جاؤ گی مگر میں سوچ رہا تھا کیوں نہ ہم کہیں ڈنر کرنے چلیں۔''

''کیا؟ لیکن کل ہی تو ہم گئے تھے۔''

''ہاں! مگر کل سب ساتھ تھے اس لیے ٹھیک سے بات نہیں ہوئی۔ اگر آج تم اپنا تھوڑا سا وقت مجھے دے دو تو۔'' وہ علیشاء کی جانب دیکھنے لگا تو وہ الجھی سی بولی۔

''مشکل ہے عدی! پہلے تو مما اجازت نہیں دیں گی اور پھر یہ کہ آفس سے نکلنا مشکل ہے۔''

''تم ممانی کی فکر مت کرو، ان سے میں بات کر لوں گا بس تم آفس سے جلدی نکل آنا۔'' عدی نے اتنے پرامید لہجے میں کہا کہ علیشاء کو ہاں کرنی پڑی۔ آفس پہنچی تو اسفند کی گاڑی موجود تھی۔ اس نے جلدی سے گھڑی پر نگاہ ڈالی پانچ منٹ باقی تھے نو بجنے میں۔

''تھینکس گاڈ!'' سکون کا سانس لیتے ہوئے کہا۔

''او کے عدی تھینک یو۔''

''اٹس مائی پلیژر۔'' وہ گاڑی سے اتر کر جلدی سے اندر کی طرف چل دی۔ اچانک عدی نے آواز دے کر روکا وہ آگے جا چکی تھی اس لیے اس کی آواز نہ سن سکی تو خود ہی گاڑی سے باہر نکل آیا۔ ذرا اونچی آواز میں علیشاء کو پکارا۔

''علیشاء تمہارا موبائل۔'' علیشاء کے کانوں میں اس کی آواز گئی تو فوراً پلٹ کر اس کی طرف آئی۔ عدی کی آواز پر اسفند بھی اٹھ کر کھڑکی پر چلا آیا تھا۔ علیشاء نے موبائل کے لیے ہاتھ آگے بڑھایا تو عدی نے ہاتھ پیچھے ہٹا لیا۔ وہ نظریں اٹھا کر اس کی جانب دیکھنے لگی۔ علیشاء نے دوسرے ہاتھ سے جلدی سے اس کے ہاتھ سے موبائل جھپٹنا چاہا لیکن اس نے ہاتھ اوپر ہوا میں کر دیا۔

''عدی پلیز دیجیے ناں۔''

''لے لو میں نے کہاں منع کیا ہے۔''

''آپ ایسے نہیں دینے والے۔''

''اوہوں۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔ علیشاء نے جمپ لگائی مگر سنبھل نہیں پائی اور اگلے ہی پل عدی کے سینے سے جا ٹکرائی۔ اس ایک پل میں علیشاء کی نظریں عدی کی گرفت میں آ گئیں۔ اوپر اسفند جو یہ سب دیکھ رہا تھا فوراً سے وہاں سے ہٹ گیا۔ علیشاء اب سنبھل چکی تھی۔ عدی نے بھی مزید اسے تنگ نہ کرتے ہوئے اسے موبائل دے دیا۔

''کون ہے یہ جو علیشاء کو چھوڑنے آیا ہے؟'' وہ سوال دل میں لیے کرسی پر واپس آ بیٹھا۔ اسی لمحے اس کا موبائل رنگ کرنے لگا۔

''ہیلو ثانیہ! بولو کیا رزلٹ رہا میٹنگ کا؟''

''تمہیں کیا لگتا ہے۔''

''میرے خیال میں میٹنگ کامیاب رہی۔''

''یس یو آر رائٹ میٹنگ از سکسیس فل۔''

''ثانیہ! از گریٹ نیوز، او کے تو اب جلدی سے واپس آ جاؤ۔''

''ہاں ایک دو دن میں آ رہے ہیں۔''

''او کے سی یو سون۔''

''اب پتہ نہیں کل کی پریزنٹیشن کا کیا رزلٹ نکلتا ہے۔'' اب اسے اگلی کامیابی کی فکر لگ گئی تھی۔ کیوں کہ ہار

اسے گوارا نہیں تھی۔ اسفند نے انیتا کو اپنے کیبن میں بلایا۔

''انیتا! کل کی ساری تیاری کمپلیٹ ہے؟''

''جی سر! اس کام میں علیشاء نے میری کافی ہیلپ کی ہے۔ کافی اچھی طرح سمجھ گئی ہے وہ اس کام کو۔''

''وہ سب ٹھیک ہے فی الحال میں آپ کی بات کر رہا ہوں۔'' اسفی اس کی بات کاٹ کر بولا۔

''کل مجھے ہر حال میں پریزنٹیشن تیار چاہیے۔''

''جی سر!''

''آپ نہیں جانتیں یہ میٹنگ میرے لیے کتنی ضروری ہے۔''

''ڈونٹ وری سر! سب اچھے سے ہو جائے گا۔'' انیتا کے جانے کے بعد اس کی نظر سامنے کام کرتی علیشاء پر گئی جو کافی اسپیڈ سے فائل کا ربن باندھ رہی تھی۔ علیشاء اپنے کیبن سے نکل کر انیتا کے پاس آئی اور فائل دے کر جلدی سے واپسی کے لیے مڑی تو انیتا نے آواز دے کر روک لیا۔

''کیا بات ہے علیشاء آج تم جلدی جلدی اپنا کام ختم کر رہی ہو۔ سب خیریت تو ہے ناں؟'' تو علیشاء ہنس کر بولی۔ ''ہاں سب ٹھیک ہے ایچولی میں عدنان کے ساتھ ڈنر پر جا رہی ہوں۔''

''اوہ تو یہ بات ہے۔''

''وہی عدنان جو تمہارا فیانسی ہے ناں؟'' انیتا نے شرارت سے پوچھا۔ علیشاء نے اس بات پر سر ہلایا۔

''بھئی پھر ہمیں بھی ملاؤ ان سے۔''

''کیوں نہیں۔ آج ہی مل لینا۔''

''اوکے تو ہمیں شدت سے انتظار رہے گا چھ بجے کا۔''

''چھ نہیں چار۔''

''کیا چار۔''

''جی ہاں۔''

''لیکن سر اجازت نہیں دیں گے۔''

''شاید دے دیں۔'' وہ پر امید لہجے میں بولی۔

''وش یو آل دا بیسٹ۔''

''تھینک یو۔'' جب علیشاء واپس اپنے کیبن میں آ گئی تو اسفند نے انیتا کو کال کر کے اپنے کیبن میں بلایا۔

''یس سر!''

''یہ علیشاء آپ سے کیا باتیں کر رہی تھیں۔'' وہ بتانا نہیں چاہتی تھی لیکن اسفند کو جانے بغیر قرار کہاں آتا تھا۔ اس لیے کہنے لگا۔

''آپ اتنی دیر سے باتیں کر رہی تھیں کچھ تو کہا ہوگا انہوں نے۔''

''سر! وہ ایچولی اس نے اپنے کزن کے ساتھ ڈنر کا پروگرام بنایا ہے۔ بس اس بارے میں بات کر رہی تھی۔''

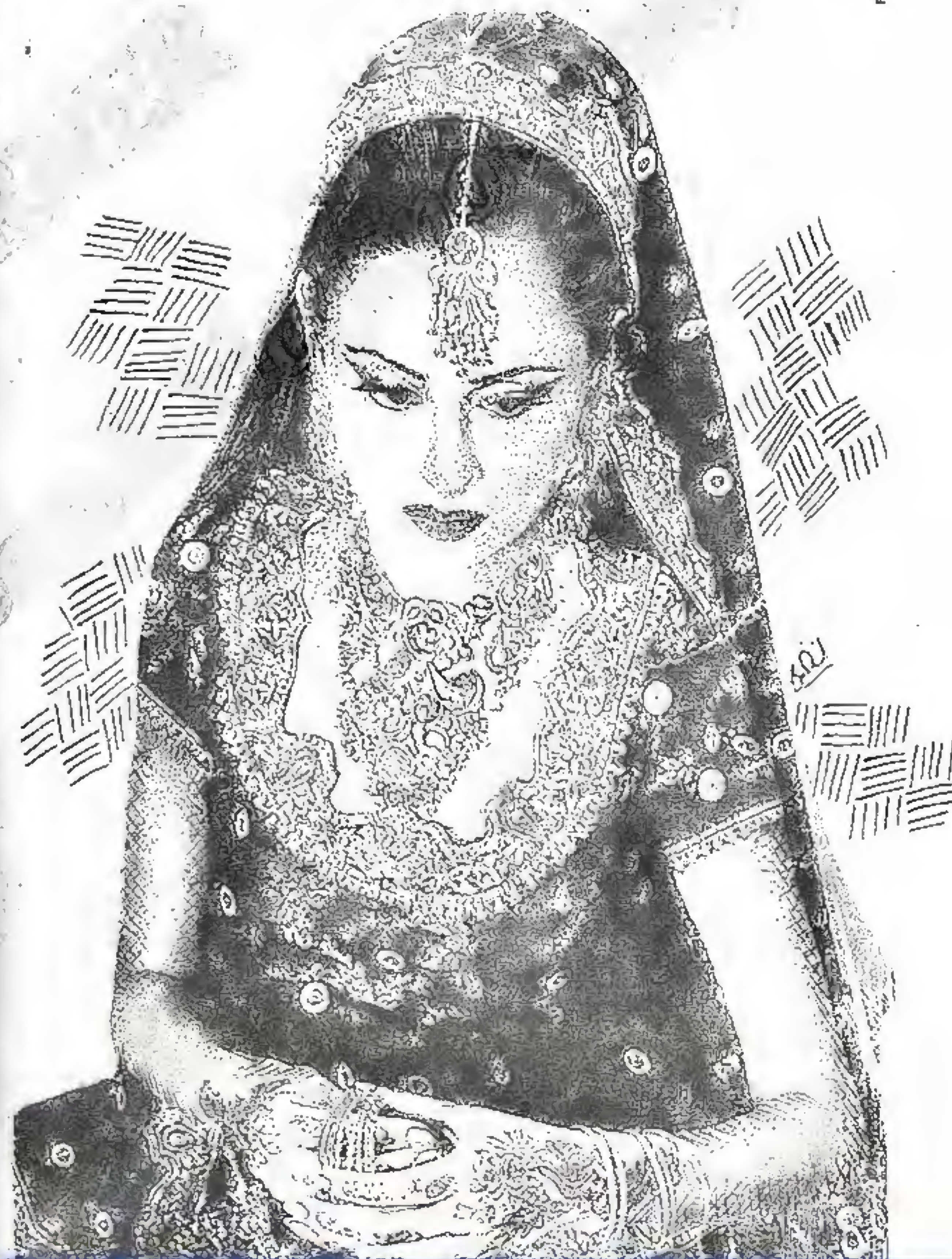
''او مجھے لگا شاید آپ آفس ورک کے بارے میں ڈسکس کر رہی ہیں۔ ویل تھینک یو آپ جا سکتی ہیں۔''

(باقی آئندہ ماہ)

صوبیہ ردا

ناولٹ

محبت کی منزل



نہ سوال بن کر ملا کرو نہ جواب بن کر ملا کرو
میری زندگی میرے خواب ہیں مجھے خواب بن کر ملا کرو
ابھی سوچ لو ابھی چھوڑنا ہے تو چھوڑ دو
نئے موسموں میں ملو مجھے تو گلاب بن کر ملا کرو

"آخر کون ہے یہ روزانہ میسج کرتا ہے۔ عذاب کردی ہے زندگی، بار بار میسج (delete) کرنے

پڑتے ہیں۔" اس نے جھنجھلا کر موبائل بیڈ پر پھینکا۔

"زویا.....زویا!"

"ایک تو یہ مما ہیں انہیں سکون نہیں اور یہ موبائل والا۔"

"کب سے تمہیں آوازیں دے رہی ہوں آواز نہیں آتی تمہیں؟"

"جی بس آرہی تھی بولیں آپ۔"

"اوپر سے کپڑے اُتار کر لے آؤ۔"

زویا پریشانی سے بولی۔ "کون سے اوپر سے؟"

"ارے کند دماغ چھت پر سے۔"

"اچھا مما بس لے کر آتی ہوں۔" اس کی سمجھ میں بات آئی اور وہ چھت کی جانب بھاگی کہ کہیں پورا لیکچر سننے کو نہ مل جائے۔

☆.....☆

عبدالرشید کا گھرانہ متوسط طبقے سے تعلق رکھتا تھا۔ ان کے دو بیٹے اور ایک بیٹی تھی۔ عبدالرشید گورنمنٹ اسکول میں ٹیچر تھے۔ ساری زندگی انہوں نے بچوں کو تعلیم کی روشنی سے سرفراز کیا۔ ان کے دو بیٹے خالد اور محمود بھی تعلیم یافتہ ہو کر برسرِ روزگار تھے جب کہ ان کی بیٹی زویا ابھی انٹر کی اسٹوڈنٹ تھی۔

"زویا بیٹا کالج نہیں جانا کیا اٹھ جاؤ بیٹا۔" بانو بیگم کب سے زویا کو اٹھانے کی کوشش کر رہی تھیں مگر وہ اٹھ کر نہیں دے رہی تھی مگر وہ پھر بھی مستقل اسے اٹھانے کی کوشش کر رہی تھیں۔

"میں جا رہی ہوں تمہارے ابو کو بولنے کہ زویا نہیں اٹھ رہی۔"

"میں اٹھ گئی مما۔" بابا کے نام سے وہ فوراً اٹھ گئی۔ جانتی تھی نا کہ بابا پڑھائی کے معاملے میں کتنے سخت ہیں۔

"شاباش! چلو فریش ہو کر نیچے آؤ میں ناشتہ لگاتی ہوں۔"

"اچھا آتی ہوں۔" مما کے جانے کے بعد اس نے اپنا موبائل دیکھا اسی رونگ نمبر کے میسج آئے ہوئے تھے۔ اس نے میسج کھولے تو بڑے بڑے الفاظ میں لکھا تھا۔ "پھول کو ایک نئی صبح مبارک ہو" اس نے دوسرا میسج کھولا تو اس میں ایک خوبصورت شعر اس کا انتظار کر رہا تھا۔

باندھ لیں ہاتھ یا سینے پر سجا لیں تم کو
جی میں آتا ہے تعویذ بنا لیں تم کو

"آخر کون ہے یہ؟ ہاتھ منہ دھو کر نہیں پورا نہا دھو کر پیچھے پڑا ہے۔"

"نہیں یار ایک میسج تو کر کے پوچھوں کون ہے یہ؟" وہ خود سے ہی ہم کلام تھی۔

"آج پوچھ ہی لیتی ہوں۔" اس نے میسج ٹائپ کیا کہ (who are you) اور Send کر دیا اور خود کالج جانے کے لیے اُٹھ گئی۔

"مائرہ کیا حال ہے تمہارا؟"

"ٹھیک ٹھاک۔ تم سناؤ کہاں غائب تھیں تم کل؟ میں نے میسج بھی کیے تھے۔"

"یار! سو گئی تھی جلدی۔"

"ہاں تو تو ہے ہی نیند کی پڑیا۔"

"وہ تو میں ہوں۔" زویا نے ہنس کر کہا۔

زویا اور مائرہ اسکول سے ایک دوسرے کے ساتھ تھیں اور دونوں گہری دوست بھی تھیں۔

"اور سنا وہ رونگ نمبر تجھے ابھی بھی تنگ کر رہا ہے؟"

"ہاں یار! آج صبح تو میں نے اس کو میسج بھی کیا تھا کہ کون ہو تم؟ جواب آیا ہی نہیں۔"

"زویا تمہیں میسج نہیں کرنا چاہیے تھا۔"

"یار تنگ کر دیا اس نے، میں نے تو صرف یہ پوچھا ہے۔" زویا اور مائرہ آج کل کی لڑکیوں سے بالکل الگ تھیں سیدھی سادھی اور معصوم، دونوں اس طرح کے بندوں کو نظر انداز کرتی تھیں۔

"اچھا یار غلطی ہو گئی۔"

"good girl hmmmm، اچھا پھر جواب آیا؟"

"پتہ نہیں یار! دیکھا ہی نہیں۔"

"نکال موبائل۔" اس نے موبائل نکالا تو کئی میسج آئے ہوئے تھے اور اسی رونگ نمبر کے تھے اس نے پہلا میسج کھولا تو اس میں لکھا تھا۔ "میں آپ سے دوستی کرنا چاہتا ہوں' دوسرا میسج کھولا تو لکھا تھا کیا آپ میری دوست بنیں گی؟" ایک ایک کر کے وہ کھولتی گئی سارے اسی کے تھے۔

"ابے یار کوئی فضول انسان ہے اب میسج مت کرنا اسے۔" مائرہ نے کہا۔

"نہیں یار! کبھی نہیں۔" زویا نے موبائل واپس بیگ میں رکھتے ہوئے کہا اور دونوں اپنی کلاسز میں چلی گئیں۔

☆.....☆

"یار یہ ٹیسٹ کتنا بڑا ہے اور مجھے تو نیند بھی آرہی ہے کیسے یاد کروں؟" زویا نے کتاب جھنجھلا کر زور سے رکھی مائرہ سے پوچھتی ہوں وہ یاد کر رہی ہے یا نہیں۔

"یار اتنا بڑا ٹیسٹ ہے میرا تو دیکھتے ہی دم نکلنے لگا ہے اور نیند بھی آرہی ہے تو یاد کر رہی ہے؟ اوئے سن مت یاد کر کل ساتھ میں باہر ہوں گے دونوں کلاس سے مزے کریں گے۔" اور اس نے میسج ٹائپ کر کے سینڈ کا بٹن دبا کر موبائل نیچے رکھ دیا اور یاد کرنے کی کوشش کرنے لگی تھوڑی دیر بعد موبائل بجا اس نے دیکھا رونگ نمبر تھا۔ اس نے غصے میں میسج کھولا تو اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

"میڈم کلاس سے باہر ہونے سے بہتر ہے آپ یاد کرلو۔" یہ میسج تھا اس نے جلدی سے سینڈ بکس کھولا تو اس نے غلطی سے میسج رونگ نمبر کو کر دیا تھا۔

"یار! میں نے غلطی سے اس کو میسج کر دیا۔" اس نے غصے میں موبائل نیچے رکھا۔

دوسرا میسج آیا۔ "میں آپ کی ہیلپ کر سکتا ہوں یاد کرنے میں۔" اس نے میسج پڑھ کر موبائل پھینکا اور یاد کرنے لگی تھوڑی دیر بعد کال آنے لگی۔ وہ ویسے غصے میں تھی اس نے سوچا آج اس کا دماغ ٹھیک کر ہی دوں اس نے کال پک کی اور بغیر کچھ سنے بولنا شروع ہو گئی۔

"تمہیں تمیز نہیں ہے اگر کوئی انسان رسپانس نہیں دے رہا تو مطلب وہ آپ سے بات نہیں کرنا چاہتا تو پھر آپ کیوں تنگ کر رہے ہو، انسانیت نہیں ہے آپ میں؟"

"ارے relex relex میری بات تو سن لیں میں تو بس آپ کی ہیلپ کرنا چاہتا ہوں، میں آپ کو تنگ نہیں کر رہا ہوں۔ یقین کریں میں آپ کی ہیلپ کر سکتا ہوں۔"

"مجھے نہیں چاہیے آپ کی ہیلپ اور اگر ہیلپ کرنی ہی ہے تو آج کے بعد مجھے میسج یا کال مت کریئے گا، بس۔"

"نہیں کروں گا مگر ابھی آپ کی ہیلپ کر سکتا ہوں پلیز یقین مانیے میں آپ کی مدد کر سکتا ہوں آپ کو یوں یاد ہو جائے گا۔"

زویا نے سوچا اگر یاد ہو جائے گا تو اچھی بات ہے اور یہ کون سا دوبارہ کال یا میسج کرے گا۔

"کیا سوچنے لگیں بتایئے کیا یاد کر رہی ہیں آپ؟"

"میں انگلش کے دو چیپٹر یاد کر رہی ہوں۔"

"کونسی کلاس میں ہیں آپ؟"

"2nd year۔" زویا نے کہا۔

"چیپٹر کے نام بتایئے؟" زویا نے اسے چیپٹر کے نام بتائے۔

"ok ایک کام کریں آپ سوال پڑھیں میں ڈیفائن کرتا ہوں اور پھر آپ اپنے words میں یاد کریں۔"

اس نے سوال بتایا اس نے ڈیفائن کیا اور تھوڑی دیر بعد ہی اُسے یاد ہو گیا وہ سوال۔

"ارے واہ یہ تو فوراً یاد ہو گیا۔" زویا بچوں کی

طرح خوش ہوگئی۔ ایک گھنٹے میں اسے سارے سوال یاد ہوگئے۔

"Thanks۔"

"ارے اس کی ضرورت نہیں بس آپ کو تنگ کیا اس کے لیے معاف کر دیجیے گا اور جیسے کہا تھا اب آپ کو کال یا میسج نہیں کروں گا تو واقعی نہیں کروں گا۔ اپنا خیال رکھیے گا اور آخری بات کہوں آپ بہت اچھی ہو، ہمیشہ ایسے ہی رہیے گا۔"

زویا خاموشی سے اس کی ساری باتیں سن رہی تھی اور اسے اداسی بھی محسوس ہو رہی تھی۔

"ok! خدا حافظ۔"

"سنیے رونگ نمبر۔"

"جی۔" وہ اس کی بات پر مسکرایا۔

"کچھ نہیں۔" زویا اس سے بات کرنا چاہتی تھی مگر کہنا نہیں چاہتی تھی۔

"ایک بات پوچھوں؟" اس نے کہا۔

"جی!"

"کیا ہم اچھے دوست نہیں بن سکتے؟" زویا نے کہا۔

"ہاں مگر کبھی کبھار ہم ایک دوسرے سے اپنی پرابلم شیئر کر سکتے ہیں۔"

"ok۔"

"اچھا کل ٹیسٹ کا لازمی پوچھیے گا oh sorry i mean بتایئے گا۔ ok مس رونگ نمبر ok good night thanks۔" زویا نے کال کاٹی اور سونے کے لیے لیٹ گئی۔ اسے شدید نیند آ رہی تھی۔

☆......☆

وہ رونگ نمبر اسے بار بار یاد آ رہا تھا اس کا ٹیسٹ بھی اس کی امید سے زیادہ اچھا ہوا تھا وہ بہت خوش تھی۔

"زویا یار! تیرا ٹیسٹ اتنا اچھا کیسے ہو گیا جب کہ تیری تو تیاری بھی نہیں تھی۔"

اسے اس رونگ نمبر کا خیال آیا۔ "بس یار! مجھے بھی اُمید نہیں تھی اچھا ہو گیا بائے لک۔" زویا نے مائرہ کو جواب دیا اور پھر دونوں اپنی دوسری کلاس کے لیے چلی گئیں۔

"میرا ٹیسٹ بہت اچھا ہوا۔" گھر آتے ہی زویا نے سب سے پہلے اس رونگ نمبر کو میسج send کیا اور تھوڑی دیر بعد ہی اس کی کال آ گئی۔

"السلام علیکم!" زویا نے سلام کیا۔

"وعلیکم السلام! کیا حال ہے آپ کا مس رونگ نمبر"

"الحمد للہ بہت اچھی ہوں آپ ٹھیک ہو؟" اس نے بھی اخلاق نبھایا۔

"جی شکر ہے اللہ کا میں بھی بہت اچھا ہوں ٹیسٹ اچھا ہوا آپ کا مبارک ہو۔"

"خیر مبارک اور محنت تو آپ نے بھی کی تھی اچھی طرح سے define کیا تھا مجھے فوراً سمجھ آ گیا اس لیے شکریہ۔"

"ارے نہیں اتنی فارمل مت بنیے اور شکریہ کی ضرورت نہیں بس اس ناچیز کو دعا میں یاد رکھیے گا۔"

زویا نے پوچھا۔ "آپ کیا کرتے ہیں؟"

"میں M.B.B.S کر رہا ہوں 1st year ہے۔"

"Oh realy۔"

"کیوں یقین نہیں آیا آپ کو؟"

زویا نے جھٹ سے انکار کر دیا۔

"ارے وہ کیوں؟"

"اس لیے کہ آپ ڈاکٹر بن رہے ہیں تو بہت مشکل پڑھائی ہوتی ہوگی آپ کی تو آپ مجھے اتنے sms کیسے Send کر سکتے ہیں؟"

"اس بات کو آپ میری ضد کہہ سکتی ہیں میں حد سے زیادہ ضدی ہوں' جس چیز کی ٹھان لیتا ہوں کر کے رہتا ہوں۔ آپ کا نمبر کسی نے ایسے ہی دیا تھا تفریح میں، میرا کوئی موڈ اور ارادہ نہیں تھا

ُاتت آپ سے بات کرنے کا مگر آپ نے نظر انداز کیا کوئی respons نہیں دیا تو آپ سے بات کرنا میری ضد بن گئی اور آج میں کامیاب بھی ہو گیا مگر بے فکر رہیں میرا کوئی غلط ارادہ نہیں' میں اور لڑکوں کی طرح نہیں ہوں مجھے لڑکیوں کی کمی نہیں ہے۔" زویا کچھ کہتی اس سے پہلے اس نے سب کچھ clear کر دیا زویا چپ ہو گئی۔

"کیا ہوا آپ نے کچھ کہا نہیں مس رونگ نمبر؟"

"کیا کہوں آپ کی ضد پوری ہو گئی تو اب کچھ کہنا فضول ہے اب آپ اپنے راستے جایئے میں اپنے راستے۔"

"ارے میرا مقصد آپ کو hurt کرنا نہیں تھا بس ایسے ہی آپ بہت اچھی اور معصوم ہیں اور ابھی تک آپ کو یہ اندازہ تو ہو ہی گیا ہوگا کہ میں جھوٹ نہیں بولتا۔ میں آپ سے بات کرنا چاہتا ہوں' صرف ایک دوست کی طرح اور ایک دوسرے سے ہم اپنی پرابلم تو شیئر کر سکتے ہیں ناں اور پلیز میرا sorry تو قبول کر لیں۔" اس نے اس معصوم انداز میں کہا کہ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی مسکرا دی۔

"مس رونگ نمبر!" اس کی خاموشی محسوس کرتے ہوئے اس نے اسے پکارا۔

"فرمایئے مسٹر رونگ نمبر۔" اس کی مسکراہٹ محسوس کرتے ہوئے اس نے کہا۔

"تو پھر ہم دوست ہیں ناں؟"

زویا نے تھوڑا رک کر کہا۔ "Ok۔"

"Oh thanks جی۔"

"اچھا بائے میں نے ابھی لنچ نہیں کیا۔"

"ٹھیک ہے آپ لنچ کریں اور اپنا خیال رکھیں بہت اچھا لگا آپ سے بات کر کے۔"

وہ سیل فون ہاتھ میں پکڑے کھڑا ابھی تک اس اجنبی لڑکی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ "کیا ہے اس لڑکی میں؟ کچھ نہیں جانتا یہاں تک کہ اس کا نام بھی نہیں' پھر بھی ایسا کیوں لگتا ہے کہ یہ میری اپنی ہے۔" عمر احد ابھی تک طے نہیں کر پا رہا تھا "ایسا ہے تو کیوں ہے؟" اُس کی زندگی میں لڑکیوں کی کمی نہیں تھی۔ وہ ڈاکٹر بن رہا تھا ایک ایسے گھرانے سے تعلق رکھتا تھا جہاں ہر چیز اس کے کہنے سے پہلے حاضر ہوتی تھی۔ عمر نے ذہن جھٹکا اور اپنے دوست کی طرف نکل گیا۔

زویا اور عمر کی دوستی اتنی گہری ہو گئی تھی کہ وہ اپنی ہر پرابلم ایک دوسرے سے شیئر کرتے مگر ابھی تک دونوں نے ایک دوسرے کا نام نہیں پوچھا تھا۔ ان کی یہ دوستی بہت گہری ہو گئی تھی اور پیار میں ڈھل گئی تھی مگر وہ دونوں خود اس بات سے بے خبر تھے۔ دونوں نے نہ ایک دوسرے سے ملنے کی خواہش کی نہ ہی دیکھنے کی' ان کو ایک دوسرے کی آواز سن کر ہی سکون مل جاتا تھا اور دن بھر کی تھکن اُتر جاتی۔ دونوں ایک دوسرے سے بات کیے بناء رہ نہیں سکتے تھے۔

☆......☆

"یار! اتنا ٹائم ہو گیا ہے، 12 بجنے والے ہیں رونگ نمبر کی کال آنے والی ہوگی۔" زویا نے مائرہ کو سب کچھ بتا دیا تھا اور زویا کے کہنے پر کہ یہ صرف دوستی ہے اور عمر دوسرے لڑکوں کی طرح نہیں ہے اُس نے اس بات کا یقین بھی کر لیا تھا۔

"تو تُو کیوں اتنا پریشان ہو رہی ہے میری birthday party میں آئی ہے تو enjoy کر۔"

"یار! میرے موبائل کی بیٹری ختم ہو گئی ہے۔"

"تو ایک کام کر میرے سیل فون سے کال یا میسج کر دے اور بتا دے اُسے کہ تو آج بات نہیں کر سکے گی۔"

"ہاں اچھا آئیڈیا ہے ورنہ وہ بے چارا پریشان ہوتا رہے گا۔" زویا نے مائرہ کے ہاتھ سے موبائل لیا۔

''اوہ ہو اتنی پریشانی واہ بھی کیا بات ہے۔'' مائرہ اسے چھیڑنے لگی۔
''شٹ اپ۔''
زویا نے ہنستے ہوئے اُسے کال کر کے بتا دیا اور ریلیکس ہو کر پارٹی انجوائے کرنے لگی۔

☆......☆

''یار! کیا بتاؤں آج نہیں کل پارٹی میں وہ لڑکا آیا تھا کتنا پیارا تھا بہت ڈیشنگ اور خوبصورت اور مزے کی بات یہ ہے کہ وہ مجھے دیکھ بھی رہا تھا اور تمہیں پتہ ہے مسٹر رونگ نمبر اپنا نمبر بھی دے رہا تھا مگر میں نے لیا نہیں۔''
''کیوں نہیں لیا جب اتنا پسند آ گیا تھا تو' آدھے گھنٹے سے اس کی تعریفوں میں مصروف ہو اتنی دیر میں تو اس سے بات بھی کر سکتی تھیں۔'' عمر جو آدھے گھنٹے سے برداشت کر رہا تھا ایک دم غصے میں بولا تو زویا سہم گئی۔
''تم کیوں غصے ہو رہے ہو؟'' اس نے ہلکی سی آواز میں کہا۔
''شٹ اپ! آج کے بعد کسی پارٹی میں نہیں جانا اور اگر آج کے بعد میرے سامنے کسی کی تعریف کی یا پھر کسی کو دیکھا ناں تو زمین میں دفن کر دوں گا تمہیں سمجھیں۔''
زویا رونے لگی۔
اُسے احساس ہوا کہ وہ کچھ غلط کہہ گیا ہے۔
''sorry مجھے یہ نہیں کہنا چاہیے تھا مگر I love you یار مجھ سے برداشت نہیں ہوا تمہارے منہ سے کسی کی تعریف سننا۔''
''کیا کہا آپ نے؟'' وہ رونا بند کر کے اُس کی بات پر حیران رہ گئی۔
''جو تم نے سنا پہلے بھی مجھے فیل ہوا تھا مگر میں نے نظر انداز کر دیا مگر تمہاری اس لڑکے کی تعریف نے اسے میرے سامنے کر دیا۔ میں تمہیں بہت چاہنے لگا ہوں
مس رونگ نمبر ہاایک شعر جو صرف تمہارے لیے ہے
اپنے احساس سے چھو کر مجھے صندل کر دو
میں صدیوں سے ادھورا ہوں مکمل کر دو
''مس رونگ نمبر کہاں کھو گئی؟'' عمر نے پوچھا۔
''کہیں نہیں۔'' اُس کے ہاتھوں میں لرزش ہو رہی تھی۔
''تیار ہو جاؤ مس رونگ نمبر! بہت جلد آ رہا ہوں تمہیں لے جانے کے لیے...... تم سے شادی کرنے کے لیے۔''
''شادی......!'' زویا نے حیرانی سے کہا۔
''ہاں شادی، محبت کی ہے تو شادی بھی کروں گا ناں۔ تم صرف میری ہو مس رونگ نمبر!'' زویا نے اس کی بات سنی اور اسے بائے کہہ کر کال کاٹ دی۔ پیار تو وہ بھی کرنے لگی تھی مگر اپنے ماں باپ کا سوچ کر خاموش ہو گئی تھی۔

☆......☆

''زویا!''
''جی بابا!''
عبدالرشید نے زویا کو آواز لگائی جو اپنے روم میں جا رہی تھی۔
''ادھر آؤ بیٹا۔''
''جی بابا!'' زویا ان کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔
عبدالرشید صاحب نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور کہا۔
''بیٹا پڑھائی کیسی چل رہی ہے؟''
''جی، بابا بہت اچھی۔''
''بہت اچھی بات ہے بیٹا اور آپ سے ایک بات اور کرنی ہے ہم نے، تمہارے لیے ایک رشتہ دیکھا ہے میرے دوست کا بیٹا ہے بہت اچھا لڑکا ہے وہ۔ تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں ہے ناں؟''
زویا نے خود پر قابو پاتے ہوئے نفی میں گردن ہلا دی۔
''شاباش بیٹا! مجھے تم سے یہی امید تھی۔''

عبدالرشید صاحب خوش ہو گئے۔
''بابا میں جاؤں مجھے ٹیسٹ کی تیاری کرنی ہے۔''
''ہاں جاؤ۔'' زویا وہاں سے اُٹھی۔ کیونکہ تھوڑی دیر اور بیٹھتی تو اُس کی آنکھیں اُس کے راز افشاں کر دیتیں۔
ایک گھنٹہ ہو گیا تھا عمر کو کال کرتے کرتے مگر زویا جان کے اُٹھا نہیں رہی تھی اُس کی کال دیکھتی اور روتی رہتی بس اور کچھ نہیں کر رہی تھی، رات کے ایک بجے جب گھر کے سارے لوگ سو چکے تھے۔ زویا اپنے کمرے میں اپنی قسمت پر آنسو بہا رہی تھی۔ وہ عمر سے محبت ضرور کرتی تھی مگر اپنے گھر والوں کو دُکھ دینے کی ہمت نہیں تھی اُس میں۔
عمر کا میسج آیا۔ ''میں جانتا ہوں کہ تم جاگ رہی ہو، ایسا ہو ہی نہیں سکتا کہ تم مجھ سے بات کیے بنا سو جاؤ' دیکھو اگر اب تم نے میری کال نہیں اٹھائی تو میں کچھ بھی کر جاؤں گا اور مجھے یقین ہے کہ تم یہ نہیں چاہو گی تمہیں پتہ ہے میں جو کہہ دیتا ہوں وہ کر کے رہتا ہوں۔ چاہے پھر مجھے کتنا نقصان ہی کیوں نہ ہو۔''
زویا نے عمر کا میسج پڑھا اور پھوٹ پھوٹ کر رو دی اور اگلے ہی سیکنڈ عمر کی کال آ گئی۔ موبائل اس کے ہاتھ میں ہی تھا تھوڑی دیر اس نے خود کو کنٹرول کیا اور اپنے آپ کو تیار کیا آج اسے اپنی محبت کا گلا گھونٹنا تھا اور آخر کار کال ریسیو کی۔
''ہیلو کہاں تھیں تم اتنی دیر سے کال کر رہا ہوں کیوں ریسیو نہیں کر رہی تھیں؟'' زویا نے جیسے ہی کال ریسیو کی اور ہیلو کہا دوسری طرف عمر برس پڑا۔
''میں آپ سے بات نہیں کرنا چاہتی۔''
''what...... کیا کہا تم نے؟'' عمر حیران ہو گیا اس کے کچھ سمجھ نہیں آیا۔
''جو آپ نے سنا میں اب آپ سے بات نہیں کروں گی آپ پلیز مجھے کال یا میسج نہیں کریئے گا۔''
عمر صدمے میں آ گیا۔ ''کیا کہہ رہی ہو تم تمہیں پتہ بھی ہے محبت کرتے ہیں ہم دونوں ایک دوسرے سے، کوئی بات ہے کوئی پرابلم ہے تو مجھے بتاؤ میں حل کروں گا اُسے مگر یہ سلوشن نہیں۔'' عمر نے اسے سمجھانا چاہا۔
''میں نے آپ سے کہا کبھی کہ میں آپ سے محبت کرتی ہوں؟ کبھی اس طرح کی کوئی بات کی؟ کوئی وعدہ کیا؟ آپ ہی پتہ نہیں کیا کیا کہتے رہتے ہیں سارے سپنے ساری چیزیں آپ نے خود ہی طے کر لیں یہاں تک کہ مجھ سے پوچھا بھی نہیں۔ آپ جانتے کیا ہیں میرے بارے میں اور میں کیا جانتی ہوں آپ کے بارے میں' دیکھنا تو دور کی بات نام تک نہیں جانتے' تو ایسے کیسے محبت ہو گئی دیکھیے میرا رشتہ کہیں اور طے ہو گیا ہے' اس لیے برائے مہربانی اب مجھے تنگ مت کریئے گا۔'' زویا نے اس سے بہت روڈلی بات کی تا کہ وہ اسے بے وفا سمجھے اور اپنی زندگی میں آگے بڑھے۔
عمر بہت غم زدہ ہو گیا تھا اور حیران بھی کہ یہ اس کی مس رونگ نمبر تو نہیں ہے۔
''look مس رونگ نمبر! آپ نے اگر کبھی مجھ سے یہ نہیں کہا کہ میں آپ سے محبت کرتی ہوں تو کبھی یہ بھی نہیں کہا کہ آپ مجھ سے پیار نہیں کرتی ہیں اور مجھے یقین ہے کہ آپ مجھ سے محبت کرتی ہیں آپ کی خاموشی سب کچھ کہہ جاتی تھی آپ نے کہا میں اور آپ ایک دوسرے کو جانتے نہیں ہیں تو ایک دوسرے کی دل کی بات کیسے سمجھ جاتے ہیں۔ محبت کبھی رنگ روپ دیکھ کر نہیں ہوتی' بیک گراؤنڈ دیکھ کر نہیں ہوتی' بلکہ دل سے ہوتی ہے' رہی رشتے کی بات تو اس کو ذہن سے نکال دو کہ اب تم کسی اور کی ہو سکتی ہو۔''
زویا کے پاس اس کی باتوں کا کوئی جواب نہیں تھا' کیونکہ اس کی ہر بات سچ تھی۔

''آپ پلیز سمجھو میرا رشتہ طے ہوگیا ہے اور اب میں کسی اور کی امانت ہوں۔''

''بکواس ہو گئی ہو تو اب وجہ بتاؤ گی کیا بات ہے؟'' عمر نے غصے میں کہا۔

''کوئی بات نہیں ہے میرا رشتہ طے ہوگیا ہے سچ میں۔''

''اچھا پھر؟'' زویا نے سوچا عمر نے سچ ہی کہا تھا وہ واقعی اسے جانتا ہے۔

''میں آپ سے بات نہیں کروں گی اب۔''

''محبت کرتی ہو مجھ سے؟''

''میں جھوٹ نہیں بول رہی ہوں۔''

''محبت کرتی ہو مجھ سے؟'' عمر نے دوبارہ پوچھا۔ زویا نے دل کے منع کرنے پر بھی کہا۔

''نہیں کرتی...... نہیں کرتی۔'' صرف اس کا دل ہی نہیں اس کی آنکھیں بھی برس رہی تھیں کیا جدائی موت سے کم ہوتی ہے بھلا اور جدائی بھی وہ جو ہمیشہ کی ہو عمر نے ہنستے ہوئے کہا۔ ''جھوٹ بول رہی ہو۔'' رو تو وہ بھی رہا تھا۔

''کیا بات ہے بتاؤ مجھے ہم کوئی نہ کوئی حل نکال ہی لیں گے۔''

''میں اپنے بابا کو یا اپنے گھر والوں کو کوئی دکھ نہیں پہنچا سکتی۔ شہزادی کی طرح پالا ہے میرے گھر والوں نے مجھے۔ اب کیسے ان کا مان توڑ سکتی ہوں۔ انہوں نے اپنی مرضی سے میرا رشتہ جوڑا ہے میں منع نہیں کرسکتی۔'' آخر اس کی ہمت ٹوٹ ہی گئی اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔ اور سب بتادیا اسے عمر نے اپنی آنکھوں سے آنسو صاف کیے۔

''کاش تم میرا نصیب بن سکتیں مس رونگ نمبر! میں نے محبت صرف تم سے کی تھی اور کرتا رہوں گا۔ چاہو تو ابھی بھی تمہارے گھر والوں سے بات کرسکتا ہوں تم کو حاصل کرسکتا ہوں مگر تمہاری خواہش نہیں تم ٹھیک ہو مس رونگ نمبر مجھے یقین ہے جسے تمہارے گھر والوں نے تمہارے لیے چنا ہوگا وہ بہت اچھا ہوگا مجھ سے بھی زیادہ تمہیں دنیا بھر کی خوشیاں ملیں، میری دعائیں ہمیشہ تمہارے ساتھ رہیں گی اور رونا بند کرو اب۔'' وہ اسے تو رونے سے بھی منع کر رہا تھا مگر خود اپنے آنسو نہیں روک پا رہا تھا زویا تو جیسے سب ہار گئی تھی اس کے آنسوؤں کی روانی اور تیز ہوتی جارہی تھی۔

''مس رونگ نمبر! بس چپ، تمہیں میری قسم مجھے فخر ہے اپنی محبت پر، اچھی بات ہے ورنہ تمہارا لیکچر روز سننا پڑتے کیا پتہ تم بیلن لے کر کھڑی ہوتیں روز۔'' وہ ہنس پڑی عمر نے اس کی ہنسی کو اپنے اندر محسوس کیا۔

''اپنا بہت خیال رکھنا۔''

''مائرہ نے ٹھیک ہی کہا تھا لڑکا اور لڑکی کبھی دوست نہیں بن سکتے۔'' زویا نے آنسوؤں میں ڈوب کے کہا۔

''ہاں وہ صحیح کہتی ہے۔'' عمر نے ایک گہری سانس بھری اور آنسوؤں کو صاف کیا دونوں اپنے آنسو روکنا چاہ رہے تھے مگر روک نہیں پا رہے تھے۔

''آپ بھی اپنا خیال رکھیے گا۔'' زویا نے کہا۔

''خداحافظ۔'' اور عمر کو بھی نہ چاہتے ہوئے بھی خداحافظ کہنا پڑا۔

☆......☆

''زویا! دو دن سے دیکھ رہی ہوں اتنی اُداس کیوں ہے تو؟'' مائرہ آخرکار اس سے پوچھ بیٹھی اور زویا جو خود کو سنبھال رہی تھی بہت مشکلوں سے دوبارہ بکھر گئی مگر پھر بھی خود کو سنبھالا کہ اسے اپنے غم کو چھپانا تھا ہر حال میں۔

''نہیں یار! میں کیوں اُداس ہوں گی میں بالکل ٹھیک ہوں۔''

''چاہے تو کتنا ہی ہنس لے میں تجھے جانتی ہوں۔ اچھا یہ بتا اُس رونگ نمبر کا کیا حال ہے؟'' زویا

نے نظریں چرائیں اور اپنی کتابوں میں دھیان دینے لگی۔

کالج میں ان کا فری پریڈ تھا اور اتفاق سے آج کالج میں اُس وقت زیادہ لوگ بھی نہیں تھے۔

''زویا بتا ناں کیا حال ہے اُس کا؟'' مائرہ نے پھر پوچھا۔

''پتہ نہیں یار! چل پڑھتے ہیں۔''

''کیا مطلب پتا نہیں ادھر دیکھ میری طرف اور بتا مجھے کیا بات ہے؟'' مائرہ نے زویا کا چہرہ اپنی طرف کیا۔

''میری بات نہیں ہوتی اُس سے اب۔''

''کیوں؟'' مائرہ حیران ہوئی۔

''بابا نے میرا رشتہ طے کردیا ہے۔''

''What! کب تو نے مجھے بتایا بھی نہیں؟''

''دو دن پہلے۔'' زویا نے نظریں جھکاتے ہوئے کہا۔

''تو اُس سے پیار کرتی ہے ناں؟'' مائرہ نے پھر اس کا چہرہ اٹھایا اور اس کی آنکھوں سے بہتے آنسو سب کچھ کہہ گئے مائرہ نے اس کے آنسو صاف کیے اور کہا۔

''تو نے بتایا کیوں نہیں گھر میں اُس کے بارے میں کسی کو؟''

''نہیں یار! میں بابا کا مان نہیں توڑ سکتی۔'' مائرہ نے دکھ کے ساتھ اُسے دیکھا اور گلے لگالیا کیونکہ کچھ اور کہنے کو تھا ہی نہیں۔ زویا کو بھی کسی کی ہمدردی کی ضرورت تھی وہ اس کے گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ مائرہ نے بھی اسے رونے دیا کہ اس کا کچھ دل ہلکا ہو جائے گا۔

☆......☆

''عمر کیا بات ہے بیٹا کیوں اتنے اُداس رہنے لگے ہو کوئی بات ہے تو بتاؤ بیٹا؟''

''نہیں مما۔''

''تمہاری ماں ہوں تم سے زیادہ جانتی ہوں ایک ہی اولاد ہو تم میری تمہیں بھی نہیں سمجھ پاؤں گی کیا۔''

''مما! ایک لڑکی ہے جسے میں پیار کرتا ہوں۔'' عمر نے پھر شروع سے آخر تک ساری بات بتادی۔

''بیٹا ایک دفعہ رشتہ تو لے کر جاتے ہیں اُس کے گھر کیا پتہ کہ اُس لڑکے سے زیادہ اُن لوگوں کو تم اچھے لگو ایک دفعہ کوشش کرتے ہیں ہمت نہیں ہارتے۔''

''مگر مما! جب وہ ہی نہیں چاہتی تو میں کیا کرسکتا ہوں اکیلے۔''

''بیٹا! وہ لڑکی ہے اور اُس کی یہ حرکت ظاہر کرتی ہے کہ وہ کتنی شریف اور پیاری بچی ہوگی۔ وہ اپنے باپ کے سامنے تمہارا نام لے کر اُن کا مان نہیں توڑنا چاہتی اس نے یہ سب جان بوجھ کر تو نہیں کیا ناں تو پھر۔''

''نہیں مما! اتنا تو جان چکا ہوں اُس کو۔''

''پھر بات کرو اُس سے۔''

''مما اُس کا نمبر تو میں نے delete کردیا تھا۔''

''پھر کیسے پوچھو گے اب اُس سے سب کچھ؟ اُن کے گھر کا پتا اُس کا نام وغیرہ۔'' عمر پریشان ہوگیا۔

''اتنی جلدی کیا تھی۔ تمہیں اس کا نمبر یاد نہیں ہے۔''

''نہیں مما! کبھی خیال نہیں رہا نمبر یاد کرنے کا۔'' اس کے ذہن میں ایک جھماکا ہوا۔

''مما! ایک دفعہ اُس نے مجھے اپنی دوست کے نمبر سے کال کی تھی اور میں نے وہ نمبر save کرلیا تھا۔ میں اس سے بات کروں گا۔''

''ٹھیک ہے بیٹا! مگر جلدی ایسا نہ ہو کہ آپ کی رانی کو کوئی اور لے جائے۔''

"جی مما! بس آپ دعا کریں۔"

☆......☆

"بیٹا! میری دعائیں تو تمہارے ساتھ ہیں۔"

"یہ کس کا نمبر ہے؟" مائرہ نے موبائل دیکھا تو ایک رونگ نمبر کی 5 مس کال تھیں مگر وہ پڑھنے میں مصروف تھی۔ موبائل silent پر تھا اس لیے اسے پتا بھی نہیں چلا پھر کال آنے لگی۔ مائرہ نے کال ریسیو کی اور بولی۔

"السلام علیکم!"

"وعلیکم السلام! جی کون؟ اور کیوں کال کر رہے ہو آپ؟" لڑکے کی آواز سن کر مائرہ نے غصے سے کہا۔

"ایک دفعہ آپ کی دوست نے مجھے آپ کے نمبر سے کال کر کے بتایا تھا کہ وہ مجھ سے آج بات نہیں کر سکتی، شاید آپ کی birth day party تھی۔"

مائرہ نے سوچ کر پوچھا۔ "آپ زویا کے مسٹر رونگ نمبر ہیں؟"

"زویا!" عمر نے زیرِ لب اُس کا نام دہرایا۔ عمر کو اس کا نام بہت اچھا لگا۔

"جی میں زویا کا مسٹر رونگ نمبر ہوں۔ مجھے آپ سے ملنا ہے اور آپ سے بات کرنی ہے اور اپنی مما سے ملوانا ہے۔"

مائرہ نے سوچا کہ پتا نہیں کون ہے ایسے کیسے میں اس سے مل سکتی ہوں۔

"زویا کے سلسلے میں، زویا نے آپ کو سب کچھ بتایا ہوگا اُس کی منگنی ہوگئی؟"

"نہیں ابھی تو نہیں۔"

"شکر ہے اللہ کا sister مجھے آپ کی مدد کی ضرورت ہے میں زویا سے بہت محبت کرتا ہوں اور مجھے اتنا یقین ہے کہ وہ بھی مجھ سے محبت کرتی ہے یہ شادی کر کے وہ خوش نہیں رہ پائے گی۔" اس نے جگہ بتائی اور مائرہ نے آنے کا وعدہ کر لیا۔ صرف اپنی چھوٹی دوست کے لیے۔

اگلے دن وہ دونوں ایک ریسٹورنٹ میں بیٹھے تھے۔ مائرہ نے اُسے زویا کی تصویر دی جو وہ اپنے ساتھ لائی تھی اور عمر اسے دیکھتا ہی رہا جیسا اس نے سوچا تھا ویسے ہی پایا۔ لمبے سلکی بالوں میں فراک پہنے اور ہنستے ہوئے گوری رنگت اور جھیل جیسی آنکھوں والی اُس کے دل میں تو پہلے ہی گھر کر چکی تھی مگر اس وقت اس کے حواسوں پر بھی چھا رہی تھی اس نے مائرہ کی وجہ سے خود پر کنٹرول کیا۔

"عمر بھائی پھر کیا پلان ہے آپ کا؟"

"sister آپ کی ہیلپ چاہیے ہوگی تھوڑی۔"

"آپ دونوں کو ملوانے کے لیے میں کچھ بھی کر سکتی ہوں۔ بولیے بھائی کیا کرنا ہے؟" مائرہ کو بھی عمر بہت پسند آیا تھا۔ زویا کے لیے ڈیشنگ اسمارٹ، گورا رنگ اور گلاسز میں بہت پیارا لگ رہا تھا۔ عمر نے اس کو سارا پلان بتایا۔

"اور ہاں اپنی دوست کو اس سے انجان رکھیے گا ورنہ اس بے وقوف لڑکی سے کوئی اچھی اُمید نہیں ہے سب بگاڑ دے گی وہ۔"

"ہاں بھائی سمجھ گئی آپ بے فکر رہیں۔"

☆......☆

"زویا بیٹا! شام میں لڑکے والے آ رہے ہیں آپ تیار ہو جایئے گا۔" زویا کی مما نے اُسے کہا اور اس نے ہاں میں گردن ہلا دی۔ اپنے کمرے میں آ گئی اور پھر اس انجان شخص کی محبت میں رو پڑی جیسے جیسے شام آتی جا رہی تھی وہ بجھے دل سے تیار ہوئی اور مما کے بلانے پر ڈرائنگ روم میں چائے لے کر آ گئی مگر آنے والے مہمانوں کے ساتھ مائرہ کو دیکھ کر حیران ہوگئی۔

"ارے میری لاڈلی دوست آ دُتاں۔" مائرہ نے

زویا کا ہاتھ پکڑا اور اُسے ایک اجنبی آنٹی کے سامنے لا کر بٹھا دیا۔

"ماشاء اللہ بہت پیاری ہے آپ کی بیٹی، بہن۔" اس اجنبی عورت نے زویا کو پیار کرتے ہوئے کہا۔ عمر جو اسے بس دیکھے جا رہا تھا اور اس کی حیرانی کو انجوائے کر رہا تھا۔

"ہماری طرف سے تو یہ رشتہ پکا ہے۔ بہن آج سے آپ کی بیٹی ہماری ہوگئی۔" عمر کی مما نے زویا کی مما کو مٹھائی کھلائی اور زویا یہ سب نہیں دیکھ سکتی تھی اس لیے اُٹھ کر وہاں چلی گئی۔ عمر نے اسے فکر مند نظروں سے دیکھا اور مائرہ کو اشارہ کیا۔ مائرہ اس کے پیچھے اس کے روم میں آ گئی۔

"تو نے اپنے ہونے والے دلہے میاں کو دیکھا؟" مائرہ روم میں گھستے ہی نان اسٹاپ بولنا شروع ہوگئی۔

"کتنی زبردست پرسنالٹی ہے ناں بندے کی میں تو فین ہوگئی تیرے دلہے میاں کی۔" وہ بولتے بولتے بیڈ پر بیٹھی زویا کے پاس آئی اور جب اس کا رخ اپنی طرف کیا تو اس کے آنسوؤں نے خاموش کرا دیا۔ مائرہ نے دلچسپی سے اسے دیکھا اور اس کے پاس بیٹھ گئی وہ مطمئن تھی کیونکہ اس کو پتا تھا کہ اس کے آنسو بس کچھ دیر کے مہمان ہیں۔ مائرہ نے اس کے آنسو صاف کیے۔

"مائرہ میں نہیں رہ سکتی اس کے بناء، میری ہمت ٹوٹ گئی ہے مائرہ۔" زویا نے مائرہ کا ہاتھ پکڑا اور پھر سے رو پڑی۔

"اچھا چپ یہ آنسو صاف کرو سب ٹھیک ہو جائے گا۔" مائرہ نے پھر سے اس کے آنسو صاف کیے۔

"کوئی تجھ سے بات کرنا چاہتا ہے۔" مائرہ نے سیل فون نکالا اور نمبر ڈائل کرنے لگی۔

"مجھے کسی سے بات نہیں کرنی ہے مائرہ۔"

"ہیلو! السلام علیکم!" مائرہ نے اس کی نہ سنی اور کال ملا دی۔

"آپ نے ٹھیک نہیں کیا؟" زویا نے اسے حیرت سے دیکھا کہ مائرہ نے اس کے منع کرنے پر بھی کال کیوں کی اور وہ ایسا نارمل بی ہیو کیوں کر رہی ہے۔

"یہ لیجیے بات کیجیے اور اب اور کوئی شرارت نہیں۔" اس نے دوسری طرف کسی کو کہا اور زویا کو موبائل پکڑا دیا۔ زویا رونا دھونا بھول کر اس کی حرکتوں کو حیرت سے دیکھ رہی تھی۔

"مجھے کسی سے بات نہیں کرنی۔" زویا نے انکار کیا اور سیل فون واپس کرنا چاہا۔

"تجھے میری قسم ہے زویا بات کر۔" زویا مجبور ہوگئی اور سیل فون کان سے لگا لیا۔ دوسری طرف سے فوراً سلام کر دیا گیا۔ زویا حیران ہوگئی کیونکہ یہ آواز تو اس کے رونگ نمبر کی تھی۔

"کیا ہوا مس زویا ابھی تو ہماری بات طے ہوئی ہے اور آپ بول رہی ہو کہ رونگ نمبر۔" عمر نے اسے تنگ کرنا چاہا مگر دوسری طرف وہ اور خوش ہوگیا کہ وہ اسے فوراً پہچان گئی۔

"کون ہو آپ کیا میں نے کبھی آپ سے بات کی ہے۔"

"زویا ابھی جو نیچے ڈرائنگ روم میں لڑکا آیا تھا جس سے آپ کا ساری زندگی بھر کا رشتہ جڑا ہے وہی میں ہوں۔" زویا کو پھر وہی لمحہ یاد آ گیا جب آنٹی اس کی مما کو مٹھائی کھلا رہی تھیں اور وہ پھر رو پڑی۔

"ہاں بتایئے کیسی ہیں آپ؟"

"ٹھیک ہوں۔" زویا نے خود پر کنٹرول کیا مگر اپنے آنسوؤں کا کیا کرتی جو نکلے جا رہے تھے۔

"آپ رو رہی ہو؟" عمر اس کی روتی آواز سن کر بے چین ہوگیا۔

"مس رونگ نمبر روتے نہیں، کتنی دفعہ سمجھایا ہے

ناں۔" زویا حیران ہو گئی اور اس کے ہاتھ سے موبائل گرتے گرتے بچا۔

"اپنے پیچھے دیکھو تمہارا رونگ نمبر تمہارے سامنے ہے۔" اس نے پیچھے مڑ کے دیکھا تو وہاں مائرہ نہیں ایک اسمارٹ اور ڈیشنگ لڑکا کھڑا تھا۔ عمر نے کال کاٹی اور زویا کے پاس آیا اور اس کے ہاتھ سے موبائل لے کر بیڈ پر رکھ دیا۔

"کیسا لگا سرپرائز؟"

"آپ یہاں کیسے؟ آپ کو کیسے پتا میرا گھر؟ یہ سب کچھ......؟"

"مائرہ کی وجہ سے۔ اگر یہ نہ ہوتی تو شاید میں یہ سب نہیں کر سکتا تھا' تم تو گھر والوں کا مان بچانے کے لیے قربان ہونے کو تیار ہو گئی تھیں مگر دیکھو رب نے ایسا نہیں چاہا' ایک دفعہ تم نے مائرہ کے نمبر سے کال کی تھی مجھے یاد ہے تو میں نے وہ نمبر save کر لیا تھا۔" زویا کو یاد آیا کہ پارٹی میں ایک دفعہ کال کی تھی۔

"میری حالت بہت بُری ہو گئی تھی پھر ممانے مجھ سے پوچھا تو انہیں ساری بات بتائی تو انہوں نے مجھے سمجھایا کہ کوشش کیے بناء ہار نہیں مانتے مجھے تم پر غصہ تھا کہ تم نے خود کچھ کیا نہ مجھے کرنے دیا جیسے ہی آزمائش آئی ساتھ چھوڑ گئیں مگر مما کی باتوں نے مجھے یہ سمجھایا کہ اپنے غصے کی وجہ سے میں تمہیں نہیں کھو سکتا جو غلطی تم نے کی وہ میں نہیں کر سکتا' شاید تم اپنی جگہ صحیح تھیں اور میں اپنی جگہ صحیح پھر مائرہ نے مجھے آنٹی اور انکل سے ملوایا اور وہ لوگ میرے گھر آئے مما اور پاپا سے ملنے انہیں اپنے دوست سے زیادہ تم عزیز ہو اس لیے تمہارے لیے جو زیادہ اچھا تھا۔ انہوں نے وہی چنا۔" زویا رو پڑی۔

"اب کیوں رو رہی ہو یار؟" عمر جھنجھلا کر بولا۔

"آپ نے مجھے بتایا کیوں نہیں اور اس مائرہ کی بچی نے بھی نہیں بتایا کتنا روئی ہوں میں۔" اس نے آنسو صاف کیے۔

"یار! اس لیے نہیں بتایا کہ تم اپنی سمجھداری سے اس میں مشکلیں نہ کھڑی کر دو۔" زویا کو کچھ سمجھ نہیں آیا۔

"کیا مطلب؟" زویا نے پوچھا۔

"ارے یار! ہم ایک ہو گئے کیا اتنا کافی نہیں ہے یہ کیوں اتنے سوالوں میں پڑ رہی ہو۔ ہمیں شکر ادا کرنا چاہیے خدا کا اس نے ہماری خواہش اور دعائیں پوری کر دیں ورنہ کتنے لوگ مل پاتے ہیں ایسے شاید ایک یا دو۔" زویا نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"ویسے اب تو بول دو کہ پیار کرتی ہو مجھ سے؟" عمر نے پیار سے اس کے چہرے کو دیکھا۔

"جی نہیں میں تو نہیں کرتی۔"

"اچھا چلو میں منع کر دیتا ہوں انکل آنٹی کو کیا فائدہ اس سب کا جب تم مجھ سے پیار نہیں کرتیں۔" عمر نے دُکھی چہرہ بنا کے بولا اور مڑنے لگا زویا نے جھٹ اس کا ہاتھ پکڑا عمر مسکرا دیا۔

"ارے میں کرتی ہوں۔" عمر اس کی طرف مڑا۔

"کیا کرتی ہو؟"

"آپ سے پیار۔"

"سچ میں؟"

"ہاں بالکل سچ میں۔" زویا اس کو یقین دلانے لگی مگر جب اس کی شرارتی آنکھیں اور مسکراہٹ دیکھی تو سب سمجھ گئی اور شرما گئی۔

"بہت گندے ہو آپ۔" زویا نے شرماتے ہوئے کہا۔

"اچھا اب عادت ڈال لو۔" عمر نے ہنستے ہوئے کہا اور زویا کو لے کر نیچے بڑھ گیا جہاں سب ان کا انتظار کر رہے تھے۔

......☆......

ریمل آرزو

افسانہ

ہمیں ایسی محبت ہے

''رامین آنٹی! مما کہہ رہی ہیں کہ اگر آپ فارغ ہیں تو آجائیں مارکیٹ جانا ہے۔ ویلنٹائن ڈے کی شاپنگ کرنی ہے، پپا کے لیے سرپرائز گفٹ بھی لینا ہے۔''

سات سالہ جیا نے معصومانہ انداز میں رامین کو اپنی ماں صالحہ بیگم کا پیغام دیا، تو قریب بیٹھیں ماں جی نے اور چائے پیتے عمر نے مسکرا کر معصوم جیا کو دیکھا۔

''ٹھیک ہے جیا بیٹا! آپ جاؤ مما سے کہو میں چینج کر کے آتی ہوں۔'' رامین نے جیا کے گلابی رخسار پر چٹکی کاٹتے ہوئے کہا۔ تو جیا اپنا گال سہلاتے ہوئے واپس چلی گئی۔

''اوہ اچھا...... اب سمجھا کہ اوپر والوں کے ہاں آج کل امن کی وجہ ویلنٹائن ڈے کی آمد ہے۔'' عمر عالم نے ہنستے ہوئے کہا تو رامین نا سمجھی کے عالم میں سوالیہ نگاہوں سے انہیں دیکھنے لگی۔

''کیا مطلب؟''

''بھئی مطلب یہ کہ صالحہ بھابھی سال بھر اپنے بے چارے میاں جی کو جی بھر کے ستاتی ہیں، یوں عماد بھائی سے لڑتی جھگڑتی ہیں، جیسے ان کی زوجہ نہ ہوں جانی دشمن ہوں۔ مگر یوم محبت ویلنٹائن ڈے پر اپنی محبت کا اظہار ایسے شاندار انداز میں کرتی ہیں کہ ہیر رانجھا، لیلیٰ مجنوں، رومیو جولیٹ یہاں تک کہ ویلنٹائن کی محبت بھی ان کی محبت کے سامنے بے معنی ہو۔'' عمر عالم نے مزہ لینے کے سے انداز میں کہا تو ماں جی کہنے لگیں۔

''ارے بیٹا! ہمارے وقتوں میں تو کوئی نہیں مناتا تھا یہ دن کیا بولتے ہیں اس کو ''ویلن ڈے''۔''

''نہیں اس کو ''ویلنٹائن ڈے'' کہتے ہیں۔'' عالم نے ہنستے ہوئے کہا۔

''ہاں، ہاں وہی یہ تہوار منایا کیسے جاتا ہے۔'' ماں جی اپنا چشمہ درست کرتے ہوئے بولیں تو عمر کہنے لگے۔

''ماں جی ویلنٹائن ڈے یہ وہ دن ہے، جس کا ہماری تہذیب میں کوئی قیاس نہیں اس دن غیر محرم لڑکے لڑکیاں ہاتھوں میں پھول لیے لال رنگ زیب تن کر کے سرعام عشق و محبت کی پینگیں بڑھاتے ہیں۔ جس سے معاشرے میں فتنہ اور فساد برپا ہوتا ہے۔'' ماں جی دائیں بائیں سر ہلاتے ہوئے کان چھونے لگیں مگر رامین کو عمر عالم کی بات قدرے ناگوار گزری۔

''عمر! جب ہم اپنی جنگ لڑنے کے دن مناتے ہیں تو سال میں ایک دن محبت کا بھی منا سکتے ہیں اور اس دن ہم اپنے حقیقی رشتوں سے بھی تو اپنی محبت کا اظہار کر سکتے ہیں، ضروری نہیں کہ یہ تہوار صرف نامحرم معشوق ہی منائیں۔ عمر ہماری شادی کے بعد پہلی بار ویلنٹائن ڈے آرہا ہے ہم بھی منائیں گے۔'' رامین کا پرجوش انداز عمر عالم کو حیرت زدہ کر گیا۔

"عجیب بچگانہ باتیں کر رہی ہو تم رامین! اب خود سوچو سال کے 365 دنوں میں سے صرف ایک دن اپنے ماں باپ یا اپنے چاہنے والوں کے نام کرنا کیا یہ بے وقوفی نہیں؟ اللہ کا کرم ہے ہم لوگ اپنے والدین اور گھر والوں کے ساتھ رہتے ہیں، دوستوں کی خوشی غمی میں شریک ہوتے ہیں، مغربی لوگوں کا یہ تہوار ہے، ان کے پاس اتنا وقت نہیں ہوتا کہ ماں کون اور باپ کون ہے۔ بحیثیت مسلمان ہمیں یہ بالکل زیب نہیں دیتا کہ ہم ویلنٹائن کی یاد کو تازہ کریں۔ رامین میرا دل نہیں گوارا کرتا کہ مسلمان ہوتے ہوئے میں کسی دوسری قوم کا تہوار مناؤں یا حصہ بنوں۔ کیا کسی نے کبھی ہمارا تہوار منایا؟ کسی نے عید منائی ہو یا کسی نے رمضان کا روزہ رکھا ہو؟" عمر عالم کے جذباتی ہونے پر خفا سی رامین لاجواب ہو کر وہاں سے اٹھ گئی، ماں جی اپنے سعادت مند بیٹے کے خیالات جان کر اس پہ واری صدقے ہو گئیں۔

☆......☆

قابل نفرت ہوتے ہیں وہ مرد جو عورت کو اپنے پاؤں کی جوتی سمجھتے ہیں یا خود عورت کے پاؤں کی جوتی بن جاتے ہیں۔ عمر عالم کے دوست عماد حسن کا شمار بھی دوسری قسم کے مردوں میں ہوتا تھا، جسے حروف عام میں لوگ زن مرید کہتے ہیں۔ عماد حسن نے اپنے بوڑھے والدین کی اکلوتی اولاد ہونے کے باوجود صالحہ بیگم کے کہنے پر ان سے آنکھیں پھیریں تھیں۔ صالحہ کی اپنے ساس سسر سے ایک دن بھی نہ بنتی تھی، سو انہوں نے الگ گھر لے لیا مگر آج کل ان کے گھر میں کچھ کنسٹرکشن کا کام جاری تھا۔ اس لیے وہ عارضی طور پر عمر عالم کے گھر کے اوپر والے پورشن میں رہ رہے تھے۔ صالحہ بیگم آزاد خیال تیز مزاج کی خاتون تھیں۔ یوں کہنا زیادہ درست ہوگا کہ وہ سات سالہ بچی کی ماں ہونے کے باوجود خود کو خاتون نہیں بلکہ اٹھارہ انیس سالہ حسین دوشیزہ سمجھتیں تھیں۔ ان کا زیادہ تر وقت اپنی ہم مزاج سہیلیوں، پارٹیوں، بیوٹی پارلر یا شاپنگ میں گزرتا۔ گھر، بچی، میاں کی وہ کم ہی پرواہ کرتیں۔ ابھی بھی وہ شاپنگ پر جانے کے لیے تیار کھڑی رامین کا انتظار کر رہی تھیں کہ ان کی کام والی ماسی رضیہ روتی دھوتی آ گئی۔

"بی بی جی میرا چھوٹا کاکا بہت بیمار ہے جی، مجھے پیسے چاہیے اس کی دوا کے لیے، آپ مجھے میری تنخواہ دے دیں۔"

"ارے واہ...... ایسے کیسے دے دوں، وقت سے پہلے تنخواہ؟ ابھی تمہارا مہینہ پورا نہیں ہوا، جاؤ ابھی میرے پاس پیسے ویسے نہیں ہیں۔" صالحہ بیگم نے نہایت بیزاری سے اسے ٹالا انہیں اس وقت سخت ناگوار گزری تھی رضیہ کی آمد۔

"جی بی بی جی! جانتی ہوں چار دن بعد پورا ہوگا میرا مہینہ، مگر میرے پاس ایک پھوٹی کوڑی بھی نہیں ہے، جس سے منے کا علاج کروا لوں۔ بڑی مہربانی ہوگی آپ کی بی بی جی جو مجھ مجبور کی مدد کر دیں کچھ پیسے ہی ادھار دے دیں، آپ میری تنخواہ سے کاٹ لینا جی۔"

کمرے میں داخل ہوتی رامین نے ہاتھ جوڑے کھڑی رضیہ کی التجا سنی تو اسے رضیہ پر جی بھر کے ترس آیا، مگر صالحہ بیگم کا پارہ چڑھ گیا اور وہ غصے سے بولیں۔

"ہاں پیسے تو میں ضرور کاٹوں گی، مگر تمہارے ناغوں کے...... غضب خدا کا روز چھٹی پہ ہوتی ہو کوئی نہ کوئی بہانہ کر کے، مگر پیسوں کے لیے وقت سے پہلے ہی منہ اٹھا کر چلی آتی ہو۔ میرا وقت برباد مت کرو مجھے دیر ہو رہی ہے بازار جانے کے لیے، تم یہاں سے جاؤ، کچھ نہیں ہوگا تمہارے بچے کو، چار دن صبر کر لو مل جائے گی تمہیں تمہاری تنخواہ، تم غریب لوگ ڈھیٹ مٹی سے بنے ہوتے ہو، جلدی نہیں مرتے کھپتے، بچ جائے گا تمہارا بچہ بھی۔ اگر اسے آج دوائی نہیں ملی تو ہونہہ...... اور اگر مر بھی گیا تو تمہیں کونسا فرق پڑے گا درجن بھر تو بچے ہیں تمہارے۔" صالحہ نے تمسخرانہ انداز میں کہا، رامین ان کا یہ روپ دیکھ کر دنگ رہ گئی، جب کہ رضیہ تہی دست آنسو بہاتی تیزی سے واپس لوٹ گئی، اس سے پہلے کہ رامین اس کی مدد کے لیے اسے آواز دیتی، صالحہ بیگم اس کی جانب متوجہ ہو چکی تھیں، جب ہی خوش اخلاقی سے بولیں۔

"ارے بھئی رامین! شکر ہے تم آ گئیں، میں تمہارا ہی انتظار کر رہی تھی کہ اس رضیہ نے آ کر دماغ خراب کر دیا۔ خیر چھوڑو ہمیں پہلے ہی مارکیٹ جانے کے لیے دیر ہو گئی ہے چلو بھئی جلدی چلتے ہیں۔" ایک لمحے میں ہی صالحہ بیگم کے لہجے کی کڑواہٹ مٹھاس میں بدلی تھی اور رامین کی حیرانگی انتہا پر تھی۔

☆......☆

وہ دونوں اس وقت شہر کے سب سے بڑے شاپنگ مال میں موجود تھیں، دو گھنٹے ہونے کو آئے تھے، مگر صالحہ کی شاپنگ ابھی بھی مکمل نہیں ہوئی تھی۔ اتنی خریداری تو کوئی عید یا شادی پر نہیں کرتا، جتنی وہ ویلنٹائن ڈے کے موقع پر کر رہی تھیں۔ لہو رنگ نفیس کام والی ساڑھی جس کی قیمت میں چار پانچ اچھے خاصے جوڑے آ سکتے تھے، وہ اس ساڑھی کے ساتھ جیولری میچ کر رہی تھیں اور رامین دل ہی دل میں احساس کمتری کا شکار ہو رہی تھی کہ عمر عالم نے اس کو کبھی یوں دل کھول کر شاپنگ نہیں کروائی تھی۔

"رامین! دیکھو یہ جوتا ٹھیک ہے؟" صالحہ اپنے پاؤں میں سرخ نازک سی پینسل ہیل جوتی پہنے اس سے رائے مانگ رہی تھیں۔ "اتنی اونچی ہیل پہن کر چل پاؤ گی کیا؟"

"اور نہیں تو کیا...... یہ بھی خوب کہی تم نے، ارے پگلی پینسل ہیل ہی کا تو آج کل فیشن ہے۔ خیر تم کیا جانو فیشن، ہر وقت فلیٹ جوتوں میں اندر باہر اسکارف اوڑھے رکھتی ہو۔" صالحہ نے ایک نظر اس کے حلیہ کا جائزہ لیا اور طنزیہ ہنستے ہوئے کہا۔

"بھابھی! عمر عالم کو میں اسکارف میں اچھی لگتی ہوں، انہیں میرا سادہ رہنا زیادہ پسند ہے۔" رامین نے جھینپ کر آہستگی سے کہا۔

"اچھا سنو ویلنٹائن ڈے کا کیا پلان ہے کہاں اور کیسے سیلیبریٹ کر رہے ہو تم دونوں؟" صالحہ نے پوچھا تو وہ بولی۔

"وہ بھابھی! عمر عالم کو ویلنٹائن ڈے پسند نہیں ہے۔"

"ہا ہا ہا...... ویلنٹائن ڈے منانا پسند نہیں یا تمہارے ساتھ منانا پسند نہیں ہے۔" صالحہ نے معنی خیز لہجے میں کہا تو وہ چونک کر بولی۔

"کیا مطلب صالحہ بھابھی؟"

"سچ رامین! بہت بھولی ہو تم، مطلب صاف ہے اگر عمر عالم کو تم سے محبت ہوگی تو ہی ویلنٹائن ڈے پر تم سے اپنی محبت کا اظہار کرے گا نا۔ بھئی نظر رکھو اپنے میاں پر، ابھی صرف چھ ماہ ہوئے ہیں تم دونوں کی شادی کو اور دیکھو تو کیسی روکھی پھیکی زندگی گزار رہے ہو، تم دونوں کو کبھی گھومتے پھرتے نہیں دیکھا۔ ارے بھئی تم لوگ تو ہنی مون پر بھی نہیں گئے تھے، کہیں کسی اور سے تو چکر نہیں چل رہا عمر کا پتا کرو رامین۔" صالحہ نے اس کے دل میں شک کا بیج بویا تو وہ دہل گئی۔

"ارے نہیں بھابھی! کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ عمر عالم ایسے نہیں ہیں وہ مجھ سے بہت محبت کرتے ہیں۔" آخری جملہ اس کے دل نے اس کے دماغ میں اٹھتی شک کی آواز کو دباتے ہوئے کہا تھا۔

"ہاں، ہاں میں تو بس یونہی کہہ رہی تھی کہ خیر چھوڑو کہیں چل کر کچھ کھا پی لیں مجھے تو بہت بھوک لگ گئی، باقی کی شاپنگ بعد میں کریں گے۔" صالحہ

بیگم نے مسکرا کر کہا۔
"بھابھی! ابھی اور کیا رہ گیا ہے خریدنے والا شام گہری ہو گئی ہے، میں تھک گئی ہوں گھر چلتے ہیں۔" رامین نے بیزاری سے کہا۔
"رامین! حد کرتی ہو تم بھی اتنی جلدی کیسے تھک گئیں، ابھی تو مجھے اپنی فرینڈز کے لیے بھی ویلنٹائن ڈے گفٹ لینے ہیں اور حیا کی بھی شاپنگ کرنی ہے، اس کی بھی اسکول ٹیچر اور فرینڈز کے لیے چاکلیٹ، ٹیڈی بیئرز، ویلنٹائن ڈے کارڈز وغیرہ لینے ہیں اور اس کے بعد تمہارے ساتھ بیوٹی پارلر بھی جانا ہے، آخر شہر کے سب سے مہنگے ترین ریسٹورنٹ میں ہم نے ویلنٹائن ڈے پارٹی ارینج کی ہے، میں نے اور عماد نے اپنے سب فرینڈز کو انوائیٹ کیا ہے۔ ان سب میں سب سے حسین نظر آنا ہے مجھے، تو اس کے لیے پہلے سے ہی پارلر کے دو تین چکر لگانا تو ضروری ہیں نا میرے لیے۔"
صالحہ بیگم رامین کو تفصیل بتا کر خوامخواہ ہنسنے لگیں، جب کہ رامین اس وقت کو کوسنے لگی جب اس نے صالحہ کے ساتھ مارکیٹ آنے کی حامی بھری تھی۔

☆......☆

"عمر! اگر میں آپ کو اچھی نہیں لگتی، تو پھر آپ نے مجھ سے شادی کیوں کی تھی؟" رامین خفگی سے بولی۔
"ہائے یار! کیا دکھتی رگ کو چھیڑ دیا ظالم لڑکی، میں کب کر رہا تھا تم سے شادی، وہ تو بس ماں جی نے مجھے قربانی کا بکرا بنا ڈالا۔" عمر عالم اپنی مسکراہٹ دبا کر اپنے لہجے میں دنیا جہاں کی مصنوعی بے چارگی سمو کر بولے تو رامین تڑپ ہی تو اٹھی۔
"کیا...... آپ پچھتا رہے ہیں مجھ سے شادی کر کے، اس کا مطلب ہے کہ صالحہ بھابھی بالکل ٹھیک ہی کہہ رہی تھیں، میں ہی پاگل ہوں جو نہ سمجھی۔"

رامین کے آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگے، عمر عالم نے صالحہ بیگم کا نام سن کر اسے مزید ستانے کا ارادہ ترک کیا اور سنجیدگی سے بولا۔
"کیا نہیں سمجھی؟ اور کیا کہا صالحہ بھابھی نے؟"
"عمر عالم! آپ مجھ سے محبت نہیں کرتے۔" وہ روہانسی ہو کر بولی۔
"تمہیں میرے کس عمل سے ایسا محسوس ہوا رامین کہ میں تم سے محبت نہیں کرتا۔" عمر کو سخت تاسف ہوا۔
"اگر آپ کو واقعی مجھ سے محبت ہوتی، تو آپ آج اپنی محبت کا اظہار بھی کرتے اور ہم بھی اس وقت دیگر لوگوں کی طرح کینڈل لائٹ ڈنر کر رہے ہوتے مگر نہیں آپ نے تو آج مجھے ایک خالی لال گلاب دے کر بھی ویلنٹائن ڈے وش کرنا گوارا نہیں کیا۔ کرتے بھی کیوں آپ تو کسی اور......"
"پاگل ہو گئی تم مجھے تم سے اس قدر بے وقوفی اور بدگمانی کی امید ہرگز نہیں تھی۔"
وہ اس کی بات کاٹتے ہوئے برہم ہوئے اور چند لمحوں کے بعد نرمی سے بولے۔
"رامین! تم سمجھتیں کیوں نہیں ہو، ویلنٹائن ڈے، برتھ ڈے، فادر ڈے، مدر ڈے یہ ڈے وہ ڈے یہ ان لوگوں کا خاصہ ہے، جن کا کوئی خاندانی نظام نہیں۔ جن میں قوم قبیلہ نہیں، وہ محبت وہ ہمدردی وہ مساوات وہ اخوت جو اسلام ہمیں دیتا ہے، وہ ان کے معاشرے میں ہے ہی نہیں، جس کی وجہ سے وہ ایسے رسم و رواج پیدا کر رہے ہیں، جن سے وہ عارضی سکون حاصل کرتے ہیں۔ جب اسلام نے ہر ایک کے حقوق و فرائض متعین کر دیے ہیں، تو ہم کیوں وہ پورے نہیں کرتے؟ اگر ہم وہ حقوق و فرائض پورے کر دیں تو ہم کو یہ جھوٹے سہارے اور نامکمل خوشی کے مواقع حاصل کرنے کی ضرورت ہی نہیں۔ رامین اگر مجھ سے کوئی کوتاہی ہوئی ہے

تمہارے حقوق پورے کرنے میں تو مجھے بتاؤ تم، پلیز مگر خفا مت ہو۔"
رامین کی بدگمانی آنسوؤں کی صورت میں بہہ گئی اور اس نے نفی میں سر ہلایا، تو عمر عالم نے اطمینان کی سانس لی اور مزید کہنے لگا۔
"اسلام قطعاً اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ کوئی ایسا تہوار منایا جائے، جس سے بے حیائی فتنہ عام ہو اور یہ ویلنٹائن ڈے یا کوئی بھی غیر اسلامی تہوار منانا شرعاً جائز نہیں ہے اور جس طرح یہ ویلنٹائن ڈے منایا جاتا ہے اسلام اور اسلامی تعلیم کے بالکل خلاف ہے۔" عمر عالم کا حرف حرف رامین کے دل پر اثر کر رہا تھا، رامین نے ہتھیلی کی پشت سے آنسو صاف کیے۔ اب اس کی آنکھوں میں بدگمانی کی جگہ پشیمانی تھی۔
"رامین! اس دن جو پیسے، پھول، تحفے، کارڈز اور ڈنر پر ضائع ہوتے ہیں، اس سے کسی غریب محتاج کی مدد بھی کی جا سکتی ہے، بلکہ ایک دن اگر ہم یہ منا لیں زکوۃ اور فطر کے علاوہ کہ آج کے دن ہم نے کسی بے سہارا محتاج کی مدد کرنی ہے، تو کیا یہ زیادہ بہتر نہ ہو گا؟ کیونکہ منانے کو اللہ تعالیٰ نے ہمیں بہت بہترین تہوار دیے ہیں، جن میں ہم تحائف کا تبادلہ کر سکتے ہیں۔" عمر عالم نے کہا۔
"عمر عالم! خدا کے لیے مجھے مزید شرمندہ مت کیجیے، آپ کی ہر بات درست ہے۔ میں نادان بہک گئی تھی، خدارا مجھے معاف کر دیجیے۔" سر جھکائے نادم کھڑی رامین نے ہاتھ جوڑ دیے اس سے پہلے عمر عالم آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ تھام کر کچھ کہتے کسی کی بلند چیخ نے در و دیوار ہلا ڈالے، دونوں نے گھبرا کر کمرے کی کھڑکی سے باہر جھانکا، تو صالحہ بیگم سیڑھیوں سے نیچے لڑھکتی آ رہی تھیں۔

☆......☆

بے چاری صالحہ بیگم کتنے دنوں سے ویلنٹائن ڈے کے انتظار میں اس کی تیاریوں میں مصروف تھیں۔ مگر جب ویلنٹائن ڈے کی پارٹی میں وہ خوب سج دھج کے شریک ہونے جا رہی تھیں کہ ان کی قیمتی لال ساڑھی کا پلو ان کی پینسل ہیل جوتی میں الجھ گیا اور وہ سنبھل نہ سکیں اور سیڑھیوں سے گر کر اپنا پاؤں فریکچر کروا بیٹھیں۔ رامین کو شدید افسوس ہوا تھا، صالحہ بیگم کو یوں درد سے کراہتے ہوئے اس حالت میں دیکھ کر رامین کو بے ساختہ حضرت علی کا قول یاد آیا تھا کہ۔
"میں نے اپنے رب کو اپنے ارادوں کے ٹوٹنے سے پہچانا۔"

☆......☆

جب سے صالحہ بیگم بستر پر پڑی تھیں ان کی دیکھ بھال رامین ہی کر رہی تھی، کیونکہ ان کا میکہ تو باہر تھا اور سسرال میں تو کسی سے بنا کے نہ رکھی، سو اس مشکل گھڑی میں صالحہ کو نہ پا کر اس نے انہیں آواز دی تو رضیہ واش روم سے صالحہ کی وہیل چیئر گھسیٹتے ہوئے ان کو لے کر آ گئی۔ رضیہ پر نظر پڑتے ہی رامین کو کچھ یاد آیا تو وہ پوچھنے لگی۔
"ارے رضیہ! بڑے دن بعد نظر آئی ہو، بھابھی ٹھیک کہتی ہیں کہ بہت چھٹیاں کرتی ہو۔ خیریت تو تھی نا؟ اور ہاں وہ تمہارے بیٹے کا کیا حال ہے؟"
"رامین بی بی! میرا بیٹا تو اسی دن اللہ کو پیارا ہو گیا تھا، جب میں صالحہ بی بی کے پاس بڑی آس لے کر آئی تھی مگر بی بی جی کے پاس میری مدد کو پیسے نہیں تھے اور وہ مجھے خالی ہاتھ لوٹا کر آپ کے ساتھ بازار چلی گئیں تھیں۔" رضیہ نم لہجے میں کہتی ہوئی ان دونوں کو ساکت و نادم چھوڑ کر اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔

......☆......

ثناء کنول اللہ دتہ

افسانہ

ویلنٹائن ڈے



"کیسے بتائیں کے تمہیں کس قدر چاہتے ہیں!
کیسے بتائیں کہ تمہیں صرف تمہیں خدا سے کس قدر ٹوٹ کر مانگتے ہیں۔"

اس نے قلم ڈائری پر رکھا اور نم آنکھوں سے آسمان کی طرف دیکھنے لگی۔ سارے آسمان پر ستارے چمک رہے تھے۔ اسے ستارے اور چاند بھی اپنی طرح بالکل اداس لگا تھا، وہ اٹھ کر کھڑکی میں چلی آئی، اسے اکثر اپنے خوابوں سے ڈر لگنے لگتا تھا کہ کہیں اس کے خواب ادھورے رہ گئے تو وہ کیسے جیئے گی، محبت کرنا کتنا آسان ہوتا ہے اور نبھانا کس قدر مشکل، محبت زندگی ہے تو محبوب سے جدائی موت۔ اور وہ مرسکتی تھی پر محبوب سے جدا نہیں ہوسکتی تھی۔ بھلا وہاں جدائی کیسی جہاں پر کبھی ملن ہی نہ ہوا ہو پر وہ سمجھتی تب نا، اس کا یہ ناوان دل چیخ چیخ کر کبیر کو اپنے رب سے مانگتا تھا، اس کا بس نہیں چلتا تھا کہ وہ کچھ بھی کر کے کبیر کو پالے۔

رات دھیرے دھیرے گزر رہی تھی کہ اسے ختم ہونا تھا۔ وہ ہر روز، نئی صبح ایک امید پر تیار ہو کر کالج جاتی تھی کہ اے کاش کبیر ایک بار اسے پرپوز کردے، مگر وہ تو اس کی طرف دیکھتا تک نہ تھا اور وہ ہر رات ناامید ہوتی مایوس ہوتی، پر اگلے ہی پل وہ ٹوٹ کر اپنے رب سے اسے مانگنے لگتی۔ اسے خود پتہ نہیں چلا تھا کہ وہ افشاں راشد کب کیسے کبیر الدین کو دل دے بیٹھی، بس پتہ تھا تو صرف اتنا کہ وہ اسے دیکھ کر جیتی تھی، ہنستی تھی اور ہر پل صرف اسے ہی دیکھنا چاہتی تھی۔ کبیر الدین اس سے ایک سال سینئر تھا اور صرف ان کی سلام دعا تھی، نہ کبھی اس کی ہمت ہوئی آگے بڑھنے کی نہ کبھی کبیر الدین نے کوئی کوشش کی۔

"افشاں بیٹا! اٹھ جاؤ، صبح ہوگئی ہے میری جان۔"

"پلیز امی! سونے دیں آج تو سنڈے ہے نا۔"

"ارے امی کی جان تمہارے بابا تمہارا ویٹ کررہے ہیں ناشتے کی ٹیبل پر، چلو آؤ اب۔" صابرہ بیگم کے کہنے پر وہ اٹھ کر آنکھیں مسلتی ہوئی واش روم میں گھس گئی۔ پانچ منٹ بعد وہ جیسے ہی ٹیبل پر پہنچی، راشد فاروقی کو اپنا منتظر پا کر وہ جیسے کھل اٹھی۔

"بہت لیٹ اٹھا آج میرا بیٹا۔"

"سوری بابا! آپ کو میرا انتظار کرنا پڑا، اصل میں رات کو لیٹ سوئی تھی نا۔"

"پڑھائی کیسی جارہی ہے؟"

"ایکدم فرسٹ کلاس، بس ایگزامز ہونے والے ہیں دو مہینوں تک۔" وہ بولی تو وہ مسکرا دیئے۔ باتوں کے درمیان خوشگوار ماحول میں ناشتہ کیا گیا۔

اگلے دن وہ ایک امید کے ساتھ کالج گئی۔ ماریہ سے باتوں کے دوران بھی وہ مسلسل کبیر الدین کو سوچ رہی تھی، اسی لیے ہوں ہاں میں جواب دیتی رہی۔ کلاس آف کرکے وہ دونوں کینٹین میں چلی آئیں تو کبیر الدین ان کے پاس آکر بولا۔

"کیسی ہیں آپ دونوں؟"

"جی، فائن آپ کیسے ہیں؟" افشاں کی دھڑکنیں ایکدم تیز ہوئیں پر کنٹرول کرکے بولی تو کبیر الدین مسکرا کر بولا۔

"آپ بتائیں کے میں کیسا ہوں۔" اس نے چونک کے اسے دیکھا جو شرارت سے مسکرا رہا تھا، بھی اس کا دوست دکی چلا آیا تو وہ اٹھ کر چلا گیا، جب کہ افشاں چاہ کر بھی اس کے سحر سے نکل نہ سکی۔ وہ جیسے ہی گھر میں داخل ہوئی، کتابیں صوفے پر پھینکتی ہوئی اسکارف اتارنے والی تھی کہ اس کی نظر ایشال پر پڑی جو حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس نے گڑبڑا کر اپنی کتابیں اٹھائیں اور بولی۔

"ارے ایشال بھائی! آپ یہاں کیسے آئے؟"

"کیوں میں نہیں آسکتا؟ کوئی پابندی لگی ہے؟ خیر تم سناؤ کیسی ہو؟"

"جی! میں ٹھیک ہوں میں ابھی آئی۔" وہ اسے

کہہ کر اپنے کمرے میں چلی آئی کپڑے بدلے منہ دھویا اور کچن میں ای کے پاس آ گئی۔

"ارے ای! کیا کر رہی ہیں آپ؟ لائیں میں بنادوں۔" وہ ان کے ہاتھ سے رائتہ کا سامان لے کر بنانے لگی، کچن میں ایشال داخل ہوا اور اس کو دیکھتے ہوئے صابرہ سے بولا۔

"ارے چچی! آپ دو ہی تو ہیں اس گھر میں اور وہ بھی کچن میں گھسی ہیں جب کہ میں وہاں اکیلا بیٹھا بور ہو رہا تھا، ویسے کیا بنایا ہے آپ نے؟"

"چپلی کباب، فش فرائی، بریانی اور قیمہ بھرے کریلے تمہیں پسند ہیں نا۔"

"ارے آپ کو پتہ ہے چپلی کباب مجھے بھی بنانے آ گئے ہیں۔ کباب بناؤ اور ایک چپل مارو بن گیا چپلی کباب۔" اس کی بات پر افشاں جو کب سے خاموش کھڑی تھی بے اختیار کھلکھلا کر ہنس پڑی اور بولی۔ "ارے آپ کو پتہ ہے بچپن میں چاچو آپ کو چپل سے مار مار کر چپلی کباب بناتے تھے، جب آپ مجھے مارتے تھے ہاہاہا۔" وہ بات مکمل کر کے پھر سے کھلکھلا اٹھی جب کہ ایشال مسلسل مسکرا رہا تھا۔

☆......☆

ہر روز کی طرح وہ آج بھی نا امید لوٹی تھی۔ لاؤنج میں داخل ہوئی تو حیران رہ گئی رضیہ چچی اور رشید چاچو کے ساتھ حنا آئی ہوئی تھی۔ وہ حیران سی انہیں سلام کر کے ان کے پاس بیٹھ گئی تو چچی نے محبت سے اس کا ہاتھ پکڑ کر انگوٹھی پہنادی اور صابرہ بیگم سے بولیں۔

"آج سے افشاں ہمارے ایشال کی امانت ہے آپ کے پاس، اگلے ہفتے نکاح کر لیتے ہیں پھر اس کے بعد رخصتی۔" وہ اور بھی نجانے کیا کچھ کہہ رہی تھیں، افشاں ایک جھٹکے سے اٹھی اور اپنے کمرے میں بند ہو گئی، جب کہ سب نے سمجھا کہ شرما گئی۔ وہ کمرے میں آ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی، وہ اس رشتے سے انکار کرتی بھی تو کس بل پر کبیر الدین نے کبھی اسے ایک ہلکا سا اشارہ تک نہیں دیا تھا۔ شام کو اس نے ای سے کہہ دیا کہ وہ ابھی کچھ عرصہ شادی نہیں کرنا چاہتی۔ پھر تقریباً ایک ہفتے بعد وہ افشاں راشد فاروقی سے افشاں ایشال فاروقی بن گئی۔ نکاح کے بعد وہ کمرے میں آ کر خوب روئی تبھی کوئی دروازہ نوک کر کے اندر داخل ہوا اس نے چونک کر دیکھا تو وہ ایشال تھا جو آنکھوں میں شرارت لیے مسکرا کر بولا۔

"مجھے تم سے کچھ بات کرنی تھی۔"

"کہیے بھائی!" اس نے اپنی عادت کے مطابق کہا تو ایشال کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

"پلیز یار! ہمارے درمیان موجود رشتے کا ہی خیال کر لو۔" اس کی شرارت سے کہنے پر ہمارے درمیاں موجود رشتے کا ہی خیال کر لو۔

اس کے شرارت سے کہنے پر اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا تو بے اختیار رخ موڑ کر کھڑی ہو گئی، ایشال سنجیدگی سے بولنے لگا۔

"خلیل جبران کہتے ہیں، محبت صنوبر کے ایک درخت کی شاخوں کی طرح دل سے شاخ در شاخ پھوٹتی چلی جاتی ہے پھر کچھ روز کے بعد اس سے ایک نئی کونپل نکلتی ہے سو میرے لیے محبت صنوبر کے درخت کی کہانی ہے، مجھے پتہ ہی نہیں چلا کب تمہاری محبت میرے دل میں پھیلتی گئی شاید اس وقت جب ہم ساتھ کھیلتے تھے یا پھر اس وقت جب تم روتی تھیں تو میں بھی رونے لگتا تھا، افشاں روئے اور ایشال چپ رہے نا ممکن، یوں تو کبھی کبھی محبت ہمارے دل کے نہاں خانوں میں چھپی ہوتی ہے، ہم لاکھ کوشش کریں وہ ہمیں نظر نہیں آتی، پھر ہم اسے بھلا کر دنیا میں مگن ہو جاتے ہیں، ایک وقت ایسا آتا ہے جب وہ محبت ہمارے سامنے کھڑی ہو جاتی ہے، اپنی تمام تر خوبصورتی کے ساتھ تب بہت دیر ہو جاتی ہے اور ہم کچھ نہیں کر سکتے، یہی بات سوچ کر کہ کہیں دیر نہ ہو جائے آج تم سے اظہار محبت کر رہا ہوں، ویسے تو محبت کبھی بھی اظہار کی

محتاج نہیں ہوتی لیکن کبھی کبھی ہمیں اظہار کر دینا چاہیے، اگلے کے اطمینان کے لیے۔ میں بہت جلد تمہیں دلہن بنا کر لے جاؤں گا او کے اللہ حافظ۔" وہ آخر میں مسکرا کر بولا اور چلا گیا جب کہ افشاں حیران سی کھڑی رہ گئی۔ اس نے تو اپنے رب سے کبیر الدین کی محبت مانگی تھی اور اس کے رب نے اسے ایشال کی محبت دے دی۔

☆......☆

آج اس کا آخری پیپر تھا اور پرسوں مہندی، قسمت کی بات کہ آج 14 فروری تھا ویلنٹائن ڈے، محبت کا دن۔ پیپر سے فارغ ہو کر وہ کالج پر الوداعی نظر ڈال کر مڑی اور گیٹ کے پاس ایشال کا انتظار کرنے لگی۔ ہر کوئی ایک دوسرے کو سرخ گلاب دے رہا تھا کوئی سچ میں محبت کرتا تھا تو کوئی فلرٹ لیکن سب خوش تھے بے حد، وہ اپنی سوچوں میں مگن تھی کہ نظریں اٹھیں اور ساکت رہ گئیں۔

"آئی لو یو افشاں! اصل میں، میں تم سے اس دن سے محبت کرتا ہوں جب تمہیں پہلی بار دیکھا تھا پھر میں نے سوچا کہ کیوں نا میں تمہیں 14 فروری کو پرپوز کر دوں۔ مجھ سے شادی کرو گی؟"

"افشاں میں کب سے......" وہ چونکی اس وقت جب ایشال اس کے پاس آ کر بولا جب کہ کبیر الدین ایشال کو حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ افشاں مضبوط لہجے میں بولی۔

"مسٹر کبیر الدین! ان سے ملیے یہ میرے شوہر ایشال ہیں، سوری ہم آپ کو نکاح میں نہیں بلا سکے ہاں بارات میں ضرور آیئے گا۔" کبیر الدین کے ہاتھ سے گلاب گر گیا، پھٹی پھٹی آنکھوں سے وہ دونوں کو دیکھ رہا تھا۔

"تم آؤ جلدی، او کے پھر ملاقات ہو گی کبیر صاحب۔" ایشال، افشاں سے کہہ کر کبیر سے بولا اور چلا گیا تو افشاں بولی۔

"محبت کو کبھی بھی کسی ایک دن کے لیے صرف مت کرنا، جب بھی تمہیں احساس ہو کہ تم کسی سے محبت کرتے ہو تو فوراً اظہار کر دینا، کہیں دیر نہ ہو جائے۔ یہ 14 فروری کا صرف ایک دن نہیں ہے محبت کے اظہار کے لیے محبت کا اظہار آپ کسی بھی وقت کر سکتے ہیں آپ نے دیر کر دی سوری۔" افشاں آہستہ سے بولی اور آگے بڑھ گئی جب کہ کبیر الدین شکست خوردہ سا کھڑا رہ گیا۔

گاڑی میں بیٹھ کر وہ ونڈو سے باہر دیکھنے لگی، بہت کوشش کے باوجود ایک آنسو پلکوں سے نکلا اس کا رخسار چوم گیا تو وہ سوچنے لگی۔

"کہتے ہیں، کبھی بھی اس سے شادی مت کرو جس سے آپ محبت کرتے ہیں، شادی اس سے کرو جو آپ سے محبت کرتا ہو اور ویسے بھی کبھی اللہ پاک ہمارے نصیب میں ڈھیروں خوشیاں لکھ دیتا ہے، پر ہم صرف ایک ہی خوشی کے پیچھے پڑ جاتے ہیں، بعض دفعہ ایک خوشی کے لیے باقی خوشیاں گنوا بیٹھتے ہیں۔ میں خوش قسمت ہوں کہ میرے رب نے مجھے میری پسند نہیں دی، بلکہ اپنی پسند دی ہے اور میرے رب کی پسند میری پسند سے لاکھ درجے بہتر ہے۔ جہاں تک بات ہے میری محبت کی تو میں ایشال کی محبت میں رہ کر اس محبت کو بھول جاؤں گی انشاء اللہ۔" گھر آ کر اس نے اپنی نظم مکمل کی جو نجانے کب سے ادھوری تھی۔

کیسے بتائیں تمہیں کس قدر چاہتے ہیں
چلو ہم ایک کام کرتے ہیں کہ
جو مر جائیں انہیں دفنا دیا جاتا ہے اور میری محبت
یک طرفہ ہو کر
مر چکی ہے کیوں نہ ہم ایسا کریں؟

نظم لکھ کر اس نے کرسی کی پشت سے سر ٹکا دیا اور دو آنسو رخساروں پر بہہ نکلے صرف آخری بار وہ کبیر الدین کے لیے روئی تھی صرف آخری بار۔

☆......☆

حنا اصغر

افسانہ

روشن راستے



اسفند کی آنکھیں حیران تھیں، دربار کے وسیع و عریض صحن میں بھیڑ کم تھی اس لیے وہ ستونوں کے پیچھے سے منظرِ عام پر آئی صاف دکھائی دے رہی تھی۔ اس کو دیکھ کر اسفند کا دل یک بارگی دھڑکا تھا، دھڑکنوں کی آواز اتنی تیز تھی کہ اس نے بے ساختہ اپنے دل پر ہاتھ رکھ لیا تھا۔ اس کے سفید پاؤں ایسے لگ رہے تھے جیسے کسی نے سمندر کے نیلے پانی میں سفید جھاگ بکھیر دی ہو۔ وہ ہولے ہولے چلتی اس کے مقابل آکھڑی ہوئی تھی۔ وہ بے ساختہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اس نے بلیک لباس زیب تن کیا ہوا تھا۔ اسفند کو ایسا لگ رہا تھا جیسے اس رنگ سے زیادہ خوب صورت اور معتبر رنگ شاید ہی کوئی اور ہوگا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے مقابل کھڑے تھے۔ دونوں کی آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے۔ اسفند کو ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ دیوانہ ہو گیا ہو۔ ایک طویل عرصے کی آبلہ پائی کے بعد منزلِ مقصود مل جائے تو انسان یونہی دیوانہ ہو جایا کرتا ہے۔"

میں نے تمہیں کہا تھا ناں نگینہ! میں تمہیں ڈھونڈ لوں گا دیکھو تم مجھے دوبارہ مل گئی ہو۔" وہ مخمور لہجے میں بولا۔

"میں تو خاک ہوں، خاک کو کون ڈھونڈتا ہے وہ تو ہر وقت پیروں میں بکھری رہتی ہے۔ کبھی خاک بھی محبوب کو روک پائی ہے کیا؟" وہ رندھے ہوئے لہجے میں بولی

"نگینہ! اگر خاک آنکھوں میں پڑ جائے تو انسان اندھا ہو جاتا ہے، میں بھی اندھا ہو گیا ہوں۔ تمہاری محبت نے مجھے اندھا کر دیا ہے، اس خاک نے مجھے کسی جوگا نہیں چھوڑا۔ آخر وقت میں قسم کھا کر نکلا تھا کہ جب تک تجھے دوبارہ نہ دیکھ لوں گا واپس گھر نہ جاؤں گا اور دیکھ آج میں خود سے اپنے گھر والوں سے ہار کر رختِ سفر باندھ چکا تھا کہ تو مجھے نظر آ گئی ہے، تجھے رب کا واسطہ نگینہ مجھے آزاد کر دے، رہائی دے دے اس قید سے۔"

"آپ کہاں جاؤ گے؟" وہ رندھے ہوئے لہجے میں بولی۔

"اپنے گھر واپس جاؤں گا۔" وہ بے ساختہ بولا۔

"ٹھیک ہے آپ چلے جاؤ۔"

"تت تم...... تم کہاں جاؤ گی نگینہ؟" اسفند نے بے ساختہ اس کی جانب دیکھا۔

نگینہ کو وہ وقت یاد آ گیا تھا جب وہ اس کو لے کر پہلی بار اپنی حویلی گیا تھا۔ ایک طوفان آ گیا تھا حویلی کے در و دیوار تک آغا جان کی آواز سے لرز گئے تھے۔ چاروں طرف آوازوں کا ہجوم سا تھا۔ اس پر الزامات کی بارشیں ہو رہی تھیں، نگینہ کو اس بارش میں اپنا وجود بھیگتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ وہ اچانک سے اس ہجوم سے نکل کر بھاگ گئی تھی اور اسفند کو پتا ہی نہیں چلا تھا اور جب پتا چلا تھا تو وہ دور جا چکی تھی۔ اسفند نے تب سے قسم کھائی تھی کہ اس وقت تک گھر نہیں جائے گا جب تک اس کو نہ دیکھ لے گا اور آج جب وہ اپنی قسم توڑ کر گھر جانے کے لیے تیار تھا تو وہ آ گئی تھی وہ عجیب کشمکش و پیچ میں مبتلا ہو گیا تھا۔ محبت کسی کھوئی ہوئی متاع کی طرح اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی۔ مزار پر لنگر کا ٹائم تھا۔ ہر کوئی لنگر کے لیے بھاگ رہا تھا۔ جب کہ وہ دونوں ایک دوسرے کے مقابل کھڑے تھے۔ شام کے ملگجے سایوں میں ان کا وجود گم ہو رہا تھا۔

"تم نے جواب نہیں دیا۔" اسفند نے دھندلائی ہوئی آنکھوں سے اس کو دیکھا۔

"آپ چلے جاؤ سائیں!" وہ روندھے ہوئے لہجے میں بولی۔

"جانتی ہو آج کیا تاریخ ہے؟"

"کیا تاریخ ہے؟" نگینہ نے کھوئے ہوئے لہجے میں کہا۔

"آج چودہ فروری ہے اسی تاریخ کو ہم ملے تھے ناں۔"

"اور اسی تاریخ کو ہم جدا بھی ہو رہے ہیں۔" نگینہ بے ساختہ بولی۔ اسفند نے اچنبھے سے اس کو دیکھا۔

"جاؤ اسفند! تمہارے گھر والے تمہیں بلا رہے ہیں۔"

"اور تم؟" اسفند نے اس کو دیکھا۔

"میں نے شادی کر لی ہے۔"

"کیا؟" اسفند کو ایسا لگا جیسے اس کے پیروں سے زمین نکل گئی ہو۔

"تم جھوٹ بول رہی ہو ناں؟" اس نے وثوق سے کہا۔

"نہیں اسفند! میں نے واقعی شادی کر لی ہے میں تو یہاں منت مانگنے آئی تھی کہ تم مل گئے تم ایک سال سے یہاں خوار ہو رہے ہو چلے جاؤ۔" وہ زار و قطار روتے ہوئے بولی۔

"تمہیں کیسے پتہ کہ میں ایک سال سے خوار ہو رہا ہوں۔"

"تمہاری ماں نے......" اس کے منہ سے الفاظ بے ساختہ نکلے تھے لیکن اس نے جلد ہی خود پر قابو پا لیا تھا اور اسفند کو ساری بات سمجھ آ گئی تھی۔

"نگینہ! تم میرے ساتھ چلو میں جانتا ہوں تم نے شادی نہیں کی، تم کر ہی نہیں سکتیں چلو میرے ساتھ میرے گھر۔" وہ اس کا ہاتھ تھام کر بولا۔

"وہاں میری جگہ نہیں ہے۔" وہ روتے ہوئے بولی۔

"ہم وہاں جائیں گے اگر وہاں تمہاری جگہ نہ بنی تو میں بھی وہاں نہیں رکوں گا، چلو تم میرے ساتھ۔" وہ دھونس جما کر بولا۔

"لیکن......"

"لیکن ویکن کچھ نہیں چلو میرے ساتھ۔" وہ اس کا ہاتھ تھام کر بولا اور نگینہ اس کے ساتھ چل پڑی یہ چودہ فروری ان کی زندگی میں خوشیوں کا پیامبر بن گیا تھا۔

......☆......

شہباز آچکا تھا جس کا تعلق بلوچستان سے تھا نوکری کی تلاش میں دونوں دربدر تھے ایک کمرے کے مکان میں رہنے پر مجبور تھے۔

☆......☆

"شہ پارہ، شہ پارہ۔"

"خدا خیر کرے کیا ہوا ہے گل؟" شہ پارہ نے اسے دروازے سے اندر کھینچا تھا جسے نہ چادر کا ہوش تھا نہ اپنا۔

"خیر کہاں ہوتی ہے یہاں تم جانتی ہو۔ وہ مردود فوجی لالہ کو پکڑ کر لے گئے۔ میں چھت سے کود کر بھاگی ہوں۔ وہ یہاں نہ آجائیں حسن لالہ بھی نہیں ہیں کیا کریں۔"

"تم اندر چلو جو اللہ کو منظور، یہ سب تو ہمارا معمول ہے اگر ہماری خوشیوں میں بین نہ ہوں تو ادھوری لگتی ہیں مگر شکر ہے خدا کا اس نے ہمیں چنا ہے کافروں کے خلاف جہاد کے لیے ہم راضی ہیں۔" دونوں آنسو صاف کرتی کمرہ بند کیے بیٹھ گئی تھیں۔ حسن گھر آیا مگر عمر کی گرفتاری کا سن کر الٹے قدموں لوٹ گیا تھا۔ شام تک وہ عمر کو لے آیا تھا مگر چار کندھوں پر ظالموں نے وحشیانہ تشدد کے بعد اسے شہید کر دیا تھا۔ وہی کہرام مچا تھا وہی بین وہی صدائیں جو اس حسین وادی کے حسن کو سوگوار رکھتی تھیں۔ گلائی نے شہ پارہ کو گلے لگایا تھا۔ عمر اس کا بھائی تھا تو شہ پارہ کا مستقبل جو مٹی تلے جا سویا تھا۔

"تم دونوں تیاری کر لو آج رات ہی بارڈر پار کرنا ہے۔ کل مجاہدین کے ہاتھوں پانچ فوجیوں کا قتل بہت کاری ضرب پڑی ہے۔ دشمن پر ان کا انتقام ختم نہیں ہوا ہے، کسی بھی وقت دوبارہ آسکتے ہیں۔" حسن نے دونوں کو تیار کیا تھا۔

"مگر لالہ! آپ یہاں اکیلے۔"

"مجھے چھوڑو تم دونوں کو تنہا نہیں چھوڑ سکتا۔ وہاں کم از کم اپنے ہم وطن تو ہیں آنسو پونچھنے کو۔"

"مگر لالہ تم......"

"شہ پارہ، ہم نے تو جینا مرنا یہیں پر ہے بس عزت کی فکر ہے، جان معنی نہیں رکھتی اگر ہم بھی چلے گئے تو کون زمین کا قرض اتارے گا؟ تم لوگ پھوپھو کے ساتھ رہو گے میں انتظام کر چکا ہوں وقت قریب ہے ظالم مظلوم کے ہاتھوں مارا جائے گا۔"

☆......☆

"کچھ ہوا، شہباز بات بنی؟" شہیر نے اسے چائے دیتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں یار انہ جانے کیا بات ہے میرا امیگریشن لیٹر دیکھ کر کمپنی کے ایم ڈی خاموش ہو گئے، کچھ بات ہی نہیں کی۔"

"چل کوئی نہیں کل میرے ساتھ چلنا ایک ڈیلیسی ہے جس کی قسمت ہوگی اسے مل جائے گی۔"

"ہمت کرو گل! بس تھوڑا فاصلہ ہے یہ تھکنے کا مقام نہیں ہے کسی بھی وقت انڈین آرمی کی نظر میں آسکتے ہیں۔" حسن نے اسے سہارا دے کر کھڑا کیا تھا۔

وہ سب آزادی سے چند قدم دور تھے۔ شہ پارہ اور گلائی نے پاک سرزمین پر قدم رکھا تھا کہ پیچھے سے فائرنگ ہوئی تھی۔ جس کا جواب مجاہدین کے ساتھ پاک سرزمین کے محافظوں نے بھی دیا تھا مگر حسن اپنی شہادت کی منزل پا کر اپنی زمین پر قربان ہو گیا تھا، اسے حسرت و یاس سے دیکھتی عنقریب وہ دونوں پلٹنا چاہتی تھیں کہ میجر علی نے انہیں کور کیا اور چوکی تک پہنچایا۔

"کیا کر رہی ہیں محترمہ کیوں اس شہید مجاہد کی قربانی کو ضائع کرنا چاہتی ہیں واپس جا کر۔"

"وہ میرا بھائی ہے۔" شہ پارہ سسک اٹھی تھی۔

"محترمہ ہمیں احساس ہے وہ آپ کو محفوظ ہاتھوں میں دینا چاہتے تھے، وہ کامیاب رہے مگر وہ جس منزل کے مسافر تھے اس کی منزل انہیں مل گئی اب جنت میں اپنا مقام بخوشی پانے دیں۔"

میجر علی کی بات سے انہیں کچھ ڈھارس ہوئی تھی۔ میجر علی نے گارڈز کے ساتھ انہیں مطلوبہ ایڈریس پر روانہ کیا تھا، پھوپھو کے گھر ان کا پرتپاک استقبال کیا گیا تھا۔ کچھ عرصے میں وہ سیٹل ہو گئی تھیں۔

"پتہ ہے پھوپھو! انڈین آرمی سے بچ کر جب

فرح ناز محمد رفیق

افسانہ

"پاکستان کا حق"

"اسلام وعلیکم سر!"

"جی بیٹھیں آپ کا سی۔ وی ہمیں مل گیا تھا ڈاکومنٹس کے مطابق آپ کشمیر سے بلونگ کرتے ہیں، شبیر صاحب۔"

"جی سر آئی ہیوڈن MBA ایٹ لمز ریسنٹلی۔"

"شہیر! آپ کا ریکارڈ اچھا ہے مگر آپ فی الحال جا سکتے ہیں ہم آپ کو ای میل کے تھرو انفارم کر دیں گے۔"

"اوکے سر تھینکس آج پھر وہ مایوس گھر لوٹا تھا۔



پاک آرمی کے کیمپ تک پہنچے تو بہت سکون ملا اور ایک تحفظ کا احساس ملا۔ حالانکہ مرد تو یہ بھی تھے مگر ان کے دلوں کا جذبہ ان کے چہرے سے عیاں تھا۔ ان کی آنکھوں میں ہمارے لیے ہوس نہیں فقط احترام تھا، بہت شوق تھا اپنی فوج کو دیکھنے کا، شکر ہے میرا یقین ان پر باقی رہا ان کا انچ ٹوٹا نہیں۔" شہ پارہ پھوپھو کا ہاتھ تھام کر کہہ رہی تھی۔

"ہاں بیٹا! ایک یہ سپاہی تو ہیں جو اس ملک کے ہر محاذ پر صدقِ دل سے ڈٹے ہوئے ہیں، بنا کسی غرض کے اچھا مجھے تم دونوں سے ایک بات کرنی ہے۔"

"جی پھوپھو! بولیں۔" گلائی نے انہیں محبت سے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

"تم جانتی ہو اظہر جاب کر رہا ہے۔ شہیر کو بھی کچھ دن میں جاب مل جائے گی۔ میری ایک بیٹی شادی ہو کر گئی تو اللہ نے تمہاری صورت مجھے دو دو بیٹیوں سے نوازا ہے۔ میں نے فیصلہ کیا ہے کہ گل تمہارا اظہر اور شہ پارہ کا شہیر سے نکاح کر دیا جائے۔ تم بتاؤ آخری فیصلہ تم دونوں کا ہوگا۔"

"پھوپھو! حسن لالہ نے آپ کو ہمارا سرپرست بنایا تھا، جو آپ کا فیصلہ وہ ہمیں منظور۔" گلائی نے ان کا مان بڑھا دیا تھا۔ کچھ دنوں میں شہیر بھی جاب کی خوش خبری کے ساتھ آیا تو تیاری ہونے کے سبب دونوں کی بارات رکھ دی گئی۔ آج وہ دونوں زرد جوڑے میں اپنوں کی یاد کے سنگ سوگوار حسن لیے بہت حسین لگ رہی تھیں۔ آج انہیں خوشی میں کسی ماتم کا گمان نہ تھا۔ تب ہی کچھ لوگوں کی باتیں ان سب کو متوجہ کر گئی تھیں۔

"ایسا بھی کیا خلوص ایک نہیں دو دو لڑکیاں بیاہ لیں ارے جانتے بھی ہیں کہ کہاں سے آئی ہیں، نہ جانے کس حال میں رہی ہیں اور کس نے کیا کیا ہوگا۔ لڑکی ذات ہے وہاں تو کسی کی عزت محفوظ نہیں کیا ضرورت تھی کسی کا بوجھ......"

"خاموش رہیں آپ سب، خبردار یہ دونوں بیوی اور بہن کی صورت میری عزت ہیں۔ مجھے نہیں ضرورت ان کے کردار کی گواہی کی، ان کا ہم سب میں بلند درجہ ہونے کو یہ بات ہی کافی ہے کہ یہ مجاہدین اسلام میں سے ہیں، جو پیدائش سے قبر تک اپنی زمین کا دفاع کرتے ہیں آپ کیا جانیں اپنے وطن کی خاطر لڑنا کسے کہتے ہیں۔ آزادی کیا شے ہے کیوں کہ آپ کو تو بنا بنایا ملک مل گیا، جسے بے دردی سے ہم نے زمینوں کی بنیاد پر بانٹ دیا۔ یہ کشمیری ہے اس کا سندھ میں کیا کام یہ کراچی سے ہے سرحد اور پنجاب کو علاقہ غیر سمجھے اور بلوچ کا بلوچستان سے ہونا سب سے بڑا جرم ہے۔ کہیں نوکری نہیں ملتی ٹھوکریں کھاتا پھرتا ہے۔ ارے ہم ان ہجرت کرنے والوں کو کیا اپنائیں گے ہم تو اپنے ملک والوں سے آپس میں نفرت کرتے ہیں۔ اپنی غلطی سے آدھا ملک کھو دیا۔ آپ کو ان کے کردار کی فکر ہے معاف کیجیے گا وہ تو پھر کافروں کے زیرِ تسلط ہیں ہم تو مسلمان ہیں مسلمان ملک میں ہماری بہن بیٹی کتنی محفوظ ہیں۔ یہ سب جانتے ہیں۔" اظہر نے شہیر کو خاموش کر دیا تھا اور گل، شہ پارہ کو پانی دیا تھا جن کی رونے سے حالت غیر ہو گئی تھی۔

"پھوپھو! حسن لالہ کہتے تھے جموں کشمیر سے پاکستان چلے جاؤ، وہاں سب اپنے ہیں۔ یقین کریں وہاں ظلم سہتے تھے تو اتنا یقین تو تھا کہ یہ غیر ہیں ہمارے اپنے تو اس پار ہیں اور ہماری جدوجہد آج بھی اپنے لیے نہیں پاکستان کے لیے ہے، ہم وہاں کشمیر کا نعرہ نہیں پاکستان کا جھنڈا لگاتے ہیں۔ ہم آج بھی وہاں پاکستانی کہلائے جانے پر مرتے ہیں۔ ہمیں یقین ہے لوگ یہاں ہماری راہ دیکھتے ہیں۔ خدارا اپنے بے حسی لیے رویوں سے ہمارا یقین متزلزل نہ کریں۔ یہ نہ بھولیں کہ پاکستان کا نام بھی کشمیر کے "ک" کے بنا ادھورا ہے۔" شہ پارہ کے آئینہ دار لفظوں میں بہت سے لوگوں کا اندرونی عکس واضح تھا۔ جو اتنا کالا تھا جسے دیکھ کر وہ شرمندہ تھے اور ہونا بھی چاہیے تھا کہ ہم تو اپنے ملک کو صاف ستھرا رکھنا پسند نہیں کرتے وہ تو اپنی دھرتی کو اپنے لہو سے نہلاتے ہیں۔ کیوں کہ ان کے دل صاف ہیں وہ دل جس کا ایک حصہ ہمارے ملک میں دھڑکتا ہے۔☆

نائلہ طارق

سلسلہ وار ناول

قسط نمبر 25

جو عشق میں بیتی وہ عشق ہی جانے

گھر میں داخل ہوتے ہی عروسہ کے چہرے سے انہیں اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ کس قدر عاجز آ چکی ہیں فون پر وہ انھیں بتا چکی تھیں کہ فاران کے کس طرح پریشان کیا ہوا ہے، لہٰذا عروسہ سے کوئی سوال کیے بغیر وہ



فاران کے پاس چلے گئے تھے، عروسہ ان کے پیچھے ہی آئی تھیں، فاران نے بس ایک نظر ان دونوں کو دیکھا تھا اور پھر دوبارہ آنکھوں پر بازو رکھ لیا تھا۔

''حد کر دی ہے آج اس نے، نہ اس نے صبح سے کچھ کھایا ہے اور نہ ہی ٹیبلیٹس لی ہیں، ایک ہی ضد باندھ کر بیٹھا ہے کہ باہر جانا ہے، کل اس کے پیر کا پلاسٹر اترا ہے۔ ہاتھ پر ابھی پلاسٹر چڑھا ہوا ہے۔ ایسے حال میں یہ گھر سے نکلنے کی ضد کر رہا ہے، اس لڑکے نے عاجز کر رکھا ہے مجھے۔'' عروسہ غصے میں شکایت کرتی فاران کو ہی دیکھ رہی تھیں جس نے دوبارہ آنکھوں سے ہاتھ نہیں ہٹایا تھا۔

''اسے آرام سے سمجھانا تھا، تم دیکھ رہی ہو کہ یہ مستقل کمرے میں بیڈ کا ہو کر رہ گیا ہے، چڑچڑا پن طبیعت میں آنا لازمی ہے، یہ بات تم سمجھنے کے بجائے اس پر گرم ہو رہی ہو، کیا خاک مانے گا وہ تمہاری بات۔'' فاروق ناگوار لہجے میں بولے تھے۔

''میں ہر طرح سے اسے سمجھا چکی ہوں۔ اب آپ اس سے پوچھیں یہ کیا چاہ رہا ہے، میں خاموش ہو



جاتی ہوں۔'' عروسہ بولیں تھیں۔

''فاران! مسئلہ کیا ہے، مجھ سے کہو، کھانا نہیں کھاؤ گے؟'' اس بار وہ نرم لہجے میں بیٹے سے مخاطب تھے۔

''ماں ماموں کو بلائیں، مجھے ان کے ساتھ جانا ہے میرا دم گھٹ رہا ہے یہاں۔'' آنکھیں بازو میں چھپائے بگڑے لہجے میں بولا تھا جب کہ فاروق کے چہرے کے تاثرات بدلے تھے۔

''ایکسیڈینٹ نے تمہارے دماغ پر اثر ڈالا ہے جو اسے یہاں بلانے کی بات کر رہے ہو، اس کا نام بھی زبان پر لایا تو زبان کاٹ دوں گی، نہ اس کو کوئی گاڑی کچلتی ہے نہ میرا عذاب ختم ہوتا ہے۔'' عروسہ شدید غصے میں بھڑکی تھیں۔

''خاموش رہو تم۔'' فاروق ضبط کرتے عروسہ پر گرم ہوئے تھے۔

''آج ان کے مرنے کا انتظار کر رہی ہیں کل میرے مرنے کی دعائیں مانگیں گی آپ۔'' فاران بگڑ کر اٹھ بیٹھا تھا۔

''ہوش میں رہ کر بات کرو، اپنی ماں پر چیخ رہے ہو تم۔'' فاروق نے غصیلی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

''مجھے ابھی آپو کے گھر جانا ہے ورنہ مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں۔'' ہٹ دھرمی سے بولتا وہ تکیے میں چہرہ چھپا گیا تھا، مگر اگلے ہی پل وہ تکلیف سے چیخا تھا، جھٹکا لگنے سے اس کے پلاسٹر شدہ بازو میں کرنٹ سا دوڑا تھا، عروسہ تڑپ کر اس کے قریب گئی تھیں۔

''کچھ دن کی بات اور ہے، ٹھیک ہو جاؤ گے تو جہاں چاہو چلے جانا۔'' اس کا سر کندھے سے لگائے وہ دلاسا دے رہی تھیں۔

''میں نے ماں ماموں کو فون کیا تھا مگر وہ بھی یہاں نہیں آسکتے، میں کیسے جاؤں، میں تو معذور ہو گیا ہوں بالکل۔'' وہ بچوں کی طرح آنسو بہا رہا تھا۔

''کیا اول فول بک رہے ہو۔'' فاروق کے تیور بگڑے تھے۔

''رونا بند کرو بے وقوفوں کی طرح، چلو میرے ساتھ، مگر رات تک واپس آنا ہے تمہیں۔'' ان کی تائید پر عروسہ نے شدید بے یقینی سے دیکھا تھا، ان کے تنے ہوئے تاثرات دیکھ کر عروسہ کو ہول اٹھے تھے۔

''مت سنیں اس کی بات، آپ اسے وہاں لے کر نہیں جائیں گے۔'' وہ بمشکل یہ بول سکی تھیں۔

''تمہاری اولاد نے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا ہے، اب سر ٹیکنے کی ہی کسر رہ گئی ہے۔'' ان کے بھڑکتے لہجے پر عروسہ نظر نہیں اٹھا سکی تھیں۔

''وہ ناسمجھ ہے، وہ کوئی موقع ضائع نہیں ہونے دے گا، تمہیں اس گھر کی دہلیز تک جانے پر مجبور کرنے کا، مگر تم جذبات میں آکر سب کچھ بھولنے کی غلطی مت کرنا۔'' بیلا کی بلند آواز میں وارننگ چھپی تھی۔

''اور اگر میں نے یہ غلطی کر لی تو کیا کرو گی تم؟'' عثمان کے بھی تیور بگڑے تھے۔

''تم یہ غلطی کر کے دیکھو اس کے بعد میری شکل دیکھنے کا حق بھی تمہیں نہیں ہو گا نہ میرا تمہارے اس گھر سے کوئی واسطہ رہے گا، اب تمہیں گھر کی جتنی چیزیں توڑنی ہوں شوق سے توڑو، ایک بار پھر سب کچھ تباہ کر دو، مجھے کوئی پروا نہیں ہو گی۔'' سرخ چہرے کے ساتھ بولتی وہ اگلے ہی پل کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔

''وہ رو رہا تھا بیلا! تم اس کے لیے اپنا دل سخت کر سکتی ہو مگر میں ایسا نہیں کر سکتا، میں اسے اس کے حال پر نہیں چھوڑ سکتا، میں نے اس سے کہا تھا کہ میں عارش کو بھیج رہا ہوں، وہ اس کے ساتھ یہاں آجائے مگر وہ

نہیں مان رہا، تم جانتی ہو کہ وہ اس وقت کس کنڈیشن میں ہے، اور مینٹلی کتنا ڈسٹرب ہے۔'' اس کے پیچھے ہی آتا وہ بگڑے لہجے میں بولا تھا۔

''تو پھر جاؤ اس دہلیز پر جہاں تمہارے لیے ذلت کے سوا کچھ نہیں ہے، دوبارہ ذلیل ہونے کے لیے تمہیں میری اجازت درکار نہیں ہے، اپنی بہن کے لیے جھک جاؤ اس شخص کے قدموں میں، یہاں سے مجھے بھی اپنا منہ کالا کر کے نکلنے میں دیر نہیں لگے گی، اس غلط فہمی میں مت رہنا کہ میں تمہاری محتاج ہوں۔'' وہ چیخ اٹھی تھی۔

''بار بار مجھے چھوڑ کر جانے کی بات کیوں کرتی ہو تم؟'' وہ دھاڑ اٹھا تھا۔

''اپنی بہن کے لیے نہیں، تمہارے لیے میرے گھر کا ہر فرد اس شخص کے سامنے جھکا تھا، میری بہن اذیت اٹھاتی رہی ہے تمہارے اور میرے لیے۔''

''ظاہر ہے اب بہن کے لیے ہی تڑپے گا تمہارا دل، میری محبت کا بھوت تو اتر چکا ہے تمہارے سر سے، مجھ میں اب رکھا ہی کیا ہے تمہارے لیے۔'' وہ بھڑک کر بولی تھی۔

''بکواس بند کرو ورنہ میں تھپڑ مار دوں گا تمہیں، آئندہ میرے سامنے اس گھر کو چھوڑ کر جانے کی بات کی تو گلا گھونٹ کر اسی گھر میں دفن کر دوں گا۔'' شدید اشتعال میں وہ بولا تھا جب کال بیل بجی تھی۔ بپھرے چہرے کے ساتھ وہ اس کے سامنے سے ہٹ گیا تھا اور وہ جو غصے کو ضبط کرنے کی کوشش کر رہی تھی، عثمان کے ساتھ آتے فاران کو دیکھتے ہی سب کچھ بھول کر اس کی جانب دوڑی تھی، اس کے گلے لگتے ہی وہ اپنے آنسو نہیں روک سکی تھی۔

''میں ٹھیک ہوں اب، آپ روئیں مت۔'' فاران اس کے آنسوؤں پر پریشان ہوا تھا۔

''کہاں ٹھیک ہو، اتنے کمزور ہو چکے ہو بائیک کا جنون نہیں ختم ہو گا تمہارا۔'' اپنے آنسو ضبط کرتی وہ اس پر برس گئی تھی۔

''تم کس کے ساتھ آئے ہو؟'' سہارا دے کر اسے صوفے پر بٹھاتے ہوئے عثمان نے پوچھا تھا۔

''پاپا چھوڑ کر گئے ہیں۔'' فاران کی اطلاع پر عثمان نے ایک سرد نگاہ بیلا پر ڈالی تھی، جو ایک پل کے لیے دنگ ہوئی تھی مگر اگلے ہی پل اس کا چہرہ ہر تاثر سے عاری سپاٹ ہو گیا تھا۔

☆......☆

انسٹی ٹیوٹ سے باہر آتے ہی وہ سامنے ہارون کو دیکھ کر حیران رہ گئی تھی۔

''میں وقت سے پہلے پہنچ گیا تھا، اس لیے ریسٹورینٹ میں انتظار کرنے کے بجائے واک کرتا ہوا یہاں تک آگیا۔'' اس کی آنکھوں میں حیرانی دیکھ کر وہ وضاحت کر گیا تھا جب کہ منیزہ ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اس کے ہم قدم ہو گئی تھی۔

''میرا یہاں تک آنا تمہاری محتاط طبیعت پر گراں تو نہیں گزرا؟'' اس کی خاموشی پر وہ بولا تھا۔

''بالکل نہیں، اب مجھے شرمندہ نہ کریں۔'' وہ جھینپ کر بولی تھی۔

''کل پہلی بار تمہاری کال ریسیو کرتے ہوئے بہت حیران ہوا تھا۔''

''ایک بار آپ نے مجھے لنچ پر بلایا تھا اور آج میں نے آپ کو انوائیٹ کر لیا، کیا اس میں بھی کوئی حیران ہونے والی بات نظر آئی ہے آپ کو؟'' منیزہ نے مسکراتے لہجے میں پوچھا تھا۔

"میں جھوٹ نہیں بولوں گا کہ میں واقعی حیران ہوں، دراصل تم سے پہلے کبھی کسی لڑکی نے مجھے لنچ پر انوائیٹ جو نہیں کیا۔" اس کے سنجیدہ سے لہجے پر وہ مسکرائی تھی پھر خاموشی کے درمیان ہی وہ دونوں ریسٹورینٹ میں اپنی مخصوص ٹیبل تک پہنچے تھے۔

"خرمن سے مجھے آپ کی طبیعت کی ناسازی کا معلوم ہوا تھا، اب آپ کیسے ہیں؟"

"تمہیں کیسا نظر آرہا ہوں؟" مسکراتی نظروں سے ہارون نے اس کے جاذبِ نظر نقوش کو دیکھا تھا۔

"اگر آپ مجھ سے اپنے بارے میں جاننا چاہتے ہیں تو سوچ لیں، میں بہت اچھی چہرہ شناس تو نہیں مگر مجھے آنکھیں پڑھنی آتی ہیں۔" اس کے خبردار کرنے والے انداز پر وہ کچھ حیران ہوا تھا۔

"ابھی تمہیں میری آنکھوں میں کیا ایسا نظر آرہا ہے، جسے تم پڑھ سکتی ہو؟" ہارون کے سوال پر اس نے گہری سانس لے کر اس کی سیاہ کشادہ آنکھوں کو بغور دیکھا تھا جن میں ہلکے سرخ ڈورے کھنچے ہوئے تھے۔ اس کی آنکھوں میں کوئی چمک نہیں تھی، اگر ہوتی تو اس کی آنکھیں مزید پرکشش لگ سکتی تھیں۔

"آپ کی آنکھیں آپ کے چہرے کی مسکراہٹ سے میچ نہیں کرتیں اور یہ میں پہلی بار نہیں دیکھ رہی۔" بولتے ہوئے منیزہ نے بغور اس کے بہت سنجیدہ ہوتے تاثرات کو دیکھا تھا۔

"آپ کی آنکھوں میں جو اداسی میں نے دیکھی ہے وہ کبھی میں نے کسی کی آنکھوں میں نہیں دیکھی، کچھ دنوں سے میں ریڈیو پر آپ کے شوز سن رہی ہوں، اپنے شوز میں جو ٹاپک آپ رکھتے ہیں، جن ٹاپکس پر آپ لسنرز سے بات کرتے ہیں اپنی رائے دیتے ہیں وہ سارے ٹاپکس بہت سنجیدہ نوعیت کے اور حساس ہوتے ہیں، آپ کی باتوں میں امید تو ہوتی ہے مگر زندہ دلی ڈھونڈے سے نہیں ملی مجھے۔" ساکت نظروں سے وہ اسے دیکھ رہا تھا جو اسے اس کے بارے میں بتا رہی تھی۔

"ہماری زندگی میں بہت سے حالات واقعات رونما ہوتے ہیں، بے شمار باتیں ایسی ہوتی ہیں جو ہم صرف اپنے تک محدود رکھنا چاہتے ہیں ان کو دل میں چھپا کر رکھتے ہیں، مگر ہم خود کو ہر انسان سے نہیں چھپا سکتے۔ کبھی کبھی یہ ہماری خواہش بھی ہوتی ہے کہ کوئی تو ایسا ہو جس کے سامنے دل کھول کر رکھ دیا جائے۔ جس پر اتنا اعتماد ہو کہ اس سے کچھ چھپانے کی ضرورت ہی نہ ہو۔ آپ میری بات سے متفق ہیں یا نہیں؟" منزہ کے اچانک سوال پر ہارون نے اسے دیکھا تھا۔

"تم لنچ میں کیا لو گی؟" سوال نظر انداز کیے وہ پوچھ رہا تھا۔

"جو آپ کی پسند ہو۔" اتنا بول کر وہ خاموش ہوگئی تھی۔ خاموشی سے کھانے کے دوران ہارون نے اسے دیکھا تھا جو کھانے پر توجہ کم دیتی بے دلی سے اردگرد کا جائزہ لے رہی تھی۔

"خرمن کے گھر میں تم سے سامنا ہونے سے پہلے میں تہیہ کرچکا تھا کہ تم سے جو سرسری تعلق ہے مجھے وہ بھی ختم کردینا ہے۔" اس کی جانب دیکھے بغیر وہ بولا تھا۔

"مگر کیوں؟" وہ دنگ نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"کیوں کہ مجھے یاد آگیا تھا کہ میں کتنا برا انسان ہوں۔ کتنی ملامت کے قابل، گناہوں کی دلدل میں اترا ہوا ہوں۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ میں جو اپنی ہی نظروں میں ایک عرصہ پہلے سے گرا ہوا ہوں تمہاری نظروں سے بھی گردوں۔ ایسا کوئی موقع آئے۔ شاید میں اتنا مضبوط نہیں رہا ہوں کہ کسی کی نفرت کو سہہ سکوں۔ کسی کی

زندگی کو جہنم بنا کر، کسی کو زندہ درگور کرنے جیسے گناہ کرنے کے بعد کوئی کس طرح اپنے لیے عزت سمیٹ سکتا ہے۔" رک رک کر بولتے ہوئے ہارون کا چہرہ سرخ ہوا تھا۔

"ہارون! اللہ نے آپ کو بہت عزت دی ہے۔ آپ کی آواز سننے والے آپ سے ملنے کے لیے ترستے ہیں۔ آپ جس مقام پر ہیں۔"

"یہ سب اس وقت میرے لیے عذاب بن جاتا ہے جب میں پیچھے پلٹ کر دیکھتا ہوں۔" اس کی بات کا شارہ مضطرب ہوا تھا۔

"میرا خیال ہے ہمیں اس بارے میں مزید کوئی بات کرنے کی ضرورت نہیں۔"

"ٹھیک ہے مگر کیا آپ مجھے یہ بتائیں گے کہ مجھ سے تعلق ختم کرنے کے ارادے پر آپ نے عمل کیوں نہیں کیا؟" اس کے سوال پر وہ چند لمحوں کے لیے خاموش رہا تھا۔

"ضروری نہیں کہ آپ میرے سوال کا جواب دیں۔ کبھی کبھی جواب مانگنے کی ضرورت بھی نہیں رہ جاتی۔ خاموشی کافی ہوتی ہے۔" نظر جھکائے وہ مدھم لہجے میں بولی تھی۔ ہارون کے لیے مشکل ہو رہا تھا اس کے چہرے سے نگاہ ہٹانا۔

"میں یہ کہنا چاہتی ہوں کہ آپ مجھ پر اعتماد کرسکتے ہیں۔ یہ میری خوش قسمتی ہوگی اگر میں کبھی آپ کے دل میں جھانک سکوں۔" چند لمحوں کی خاموشی کے بعد وہ بولی تھی۔

"اس کے بعد مجھے یقین ہے کہ میری نظروں میں آپ کا جو مقام ہے وہ مزید بلند ہوجائے گا۔"

"تم نے جو کہا، مجھے اس پر اعتبار ہے۔ تم سے پہلے کبھی کسی نے میرے اردگرد موجود خول کے قریب آنے کی کوشش نہیں کی۔ مجھے کچھ وقت دو۔ میں بھی اپنے خول سے باہر نکلنے کی کوشش کروں گا مگر صرف تمہارے لیے۔" اس کے گھمبیر سنجیدہ لہجے پر وہ خاموش رہی تھی مگر اس کا دل ہواؤں میں اڑ رہا تھا۔ سامنے بیٹھا یہ سات پردوں میں چھپا شخص اس قابل تھا کہ اس کی توجہ کا مرکز بننا کسی فخر سے کسی صورت کم نہ تھا۔

☆......☆

ہلکے گلابی رنگ کے چوڑی دار پائجامے اور ہم رنگ شرٹ جس کے گلے اور ہاف سلیوں پر گہرے گلابی ریشمی دھاگوں کی ایمبرائیڈری بہت سج رہی تھی۔ زیب تن کیے وہ ڈریسنگ کے سامنے کھڑی بالوں میں برش پھیر رہی تھی۔ ہاتھوں کی حرکت سے اس کی دونوں کلائیوں میں بھری بھری سرخ جھلمل کرتی چوڑیوں کی کھنک کمرے کی خاموشی میں جلترنگ کررہی تھی۔ کچھ چونک کر ہیئر برش ڈریسنگ ٹیبل پر رکھتی وہ اپنے عکس کو چند لمحوں تک جانچتی نظروں سے دیکھتی رہی تھی اور پھر کھلے بال سمیٹ کر دائیں شانے پر ڈالتی کمرے سے نکلی تھی۔ لاؤنج میں اس وقت وہ ٹی وی پر نظریں جمائے ہوئے تھا۔ جب اس کے نازک پیروں کی آہٹ نے اپنی طرف متوجہ کیا تھا۔

"عارش! کیا تمہیں یہ محسوس نہیں ہوا کہ میں دن بدن خوب صورت ہوتی جارہی ہوں؟" اس کے خوش باش لہجے پر عارش نے حیرت سے اس کے جگمگاتے چہرے کو دیکھا تھا اور اگلے ہی پل وہ اپنی ہنسی نہیں روک سکا تھا۔ جب کہ خرمن کے چہرے کے تاثرات بدل گئے تھے۔ ناگوار نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے وہ ٹیبل پر پڑا میگزین اٹھاتی دوسرے صوفے پر جا بیٹھی تھی۔ دوسری جانب بمشکل سنجیدہ ہونے کے بعد اب عارش کا کچھ کہنا مزید اس کی تیوریوں کو چڑھا سکتا تھا۔ وہ جانتا تھا مگر اس کی جانب دیکھتے رہنے سے خود کو روک نہیں

سکا تھا جو میگزین کے ورق پلٹتی بالکل لاتعلق تھی۔ یہ سچ تھا کہ اس کے چہرے اور اس کے مزاج میں ہونے والی تبدیلیوں پر وہ پہلے ہی چونک چکا تھا۔ خرمن کے لہجے میں وہ اپنے لیے جو نرمی اور لگاؤ وہ اب محسوس کر رہا تھا۔ پہلے یہ کبھی محسوس نہیں ہوا تھا۔ ظاہری طور پر بھی وہ نکھرتی جا رہی تھی۔ اس وقت بھی اس کے نازک وجود سے روشنیاں جیسے پھوٹی پڑ رہی تھیں۔ ایک نور سا اس کے چہرے کے گرد ہمہ وقت وہ دیکھ رہا تھا۔ شاید ان مراحل کا اثر تھا جن میں وہ داخل ہو گئی تھی۔ اپنے وجود میں جاگتی ایک اور زندگی کی انوکھی خوشی اور پاکیزگی نے اسے سرتاپا اپنے حصار میں لے رکھا تھا۔ پیشانی پر دمکتے ماہ نیم کی خیرہ کن دمک میں اضافہ اس وقت واضح طور پر دکھائی دیتا ایمان کو ڈانوا ڈول کر رہا تھا۔

''تم وہاں کیوں بیٹھی ہو؟ یہاں میرے قریب آ کر بیٹھو۔'' عارش کی آواز پر اس نے میگزین سے نظر ہٹائی تھی۔

''میلوں دور نہیں بیٹھی۔ جو کہنا ہے وہیں سے کہہ دو۔'' اس کی پر شوخ نگاہوں پر وہ نخوت سے بولی تھی۔

''ٹھیک ہے پھر سنو! آج ماما نے دوبارہ مجھے کال کی تھی۔'' اس کے جتانے والے انداز پر خرمن کے کانوں میں خطرے کی گھنٹیاں بجی تھیں۔ پریشان چہرے کے ساتھ وہ جھٹ اس کے قریب آ بیٹھی تھی۔

''عارش! تم امی کو سمجھاؤ۔ میں ابھی ریڈیو سے الگ نہیں ہو سکتی۔ میں نے وہاں اپنی ایک جگہ بنالی ہے ابھی اتنی جلدی گھر میں بیٹھ کر میں کیا کروں گی۔ میں ان کی تمام ہدایتوں پر عمل کر رہی ہوں پھر کیوں وہ میرے ریڈیو تک جانے کے خلاف ہو رہی ہیں۔ صرف ہفتے میں تین دن تو شوز ہوتے ہیں میرے۔''

''خرمن! تم جانتی ہو کہ تم سے دور ہونے کے باعث وہ حد سے زیادہ فکر مند ہیں تمہارے لیے۔ وہ تمہارے آرام اور تمہاری صحت کی وجہ سے بار بار تمہیں ریڈیو نہ جانے کی تاکید کر رہی ہیں۔ اب میں ان سے یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ وہ تمہارے معاملات میں مداخلت نہ کریں۔'' عارش نے کافی سنجیدگی سے اسے دیکھا تھا۔

''میں بھی یہ کب کہہ رہی ہوں۔ میں بس ابھی ریڈیو سے آف نہیں لینا چاہتی۔ کچھ عرصے کے بعد میں خود آف لے لوں گی مگر اتنی جلدی نہیں۔ تم امی کو راضی کر سکتے ہو۔ اب اس معاملے میں بابا سے تو میں کوئی مدد نہیں لے سکتی۔'' وہ التجائی لہجے میں بولی تھی عارش بس اسے دیکھ کر رہ گیا تھا۔

''اگر تم نے امی کی باتوں میں آ کر مجھے فورس کیا تو اچھا نہیں ہوگا۔'' وہ وارن کر رہی تھی۔

''کیا اچھا نہیں ہوگا؟'' عارش کے چونکنے پر خرمن نے بے ساختہ ہنستے ہوئے اس کے چہرے کو چھوا تھا۔ تب ہی کال بیل چنگھاڑی تھی۔

''کبھی کبھی تو تمہیں مجھ پر پیار آتا ہے۔ اس میں بھی ظالم سماج رکاوٹ ڈالنے آ جاتا ہے۔'' جھلائے انداز میں بولتا وہ صوفے سے اٹھ گیا تھا جب کہ خرمن مسکراتے ہوئے دوپٹہ چہرے کے گرد لپیٹنے لگی تھی۔

''تم یہاں کیسے نظر آ رہے ہو۔ ریڈیو نہیں گئے آج؟'' عارش کے ہمراہ آتے عثمان سے وہ پوچھ رہی تھی۔

''تمہیں بھی میری موجودگی برداشت نہیں ہو رہی تو چلا جاتا ہوں۔'' ناگواری سے بولتا وہ کچھ فاصلے پر براجمان ہوا تھا۔ لہٰذا عارش کو دوسرے صوفے تک جانا پڑا تھا۔

''بیلا کو بھی ساتھ لے آتے۔ میرا کافی پینے کا موڈ ہو رہا تھا۔'' عارش نے کہا تھا۔

''وہ میری شکل تک دیکھنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ کیا خاک میرے ساتھ آتی۔'' وہ ناگواری سے ہی بولا تھا۔

''اسے گلا گھونٹ کر دفن کرنے کی دھمکیاں دو گے تو ساری زندگی شکل نہیں دیکھے گی۔'' خرمن نے جھڑکا تھا۔

''تمہیں سب پتہ چل جاتا ہے۔ میری ہر بات تم اس سے اگلوا لیتی ہو۔'' وہ جس طرح جل کر بولا تھا۔ خرمن بے ساختہ ہنسی تھی۔

''تمہارا دماغ خراب ہوا تھا جو اس قسم کی فضول دھمکیاں تم نے بیلا کو دی ہیں۔ مجھے تو ابھی معلوم ہوا ہے۔'' عارش کے ناگوار لہجے پر وہ بس سر جھٹک کر رہ گیا تھا۔

''بربان بھائی سے بات ہوئی تمہارے ابا حضور راضی ہونے میں کتنا وقت لیں گے، پوچھنا تھا۔'' خرمن نے کہا تھا۔

''میرے بچوں کے گرینڈ فادر بن کر ہی راضی ہوں گے۔ مجھ سے ایسے پوچھ رہی ہو جیسے تمہیں تو کچھ پتہ ہی نہیں ہے۔'' عثمان کے جلے کٹے انداز پر وہ پھر ہنسی تھی۔

''بیلا سے جھگڑا ہوا ہے تو اس کا غصہ میری بیوی پر مت نکالو۔ ابھی وہ کچھ کہہ دے گی تو تمہیں برا لگ جائے گا۔'' عارش نے خشمگین نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

''استانی! ایک بات کی تمہیں داد دینی پڑے گی۔'' عارش سے کچھ کہنے کے بجائے وہ خرمن سے مخاطب ہوا تھا۔

''عارش کی پرورش کے ساتھ تم نے اس کا برین واش کرنے کی ذمہ داری بھی خوب نبھائی ہے۔'' اس کے توصیفی لہجے پر خرمن کی مسکراہٹ غائب ہوئی تھی، جب کہ وہ عارش کے پھینکے گئے کشن سے چہرہ بچاتا بے ساختہ ہنسنا شروع ہو چکا تھا۔ خرمن ضرور اسے آڑے ہاتھوں لیتی اگر کال بیل نہ گونجتی۔ دروازہ کھولتے ہوئے عارش نے حیرت سے اسے دیکھا تھا جو تھرماس پکڑے اندر آ گئی تھی۔

''تمہارا مانی سے جھگڑا نہیں ہوا؟ اس کی باتوں سے تو یہی لگ رہا تھا۔'' وہ مسکراتے ہوئے لاؤنج کی طرف آئی تھی۔

''اس تھرماس میں یقیناً کافی ہے۔ یہ مجھے دو اور فنا فٹنگ لے آؤ۔'' عارش نے تھرماس بیلا سے لیا تھا۔

''مانی! تم ٹیبلٹس کھائے بغیر یہاں چلے آئے؟'' بیلا نے رک کر اسے دیکھا تھا۔

''ایک ہی بار کھلا دے اسے فنائل کی گولیاں۔'' خرمن پہلے ہی جلی بیٹھی تھی۔

''عارش کو کھلا دو درجن بھر، میں لے آتا ہوں۔'' عثمان بولا تھا۔

''گھوم پھر کر تم لوگ میری طرف ہی کیوں آ جاتے ہو؟'' عارش کے دنگ لہجے پر بیلا کھلکھلائی تھی۔

''میں پانی لے کر آتی ہوں تم اب کھا ہی لو ٹیبلٹس۔'' بیلا ہنسی کے درمیان بولی تھی۔

''بات سنو!'' عثمان کی پکار پر وہ رکی تھی۔

''دنیا میری اور تمہاری محبت دیکھ کر جل جل کر کوئلہ ہوتی رہے مگر میں تم پر مرنا نہیں چھوڑوں گا۔'' عثمان کا طب تو بیلا سے تھا مگر خرمن کے تیوریاں چڑھ گئی تھیں۔

''تم بھی ہے۔'' بیلا بری طرح جھینپ کر جس طرح بولتی گئی تھی۔ عارش بے ساختہ ہنسا تھا۔

''چار لوگوں کے سامنے ذرا شرم و حیا یاد رکھ لینی چاہیے۔'' خرمن نے جتایا تھا۔

''شرم و حیا کے سبق مجھے نہیں عارش کو پڑھاؤ۔'' عثمان فوراً بولا تھا۔

''اسے ضرورت نہیں ہے۔ شرم وحیا عارش پر ختم ہے۔'' وہ نخوت سے بولی تھی۔
''شرم وحیا عارش پر ختم نہیں ہے۔ اس تک پہنچتے پہنچتے ختم ہوجاتی ہے۔ ابھی تمہیں سناؤں اس کے پرانے قصے۔'' عثمان کلس کر بولا تھا۔ جب کہ عارش تو حق دق رہ گیا تھا۔
''عارش! یہ کیا کہہ رہا ہے؟'' خرمن کے تیور بگڑے تھے۔
''تم ہر بار اس کی بکواس پر یقین مت کرلیا کرو۔ اس کی ہر واہیات بات شروع ہو کر مجھ پر ختم ہوتی ہے۔'' عارش کے خفت سے بگڑنے پر خرمن نے مسکراہٹ چھپاتے ہوئے عثمان کو ایک تھپڑ رسید کیا تھا۔ جو کشن چہرے سے لگائے اپنی ہنسی روک رہا تھا۔

☆......☆

بہت خوب صورت منظر کے درمیان وہ خود کو دیکھ رہی تھیں۔ کھلے آسمان تلے حدِ نگاہ تک سبز مخملی گھاس بچھی ہوئی تھی۔ بے تحاشہ خوش رنگ پھولوں کے کنج کے کنج پھیلے ہوئے تھے۔ یہ جگہ جنت جیسی تھی مگر وہ وہاں تنہا نہیں تھیں۔ دور سے سفید لباس میں ملبوس انسان انہیں اپنی طرف آتے دکھائی دے رہے تھے۔ وہ ایک مرد اور عورت تھے۔ ان دونوں نے ایک دوسرے کا ہاتھ تھاما ہوا تھا۔ جیسے جیسے وہ دونوں ان کے نزدیک آرہے تھے۔ ان کا دل خوشی سے لبریز ہوتا جارہا تھا۔ ان دونوں کے واضح ہوتے چہروں نے ان کے دل کو عجیب سا سکون اور طمانیت بخشی تھی۔
گہری نیند سے اچانک ہی وہ بیدار ہوئی تھیں۔ فجر کی اذانوں کی آوازیں سنتے ہوئے ان کے دل کی طمانیت مزید بڑھ گئی تھی۔ وہ بہت ہلکا پھلکا خود کو محسوس کررہی تھیں۔ جانے کتنے عرصے بعد انہوں نے بہت پرسکون دل و دماغ کے ساتھ نماز کی ادائیگی کی تھی۔
شبنم میں بھیگی گھاس پر چہل قدمی کرتے ہوئے وہ پرندوں کی چہچہاہٹوں کو بغور سن رہی تھیں جب کال بیل گونجی تھی۔
گیٹ کھولتے ہی انہوں نے خوش گوار حیرت کے ساتھ عارش کے سلام کا جواب دیا تھا۔
''تم یقین کرو گے اس وقت میں تمہارے اور خرمن کے بارے میں ہی سوچ رہی تھی۔'' ان کے پرمسرت لہجے پر عارش حیرت سے انہیں دیکھتا مسکرایا تھا۔
''پھر تو میں بہت اچھے موقع پر آیا ہوں۔ ورنہ میں تو یہی سوچ رہا تھا کہ کہیں اتنی صبح میں آپ سب کو ڈسٹرب تو نہیں کررہا۔''
''بالکل نہیں، میں تمہیں دیکھ کر بہت خوش ہوئی ہوں۔ باقی سب بھی جاگنے والے ہیں۔ اگر تمہیں اعتراض نہ ہو تو میرے ساتھ کچن میں ہی آجاؤ۔''
''اگر مجھے آپ اچھی سی چائے بنا کر دیں گی تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔'' اس کے فوراً ہی کہنے پر وہ ڈھیرے سے ہنسی تھیں۔
''صرف چائے نہیں ناشتہ بھی ملے گا، خرمن کو معلوم ہے کہ تم یہاں ہو؟''
''نہیں اسے بس یہ معلوم ہے کہ میں مارننگ واک کے لیے نکلا ہوں۔'' ان کے ہمراہ گھر کے اندر جاتا وہ بتا رہا تھا۔
کچن میں داخل ہوتے ہوئے ہارون نے حیرت سے ہشام قزلباش کے سامنے بیٹھے عارش کو دیکھا تھا

جب کہ صبیحہ ناشتہ بنانے میں مصروف تھیں۔
''بیٹھو، بیٹھو، اتنا فارمل نہ ہوا کرو۔'' اس کی آمد پر عارش اپنی جگہ سے اٹھ رہا تھا۔ جب ہارون نے فوراً ہی اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر روکا تھا۔
''اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تم آئے ہوئے ہو تو میری صبح اتنی دیر سے نہیں ہوتی۔''
''چھٹی کا دن ہونے کی وجہ سے آپ اپنی جگہ درست ہیں۔ بس میری صبح کچھ زیادہ جلدی ہوگئی تھی۔'' عارش نے کہا تھا۔
''خرمن خیریت سے ہے؟'' ہارون نے پوچھا تھا۔
''جی ہاں! آپ سے تو کل ملاقات ہوئی ہوگی ریڈیو اسٹیشن پر؟''
''ہاں، کل میں نے وہیں آدھا ویک اینڈ شو اسٹوڈیو کے باہر سنا تھا۔ تمہاری بیگم صاحبہ کے لیے بریانی اور کولڈ ڈرنک کا انتظام کیا ہے تو جانے کی اجازت ملی تھی ریڈیو سے۔'' وہ مسکراتے ہوئے بتا رہا تھا۔
''مجھے یقین ہے کہ مانی نے اسے اکسایا ہوگا۔ ورنہ وہ تو میری جیب پر بھی ظلم نہیں کرسکتی۔'' عارش نے کہا تھا۔
''چلو کسی کے لیے تو ہارون کی جیب سے روپے نکلے۔ ورنہ یہ تو اپنی ذات پر بھی بہت سوچ کر رقم خرچ کرتا ہے۔'' اخبار پر نظر ڈالتے ہشام قزلباش بولے تھے۔
''پاپا! اب آپ مجھے عارش کے سامنے کنجوس ثابت نہ کریں۔ آپ جانتے ہیں کہ میں کبھی فضول خرچ نہیں رہا۔'' ہارون کچھ شرمندہ ہو کر بولا تھا۔
''تم ان کی بات مت سنو، یہ تو مجھے پتہ ہے کہ تم فضول خرچ نہیں۔'' ناشتے کے لوازمات ٹیبل پر لگاتیں صبیحہ بولی تھیں۔
''عارش! ہارون صرف خود پر رقم خرچ کرنے سے گریز کرتا ہے مگر ایک پر یہ بے تحاشہ اور بے جا خرچ کرتا ہے۔ ایک کو بگاڑنے میں ہارون نے کوئی کمی نہیں رکھی۔'' صبیحہ مسکراتے ہوئے بتا رہی تھیں۔
''وہ ابھی چھوٹا ہے اور آپ جانتی ہیں کہ میں اس کی کوئی ضد ٹال نہیں سکتا۔'' ہارون نے کہا تھا۔
''مگر تم اس کی ایک ضد بالکل نہیں مان رہے۔'' ہشام قزلباش کے مسکراتے لہجے پر وہ ان کو دیکھ کر رہ گیا تھا۔
''ایسی کون سی ضد ہے ایک کی جو آپ نہیں پوری کررہے؟'' عارش نے حیرانی سے پوچھا تھا۔
''وہ چاہتا ہے کہ گھر میں اس کی ایک بھابھی آجائے مگر یہ راضی نہیں ہوتا۔'' صبیحہ نے مسکراتی نظروں سے ہارون کے جھینپے تاثرات کو دیکھا تھا۔
''میں خرمن سے کہوں گی کہ وہ ہارون کے لیے اچھی سی دلہن ڈھونڈے، شاید خرمن کی بات ہی مان لے۔'' صبیحہ مزید بولی تھیں۔
''وہ تو چٹکیوں میں یہ کام کردے گی۔ میں خود اس سے کہوں گا۔ وہ ہارون کو راضی بھی کرلے گی۔'' شرارتی نظروں سے ہارون کو دیکھتا وہ صبیحہ سے بولا تھا۔
''ایسا غضب مت کرنا ورنہ ریڈیو پر وہ عثمان کے ساتھ مل کر میرا ریکارڈ لگوا دے گی۔'' ہارون نے ہنستے ہوئے کہا تھا۔

''عارش! تمہاری طرح تمہاری بیوی کی پیدائش بھی پنجاب کی ہے؟'' ناشتے کے دوران ہشام قزلباش کے اچانک سوال پر وہ چونکا تھا۔

''جی ہاں! مگر وہ بہت چھوٹی تھی جب وہ اس شہر میں آئی تھی میری اسکولنگ پنجاب میں ہی مکمل ہوئی اور جب امی بھی نہ رہیں تو مجھے بھی پنجاب چھوڑ کر یہاں آنا پڑا تھا۔ آپ نے پنجاب کیوں چھوڑ دیا؟ صرف اپنے بزنس کے لیے یا کوئی اور خاص وجہ؟'' جواب دے کر عارش نے سوال بھی کرلیا تھا۔

''عارش! بہت کم عمری میں تمہارے ماں باپ گزر گئے تھے۔ پنجاب سے یہاں تم کس کے پاس رہتے تھے؟'' صبیحہ پوچھ رہی تھیں۔

''اب تو پنجاب سے کافی ریلیٹوز یہاں آکر سکونت اختیار کرچکے ہیں مگر اس وقت میں اپنے ماموں جان کے ساتھ یہاں آگیا تھا اور پھر ان کے ساتھ ان کی سرپرستی میں ہی رہا۔'' عارش نے سنجیدگی سے بتایا تھا۔

''مگر ماں باپ کی کمی تو محسوس ہوتی ہوگی؟'' صبیحہ نے ترحم آمیز نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

''میرے ماں باپ کی اہمیت تو اپنی جگہ ہے۔ مجھے واقعی یہاں آکر بھی ان کی بہت زیادہ محسوس ہوتی تھی۔ یہ ایک فطری سی بات ہے مگر یہاں ماموں جان اور مامی نے اتنی محبتیں دیں ہیں کہ کوئی محرومی میری زندگی میں نہیں رہی ہے۔'' وہ بولا تھا۔

''مگر تمہارے ماموں، مامی کے بھی تو بچے ہوں گے۔ ان کا سلوک تو تمہارے ساتھ اچھا رہا تھا یا نہیں؟'' صبیحہ کی تشویش بھری نظروں پر عارش بمشکل مسکراہٹ چھپا سکا تھا۔

''جی ہاں! ان کی ایک بیٹی اس وقت تھی جس کا سلوک بالکل بھی میرے ساتھ اچھا نہیں تھا۔ جب میں یہاں آیا تھا۔'' اس کے سب انتہا سنجیدہ لہجے پر ہارون نے مسکراتی نظروں سے ہشام قزلباش کو دیکھا تھا جو بغور اس گفتگو کو سن رہے تھے۔

''تمہارے ماموں اور مامی اسے سمجھاتے نہیں تھے۔ تمہیں اس وقت ہمدردی کی ضرورت ہوگی اسے تمہارے ساتھ اچھا سلوک رکھنا چاہیے تھا۔'' صبیحہ بہت افسوس کے ساتھ بولی تھیں۔

''ماموں جان اور مامی اسے بہت سمجھاتے تھے مگر وہ کچھ سمجھنے کے لیے تیار نہیں ہوتی تھی۔ وہ بہت اکھڑ مزاج کی تھی۔ دن بدن میرے ساتھ اس کا سلوک برا ہوتا جارہا تھا۔'' وہ کچھ تاسف سے بولتا خاموش ہوگیا تھا اور چائے کے سپ لینے لگا تھا مگر صبیحہ فکرمند نظروں سے اسے دیکھتیں مزید اس کی تکلیف دہ آپ بیتی سننا چاہتی تھیں۔

''خاموش مت رہو عارش! تم پر جو گزری ہے ماما کو بھی بتاؤ پھر آگے کیا ہوا تمہارے ساتھ؟'' مسکراہٹ چھپائے ہارون نے ہمدردی بھرے لہجے میں کہا تھا۔

''پھر یہ ہوا کہ......'' عارش نے مسکراتی نظروں سے صبیحہ کو دیکھا تھا۔

''اپنے ماموں کی بیٹی کو خود مجھے سمجھانا پڑا اور اب وہ میری بیوی ہے۔'' مسکراتے ہوئے اس نے بات مکمل کی تھی اور صبیحہ جو کچھ اور ہی سننے کی منتظر تھیں بری طرح چونک اٹھی تھیں۔

''آپ عارش سے کون سی ظلم وستم سے بھری غمگین داستان سننا چاہ رہی تھیں۔ کیا یہ ضروری ہے کہ جن بچوں کے ماں باپ ان کے سر پر نہ رہیں وہ ہمیشہ ظلم کا ہی نشانہ بنیں؟'' ہشام قزلباش نے مسکراتے ہوئے ان سے پوچھا تھا۔

''اب مجھے کیا خبر تھی۔ یہ اتنی سنجیدگی سے تو بتا رہا تھا۔'' صبیحہ شرمندہ سی ہوئی تھیں۔

''معاف کیجیے گا۔ آپ جس طرح مجھ سے سوال کررہی تھیں مجھے بہت اچھا لگ رہا تھا۔ کیوں کہ پہلی بار کسی نے مجھ سے اتنی ہمدردی کا اظہار کیا ہے۔'' عارش نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

''ماما! آپ کو معلوم بھی ہے کہ خرمن اس کی ماموں زاد ہے۔'' ہارون نے یاد دلایا تھا۔

''مگر مجھے یہ بھی معلوم تھا کہ اس کے صرف ایک ماموں نہیں ہیں۔ مجھے اندازہ نہیں ہوا کہ یہ خرمن کے والدین کی بات کررہا ہے۔'' وہ جھینپ کر بولی تھیں۔

''اب تو معلوم ہوگیا آپ کو کہ خرمن مجھے شادی سے بھی بہت پہلے سے برداشت کررہی ہے۔'' عارش نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

''عارش! اس وقت تو تم تنہا ہی آئے ہو اگر ممکن ہو تو رات کا کھانا تم اپنی بیوی کے ساتھ ہماری طرف ہی کھاؤ۔'' ہشام قزلباش بولے تھے۔

''ہاں عارش! آج تو میں نے مارننگ شو مس کردیا ہے مگر رات میں بھی میرا شو نہیں ہوگا۔ میں بھی چاہتا ہوں تم خرمن کے ساتھ آجاؤ۔'' ہارون نے بھی تائید کی تھی۔

''میں ضرور آتا اگر خرمن نے پہلے ہی اپنے گھر جانے کا پروگرام نہ بنالیا ہوتا۔ یعنی اس گھر میں جہاں ہم ماموں جان اور مامی کے ساتھ رہتے آئے ہیں مگر آج کے علاوہ کسی دوسرے دن میں ضرور خرمن کے ساتھ آؤں گا۔''

''ٹھیک ہے پھر زیادہ انتظار نہ کروانا۔'' صبیحہ کی تاکید پر اثبات میں سر ہلاتا ایبک کی طرف متوجہ ہوا تھا، جو کچن میں عارش کی موجودگی پر بھونچکا رہ گیا تھا۔

''آپ آئے ہوئے ہیں اور مجھے کسی نے جگایا بھی نہیں۔'' وہ شکایتی لہجے میں بولا تھا۔

''اس لیے کہ ہم سب عارش کے ساتھ سکون سے ناشتا کرنا چاہتے تھے۔'' ہارون نے کہا تھا۔

''آپ عارش کے سامنے مجھ پر حملے مت کیا کریں بھائی۔'' کرسی پر بیٹھتا وہ شدید ناراضی سے بولا تھا۔

''کوئی بات نہیں۔ اب تم بھڑکنا نہیں۔ ناشتہ شروع کرو۔'' عارش نے مسکراتے ہوئے اسے ٹھنڈا کیا تھا جو خفت سے ہارون کو دیکھ رہا تھا۔

☆......☆

آج صبح سے ہی طبیعت کافی بوجھل ہورہی تھی۔ بیزاری سے گھر کے کچھ کام نمٹا کر وہ لیٹ گئی تھی۔ بیلا کی طرف جانا بیکار تھا۔ کیوں کہ اس کے یہ پارلر میں مصروفیت کے اوقات تھے۔ اس کے ہاتھوں میں واقعی جادو تھا۔ اسی لیے تو دوپہر سے شام تک کلائنٹس کھنچی چلی آتی تھیں۔ وہ فاطمہ کو کال کرنے کا ارادہ کررہی تھی کہ اس سے پہلے ہی ایک کال آگئی تھی۔ دوسری جانب سے ابھرتی آواز اس کے لیے بالکل غیر متوقع تھی۔

''کل سے میں تمہیں یاد کررہی ہوں۔ ابھی ایبک نے کہا کہ تمہیں فون کرلوں مگر میں یہ بھی سوچ رہی تھی کہ تم مصروف نہ ہو۔'' صبیحہ اپنے مخصوص نرم لہجے میں بولی تھیں۔

''نہیں میں تو بس فارغ بیٹھی بور ہورہی تھی۔ آپ نے بہت اچھا کیا فون کرکے۔ بہت شکریہ کہ آپ نے مجھے یاد کیا۔''

"شکریہ کی کوئی ضرورت نہیں۔" میں تمہارے شو کی کالر نہیں ہوں جو تم اتنا تکلف رکھ کر بات کر رہی ہو۔" ان کے ناراضی سے لہجے پر وہ دھیرے سے ہنسی تھی۔

"اچھا آپ بتائیں اب تک کیا کر رہی تھیں۔ میری طرح فارغ تو نہیں ہوں گی؟"

"بس وہی روز جو گھر کے کام ہوتے ہیں۔ ابھی دوپہر کے لیے کھانا تیار کر کے فارغ ہوئی تھی۔" صبیحہ بتا رہی تھیں۔

"اور آپ کے دونوں صاحبزادے کہاں ہیں؟"

"ہارون تو اپنے پاپا کے ساتھ آفس میں ہی اس وقت ہوتا ہے۔ ایبک گھر میں ہی ہے۔ خرمن! تم میرے پاس آجاؤ اگر ممکن ہے تو دوپہر کا کھانا میرے ساتھ کھانا۔ بہت دل چاہ رہا ہے تم سے ملنے کا۔ عارش تو بھول ہی گیا تمہیں دوبارہ ساتھ لے کر آنا۔"

"نہیں! اسے بالکل یاد تھا مگر اس کے ساتھ کہیں جانے کے لیے مجھے چھٹی کے دن کا انتظار کرنا پڑتا ہے۔ ورنہ عام دنوں میں تو وہ اپنے لیے بھی وقت نہیں نکال پاتا۔" وہ مسکراتے ہوئے بتا رہی تھی۔

"پھر میں ایبک کو بھیج دوں؟ تم اس کے ساتھ آجاؤ۔ انکار مت کرنا۔"

"آپ اتنی محبت سے بلا رہی ہیں کیسے انکار کر سکتی ہوں۔ عارش کو معلوم ہوا تو وہ بھی مجھ پر ناراض ہوگا۔"

"ٹھیک ہے اب تم پہلے عارش سے فون پر اجازت ضرور لے لو۔ میں ایبک کو بھیجتی ہوں، تم اس کے ساتھ بائیک پر آجاؤ گی؟" صبیحہ نے احتیاطاً پوچھ لیا تھا۔

"نہیں بالکل نہیں، آپ کا گھر دور تو نہیں ہے، آپ آدھے گھنٹے بعد اسے بائیک کے بغیر بھیجے گا۔ میں عارش کو بھی فون پر بتا دیتی ہوں۔" وہ تاکید کرتے ہوئے بولی تھی۔

لائٹ پنک اسکارف چہرے کے گرد درست کر کے اس نے تنقیدی نظروں سے اپنا جائزہ لیا تھا اور پھر کال بیل پر رسٹ واچ کلائی میں پہنتی کمرے سے باہر نکل آئی تھی۔ دروازہ کھولتے ہی اسے ایبک کا مسکراتا چہرہ نظر آیا تھا۔

"مجھے دو منٹ اور لگیں گے، تم اندر تو آؤ۔" اسے باہر ہی رکے دیکھ کر خرمن نے کہا تھا۔

"نہیں! میں یہیں انتظار کروں گا۔ آپ آرام سے تیار ہو کر آجائیں۔"

"مگر تم اندر کیوں نہیں آرہے؟"

"ماما نے کہا تھا کہ عارش گھر میں موجود نہیں ہیں اور......"

"اور اسی لیے تم گھر میں نہیں آرہے۔" خرمن نے خشمگین لہجے میں اس کی بات کاٹی تھی۔

"چلو اندر آؤ ورنہ مار کھاؤ گے۔ تم نے میرے کبوتر بھی تو دیکھنے تھے اب آؤ جلدی۔" خرمن ڈپٹنے والے انداز میں بولتی اسے اپنے ساتھ ٹیرس تک لے گئی تھی۔

"اتنے سارے کبوتر ہیں آپ کے پاس؟" ایبک نے شدید حیرت سے دیوہیکل پنجرے کو دیکھا تھا۔

"آپ کیا کھلاتی ہیں ان کو اتنے تگڑے تگڑے کبوتر۔" ایبک کی حیرت پر وہ بے ساختہ ہنسی تھی۔

"میرے پاس مختلف نسل کے طوطے ہیں۔ مور ہیں مگر کبوتر نہیں ہیں۔" وہ حسرت سے کبوتروں کو دیکھتا بولا تھا۔

"گھر میں کبوتر رکھنے کی اجازت بھی نہیں مجھے۔"

"ایسا کرو ایک پنجرہ تیار کر لو، میں تمہیں کبوتروں کے جوڑے دوں گی تو کوئی منع نہیں کرے گا۔"

"واقعی آپ دیں گی مجھے کبوتر؟" وہ خوش ہوتا پوچھ رہا تھا۔ اثبات میں سر ہلاتی وہ مسکرائی تھی۔

☆......☆

اسے گلے سے لگاتے ہوئے خوشی صبیحہ کے چہرے سے پھوٹ رہی تھی جب کہ ان کی پہلے سے زیادہ محبت اور گرمجوشی نے اسے شرمندہ کر دیا تھا۔

"میری خواہش کے احترام میں تم میری ایک آواز پر میرے پاس آگئیں۔ تمہارے ماں باپ نے بہت اچھے طور طریقوں سے تمہاری پرورش کی ہے۔" اس کا ہاتھ تھامے ڈائننگ ٹیبل تک پہنچتے پہنچتے وہ اسے دیکھتی ہی رہی تھیں۔ سرخ کاٹن کے ٹراؤزر اور ایمبرائیڈری سے سجی فراک نما شرٹ میں ملبوس نفاست سے اسکارف میں چہرہ قید کیے وہ بالکل کانچ کی گڑیا دکھائی دے رہی تھی۔ نیچرل لپ اسٹک کے ہلکے سے شیڈ نے اس کے چہرے کو مزید نکھار دیا تھا۔

"آپ نے کھانے پر اتنا اہتمام کیوں کر لیا۔ کیا میں مہمان ہوں؟"

"نہیں مگر میں ہر بار تمہارے لیے اس سے زیادہ اہتمام کروں گی۔ ابھی تو وقت کم تھا اس لیے زیادہ کچھ نہیں کر سکی۔"

"یہ بھی بہت زیادہ ہے میرے لیے۔" خرمن مسکرائی تھی۔

"خرمن! آپ حیران مت ہوں۔ میری ماما کھانا بنانے میں ایکسپرٹ ہیں۔ ان کا زیادہ وقت کچن میں ہی گزرتا ہے۔ یہ ہر قسم کے کھانے بنانے میں ماہر ہیں۔" ایبک نے کہا تھا۔

"پھر تو میں بہت شرمندہ ہونے والی ہوں۔ کیوں کہ میں کھانا بنانے میں ماہر نہیں ہوں۔" خرمن نے کہا تھا۔

"کوئی بات نہیں۔ تم اور عارش جب دل چاہے مجھ سے فرمائش کرنا، میں تم دونوں کی پسند کے کھانے بناؤں گی مگر کھانے کے لیے یہاں آنا پڑے گا۔"

"یہ آپ کی شرط ہے؟" خرمن نے مسکراتی نظروں سے انہیں دیکھا تھا۔

"نہیں یہ میری محبت ہے۔" وہ پر شفقت لہجے میں بولی تھیں۔

"ماما! آپ جانتی ہیں۔ عارش اور خرمن کی لو میرج ہوئی ہے۔" ایبک کی اطلاع پر وہ مسکرائی تھیں۔

"کس نے اڑائی یہ افواہ؟ میری طرف سے ایسا کچھ نہیں تھا۔ میں نے بس اپنے امی اور بابا کی فرمانبرداری میں عارش کو قبول کیا ہے۔" خرمن نے فوراً کہا تھا۔

"مجھے تمہاری بات پر یقین ہے۔ لڑکیوں کو تمہاری طرح ہی اپنے ماں باپ کی فرمانبرداری کرنی چاہیے۔" صبیحہ کے تعریفی لہجے پر وہ جھینپ گئی تھی۔

"مگر مجھے آپ کی بات پر یقین نہیں، عارش اتنے اچھے ہیں کہ کوئی بھی لڑکی ان کی محبت میں پاگل ہو سکتی ہے۔ آپ کے نزدیک ان کی کوئی ویلیو نہیں تھی؟" ایبک نے شرارتی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

"ہاں بالکل! کیوں کہ گھر کی مرغی دال برابر ہوتی ہے۔" وہ بولی تھی۔

"میں عارش کو یہ بات ضرور بتاؤں گا۔" ایبک ہنسا تھا۔

''خبردار! ایسا مت کرنا تم ان دونوں کے درمیان لڑائی نہ کروا دینا۔'' صبیحہ نے ایبک کو گھر کا تھا۔

''جو بھی ہے۔ تمہاری اور عارش کی جوڑی ہر طرح سے مناسب اور خوب صورت ہے۔'' صبیحہ نے مسکراتے ہوئے خرمن کو دیکھا تھا۔

کھانے کے بعد ایبک کے کچھ دوست آ گئے تو وہ ان کے پاس چلا گیا جب کہ صبیحہ اسے اپنے ساتھ اپنے بیڈ روم میں لے آئی تھیں۔ وضو کے بعد وہ اسکارف پر ہی دوپٹہ لپیٹتی جب واش روم سے باہر نکلی صبیحہ نماز کی ادائیگی شروع کر چکی تھیں۔ انہوں نے اس کے لیے دوسری جاءنماز اپنے قریب ہی بچھا دی تھی۔ نماز پڑھنے کے بعد وہ بیڈ کے کنارے بیٹھی ان کے فارغ ہونے کا انتظار کرتی رہی تھی، جن کی نماز کے ساتھ دعا بھی طویل ہوتی جا رہی تھی۔

''عارش کہتا ہے کہ میری دعا نماز سے زیادہ طویل ہوتی ہے مگر آپ نے تو مجھے بھی مات دے دی ہے۔'' خرمن نے مسکراتی نظروں سے انہیں دیکھا تھا جو قریب آ بیٹھیں تھیں۔

''زندگی میں بہت کچھ مل جانے کے باوجود کہیں نہ کہیں ایک ایسی کمی اکثر رہ جاتی ہے۔ جس کے لیے ہر لمحہ بھی دعاؤں کے لیے ہاتھ اٹھائے جائیں تو وہ بھی کم لگتا ہے۔'' ان کے بجھے لہجے پر خرمن نے بغور ان کو جانچتی نظروں سے دیکھا تھا۔

''آپ کو اللہ نے اتنا خوب صورت گھر دیا ہے۔ آپ کے شوہر بھی بہت اچھے ہیں اور اولاد بھی اللہ نے چن کر آپ کو دی ہے میری طرح دیکھنے والوں کو رشک کرنے کے لیے یہ سب کافی ہے۔ پھر آپ کس کمی کے لیے......'' کچھ جھنجلا کر وہ بات مکمل نہیں کر سکی تھی۔

''تم نے ٹھیک کہا۔ میرے پاس وہ سب کچھ ہے وہ سب جو ہر دیکھنے والے کو نظر آتا ہے۔ اسی لیے تو اتنا سب دیکھنے کے بعد کسی کو وہ سب نظر نہیں آتا جو میرے پاس نہیں ہے۔'' ان کے لرزتے لہجے پر وہ کچھ بول نہیں سکی تھی ایسا لگ رہا تھا کہ وہ خود اس کے دل کی بات زبان تک لے آئی ہیں۔

''خرمن! تم عارش سے کہو کہ وہ آفس سے واپس یہیں آئے، شام کی چائے پر سب ساتھ ہوں گے تو اچھا رہے گا۔'' وہ یکدم موضوع بدل کر بولی تھیں۔

''ٹھیک ہے یہ بات آپ خود اس سے کہہ دیں اسے اچھا لگے گا۔'' خرمن نے مسکراتے ہوئے بیگ سے سیل فون نکال کر انہیں تھما دیا تھا۔ خاموشی سے وہ انہیں بات کرتا دیکھتی رہی تھی۔

''وہ فوراً راضی ہو گیا ہے۔ اسے تو بس یہ فکر تھی کہ میں کیا خاص چیز بنا رہی ہوں۔'' فون واپس اسے دیتے ہوئے وہ بتا رہی تھیں۔

''آپ اس کی باتوں میں نہ آئیں۔ وہ کھانے پینے کا بہت زیادہ شوقین نہیں ہے۔'' وہ بولی تھی۔

''خرمن! اتنے تکلف کے ساتھ کیوں بیٹھی ہو۔ پیر اوپر رکھ کر آرام سے بیٹھو۔'' ان کے ناراض ہونے پر اس نے فوراً پیر اوپر چڑھائے تھے مگر صبیحہ کچھ چونک گئی تھی۔

''خرمن! تمہارے پیروں پر اتنی سوجن کیوں ہے؟'' ان کی تشویش پر وہ بھی چونکی تھی۔

''یہ تو بس ایسے ہی......'' سرخ چہرے کے ساتھ وہ گڑبڑا سی گئی تھی۔ جب کہ بغور اسے دیکھتے ہوئے

صبیحہ مسکرا اٹھی تھیں۔

''اب تمہیں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ میں ابھی آتی ہوں۔'' اس کے پاس سے اٹھ کر وہ ڈریسنگ ٹیبل تک گئی تھیں۔ واپس جب آئیں تو ان کے ہاتھ میں آئل کی ایک بوتل تھی۔

''میں اس سے تمہارے پیروں کا مساج کروں گی۔ تمہیں خود فرق محسوس ہوگا۔''

''نہیں، آپ یہ مت کریں۔ مجھے بالکل اچھا نہیں لگے گا۔'' بری طرح شرمندہ ہو کر اس نے پیر پیچھے کر لیے تھے۔

''مجھے بھی اچھا نہیں لگے گا اگر تم مجھے روکو گی۔''

صبیحہ ناراضی سے بولی تھیں۔

''میں خود کر لیتی ہوں۔ آپ میرے پیروں کو ہاتھ نہ لگائیں۔'' خرمن کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ انہیں کیسے روکے۔

''آرام سے بیٹھ جاؤ اور مجھے میرا کام کرنے دو۔'' ان کے پیار سے ڈپٹنے پر ناچار اسے خاموش ہونا پڑا تھا۔ نرمی سے اس کے سوجے پیروں پر مساج کرتے ہوئے وہ اس سے باتیں بھی کرتی جا رہی تھیں جوان کے مہربان ہاتھوں کو اپنے پیروں پر دیکھتی آنکھوں کی نمی نہیں چھپا سکی تھی۔

''خرمن! تم رو رہی ہو؟'' اس کی بھیگتی آنکھوں نے صبیحہ کو تڑپا دیا تھا جب کہ وہ آنکھوں کے گوشے خشک کرتی نفی میں سر ہلا گئی تھی۔

''ماں کی یاد آ رہی ہے؟'' ان کے سوال پر وہ اثبات میں صرف سر ہلا کر رہ گئی تھی۔

''میں تمہاری کیفیت سمجھ سکتی ہوں۔ ایسے وقت میں تمہیں ان کی زیادہ ضرورت محسوس ہو رہی ہو گی مگر میں تو ہوں تمہارے پاس فکر مت کرو۔'' ان کے پرشفقت لہجے پر خرمن نے خود کو سنبھالا تھا۔

''وہ میری وجہ سے ہی واپس آنا چاہتی تھیں، مگر وہ ایک عرصے بعد وہاں بابا کے ساتھ گئی ہیں۔ عارش کی طرح میں بھی نہیں چاہتی کہ وہ سب کچھ چھوڑ کر واپس آ جائیں۔ انہیں واپس میرے پاس تو آنا ہی ہے۔ اسی لیے میں ان کو مطمئن کرتی رہتی ہوں کہ میں ٹھیک ہوں کیوں کہ اگر وہ ابھی واپس آ گئیں تو دوبارہ پتا نہیں کب وہاں ان کا جانا ہو۔'' وہ بجھے لہجے میں بتا رہی تھی۔

''تو پھر افسردہ مت ہو، وہ جلد تمہارے پاس آ جائیں گی تب تک میں موجود ہوں تمہارے پاس۔'' صبیحہ کے نرم لہجے پر وہ مسکرائی تھی۔ کچھ دیر تک وہ دونوں باتیں کرتی رہی تھیں، اس کے بعد صبیحہ اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔

''تم آرام سے لیٹ جاؤ۔ میں ذرا ایبک کو دیکھ آؤں۔'' اس کے گریز کے باوجود وہ اسے لیٹ جانے کی تاکید کر کے مطمئن ہوتیں کمرے سے نکل گئی تھیں۔ کچھ دیر بعد وہ واپس کمرے میں آئیں تو ان کے چہرے پر مسکراہٹ نمودار ہو گئی تھی۔ تکیے پر سر رکھے بہت پرسکون انداز میں خرمن سوتی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ بغیر کسی آہٹ کے وہ بیڈ کے دوسرے کنارے پر بیٹھتیں اس کے خوابیدہ چہرے کو دیکھتی رہی تھیں۔

(جاری ہے)

حافظہ مون شاہ

افسانہ

قسمتیں بدلتی ہیں

''کیا.... ہریرہ کا پرپوزل میرے لئے آیا ہے؟ اس نے یہ سوچ بھی کیسے لیا کہ میں اس جیسے گھٹیا اور بدکردار آدمی سے شادی کروں گی؟ آپ خالہ کو صاف صاف منع کر دیجئے' مجھے یہ رشتہ منظور نہیں



ہے۔''

زینب کے تن من میں آگ لگ گئی تھی۔

''تو کیا تمہارے لئے رشتہ وزیراعظم کے بیٹے کا آئے گا' ارے کچھ تو سوچو فخر بانو میری بہن ہے۔ ایسے کیسے انکار کردوں کوئی معقول وجہ بھی تو ہو۔''

مہربانو کا دل ہرگز انکار کرنے کا نہ تھا۔

''معقول وجہ.....؟'' وہ بڑبڑائی' پھر ایک ایک لفظ پہ زور دیتے ہوئے بولی۔

''امی! آپ اتنی بھولی مت بنیں۔ آپ اچھی طرح جانتی ہیں کہ آپ کا بھانجا عیاش اور ہوس پرست شخص ہے؟ مجھے مزید بولنے پر مجبور مت کریں' آپ کے بھانجے نے محلے بھر میں کیا گل کھلائے ہیں.... ہماری ناک کٹوا کر رکھ دی' کیا یہی معقول وجہ کافی نہیں ہے کہ وہ ایک بدنگاہ اور اخلاقی لحاظ سے گرا ہوا شخص ہے۔ جس کی نظروں میں محلے کی لڑکیوں کو چھوڑ لڑکوں کے لئے بھی حیا نہیں ہے۔ اب اگر آپ خود اس کے کردار سے چشم پوشی کر رہی ہیں تو میں کیا کرسکتی ہوں۔ سوائے اس کے کہ اسے





ٹھکرا دوں' ٹھیک ہے میرے لئے وزیراعظم کے بیٹے کا رشتہ نہیں آ سکتا نہ میری ایسی خواہش ہے مگر میں کسی ایسے انسان کے رشتے کا انتظار ضرور کروں گی۔ جو پرہیزگار' متقی' پاکباز اور عالم دین ہو' جس کی نظروں میں حیا ہو۔"

"پرہیز گاری سے پیٹ نہیں بھرتا؟ ہریرہ گورنمنٹ جاب کرتا ہے اور تمہیں خوش رکھے گا۔"

"مجھے ایسے آرام و سکون اور خوشی نہیں چاہئے جو میری زندگی اور روح کا وبال بن جائے۔ مجھے سر اٹھا کر جینے نہ دے شرمندگی سے نظریں جھکانے پہ مجبور کر دے اور سب سے بڑھ کر میں عالمہ دین اور حافظہ ہوں' مذہبی نظریات کی حامل اور مذہبی ماحول کی پروردہ ہوں اگر میں کسی بدکردار سے شادی کر لوں جس کی رسوائیوں کے چرچے خاندان میں ہی نہیں محلے بھر میں زبان زد عام ہوں تو کیا لوگ مجھے اچھی نظروں سے دیکھیں گے' میری نیک نامی کو مدنظر رکھ کر عزت کریں گے؟ مجھے ہرگز ایسی سہولتیں درکار نہیں ہیں جو آج میرا پیٹ بھر دیں اور کل دوزخ کا پیٹ مجھ سے بھر دیں؟ دنیا و آخرت کی ذلت اٹھانے کا مجھ میں حوصلہ نہیں ہے۔ ایسے رشتوں سے توبہ بھلی' آپ بے کار بحث میں نہ پڑیں۔ پھر آپ نے ہی تو ہمارا رجحان مذہب کی طرف موڑا ہے۔"

زینب کے پاس بے شمار دلائل تھے جو بظاہر مضبوط تھے۔ مہربانو ٹھنڈی آہ بھر کر بولیں۔

"تم انتہا پسندی سے کام لے رہی ہو۔ خونی رشتوں کے احساس کو بھی ختم کر چکی ہو اگر ابو ہریرہ بدکردار ہے تو تم اس سے شادی کر کے باکردار بنا دینا' اپنی مرضی کے سانچے میں ڈھال کر پرہیزگار بنا دینا تاکہ تمہیں ثواب حاصل ہو۔ ممکن ہے وہ سدھر جائے اور اس رشتے سے نسلیں سنور جائیں۔"

"تو گویا میں مفروضوں پر رشتے کی بنیاد رکھوں۔" وہ استہزائیہ انداز میں بولی۔

"امی! یہ جو مرد ہوتے ہیں ناں ان کی فطرت کبھی بھی بدل نہیں سکتی۔ میں "ممکن" پر راضی نہیں ہو سکتی مجھے یقینی طور پر ضمانت چاہئے کہ ابو ہریرہ اسلامی سانچے میں ڈھل جائے گا جو غیر ممکن سی بات ہے کیونکہ میں یا آپ آئندہ کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔"

مہربانو نے متفکر ہو کر اسے دیکھا۔

"زینب! تم مثبت بھی سوچ سکتی ہو۔ ہمارا خون کا رشتہ چھوٹ جائے گا۔ اتنا غرور اچھا نہیں ہوتا' غرور و تکبر شیطان نے کیا تھا پھر جانتی ہو ناں.... وہ راندہ درگاہ ہو گیا.... میں غریب و بے سہارا عورت تم دونوں لڑکیوں کو محفوظ دیکھنا چاہتی ہوں' اپنا فرض ادا کر کے سکون سے مرنا چاہتی ہوں' میرے بعد فروا اور تمہارا کیا بنے گا؟"

"پروردگار سب کا وارث ہے۔ آپ خون کا رشتہ برقرار رکھ کر مجھے ابو ہریرہ کے ساتھ رخصت کر دیں گی۔ آپ کا فرض ادا ہو جائے گا اور اگر وہ مجھے روحانی طور پر خوش نہ رکھ سکا؟ باکردار نہ بن سکا تو کیا آپ کا فرض نامکمل نہیں رہ جائے گا۔ دین کے کاموں میں تعلق داریاں نہیں دیکھی جاتیں۔ میں ہرگز مغرور نہیں ہوں اچھی طرح جانتی ہوں کہ غرور خدا کو ناپسند ہے۔ بڑے بڑے جاہ و حشمت والے مغرور و متکبر زمین کا نوالہ بنے ہیں۔ زمین تو کسی کا مرتبہ نہیں دیکھتی' میں تو آپ سے اپنے تحفظات بیان کر رہی ہوں۔ اپنا حق استعمال کر رہی ہوں جو مجھے مذہب نے دیا ہے۔ کیا یہ میرا حق نہیں ہے؟"

مہربانو لاجواب ہو کر بولی تھیں۔

"ٹھیک ہے۔ میں فخر بانو کو انکار کر دوں گی' اس کے باوجود کہ...."

وہ بات ادھوری چھوڑ کر کمرے سے نکل گئیں۔

زینب نے اطمینان بھرا سانس لیا۔

"تو آخر آپ نے امی جان کو قائل کر لیا....؟"

ام فروا جو کافی دیر سے دونوں کی بحث میں خاموش بیٹھی تھی بول پڑی۔

"ہاں خدا کا شکر ہے۔ پریشانی ختم ہوئی۔"

"مگر ایک بات ضرور ہے آپیا! بھائی ابو ہریرہ کی آنکھوں میں آپ کی محبت کا گہرا عکس ہے۔ ان کا دل ٹوٹ جائے گا' وہ خوبصورت بھی بہت ہیں آپ کی جوڑی شاندار لگتی...."

"فروا! فضول باتیں مت کرو۔ میں بتا چکی ہوں ناں وہ میرے قابل نہیں ہے' وہ خود کو میرے قابل تو بنائے۔" وہ گھمنڈ سے بولی۔

"اس کا مطلب ہے اگر ہریرہ بھائی خود کو اس قابل بنا لیں تو سوچا جا سکتا ہے۔"

وہ شرارت کے موڈ میں تھی۔

"شٹ اپ فروا! اس موضوع کو بند کرو۔ اگر وہ خود کو اسلامی سانچے میں ڈھال بھی لے تو میں تب بھی اس سے شادی نہیں کروں گی۔"

"وہ کیوں؟" فروا حیرت سے بولی۔

"باکردار بننے سے اس کا ماضی بدل نہیں جائے گا۔ لوگ جانتے ہوں گے کہ پہلے یہ بدکردار انسان تھا اور مجھے پسند نہیں کہ کوئی میرے شوہر کے ماضی کو اچھال کر مجھے شرمندہ کرے۔"

"اللہ توبہ کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔"

"تم چپ کر جاؤ۔ تم اس معاملے کی گہرائی میں پڑ کر جان ہلکان مت کرو' میں تم سے بڑی ہوں اور بہتر جانتی ہوں۔"

زینب نے ڈپٹ کر کہتے ہوئے فروا کو خاموش کروا دیا۔

آخر زینب کی جیت ہوئی تھی' مہربانو نے فخر بانو سے معذرت کر لی تھی۔ وہ بہن کو انکار کرتے ہوئے شرمندہ تھیں' فخر بانو نے خوشدلی سے زینب کا فیصلہ قبول کیا تھا ہرچند کہ ان کی دلی خواہش تھی کہ زینب ان کی بہو بنے' مگر وہ یہ بات بھی سمجھتی تھیں کہ ان کا بیٹا ابو ہریرہ زینب کے قابل نہیں تھا' زینب پاکباز' پرہیزگار اور عالمہ باعمل تھی۔ جبکہ ابو ہریرہ میں وہ تمام خامیاں تھیں جو کردار کو ناپسندیدہ بنا دیتی ہیں' وہ فلموں کا شوقین' سطحی سوچ کا حامل' ہوس کار اور غیر ذمہ دار انسان تھا' خاندان کے لوگ ہریرہ سے بات کرنا پسند نہیں کرتے تھے رشتہ دینا تو دور کی بات اپنی لڑکیوں کو ہریرہ کے سائے سے بھی دور رہنے کی تلقین کرتے تھے' وہ سب کی نفرتوں کا مرکز تھا' اس سے بڑھ کر کیا بات ہو سکتی تھی کہ نوجوان اور مرد بھی اس سے کتراتے تھے' اپنے بچوں کو اس کے قریب پھٹکنے نہ دیتے تھے ایسے میں اگر زینب نے انکار کر دیا تھا تو کون سی قیامت برپا ہو گئی تھی' یہ فیصلہ تو ان کی سوچوں کے مطابق تھا' وہ ذہنی طور پر انکار کے لئے تیار تھیں۔ ابو ہریرہ ان کا چھوٹا بیٹا تھا' ماں ہونے کے ناتے وہ اسے بے حد چاہتی تھیں' فکرمند تھیں ہریرہ کی خواہش پر وہ زینب کا رشتہ مانگنے آئی تھیں اور انہیں صرف اس بات کی فکر تھی کہ ہریرہ کا ردعمل کیا ہو گا؟ وہ لاکھ بدکار سہی لیکن دل کی گہرائیوں اور روح کی سچائیوں کے ساتھ زینب سے محبت کرتا تھا' بہرحال انہوں نے کڑا دل کر کے ابو ہریرہ کو زینب کا فیصلہ سنا دیا تھا' ماں کے منہ سے زینب کا انکار سن کر وہ ساکت سا رہ گیا تھا' کوئی جملہ' کوئی لفظ احتجاج میں نہیں بولا' ابو ہریرہ کا سر جھک گیا تھا۔

"کچھ تو بولو ہریرہ! اس بارے میں کیا کہو گے' ویسے تم کہہ بھی کیا سکتے ہو' قصور تو تمہارا اپنا ہے ناں میں ماں ہونے کے ناتے تمہاری برائیوں اور خامیوں سے چشم پوشی کر سکتی ہوں' لیکن کوئی کیسے یہ رویہ برت سکتا ہے۔ ہریرہ کوئی بھی تم سے محبت نہیں کرتا سب تم سے گھن کھاتے ہیں ہاں زینب بھی تم کو ناپسند کرتی ہے کاش تم سنبھل جاؤ' ابھی بھی وقت ہے ٹھوکر کھانے سے پہلے سنور جاؤ۔ آخرت میں کملی والے کو کیا منہ دکھاؤ گے؟ میں بھی تمہاری وجہ سے

منہ چھپاتی پھروں گی۔ یہ تو دنیا کی نفرت و ذلت ہے ناں آخرت کی ذلت برداشت نہ ہو سکے گی کیا تم ماں کو خدا کے حضور شرمندہ کروانا چاہتے ہو؟ میں نے اپنی طرف سے تمہاری تربیت میں کمی نہیں چھوڑی نجانے تمہاری صورت میں مجھے کس گناہ کی سزا ملی ہے۔ خاندان والے ایک طرف تمہارا سگا بھائی فاروق اپنے بیوی بچوں کو لے کر الگ گھر میں رہتا ہے.... کیونکہ اسے تم پر اعتبار نہیں رہا' وہ کہتا ہے کہ کسی بھی لمحے تمہارے اندر ہوس کا حیوان جاگ سکتا ہے۔ بستر مرگ پر پڑے باپ کا خیال کرلو ہریرہ۔ کاش میں تمہیں جنم دیتے ہی مرگئی ہوتی۔"

ابوہریرہ سپاٹ چہرے کے ساتھ خاموش بیٹھا تھا' ماں کی فریاد اور آنسو بظاہر اس پر اثر انداز نہیں ہو پا رہے تھے پھر وہ اٹھ کر گھر سے باہر نکل گیا تھا' فخر بانو جانتی تھیں کہ اب وہ کسی شرابی دوست کے ہمراہ خوب شراب پیئے گا۔

☆......☆

فخر بانو نے خدا کا شکر ادا کیا تھا کہ ہریرہ نے کوئی شدید ردعمل ظاہر نہیں کیا۔ زینب کے انکار کو انہوں نے انا کا مسئلہ نہیں بنایا تھا' ہاں زینب نے ان کے گھر جانا بالکل چھوڑ دیا تھا' آج فخر بانو نے اپنے گھر میں محفل میلاد کا انعقاد کرنا تھا اور ان کی خواہش تھی کہ زینب میلاد پڑھے وہ اپنے انداز بیاں اور خوش الحانی کی وجہ سے مشہور تھی اور محافل میں سماں پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتی تھی' قریبی مدرسہ میں معلمہ بھی تھی' فخر بانو کے خلوص کے آگے بے بس ہو کر زینب نا چاہتے ہوئے بھی چلی آئی تھی لیکن اس کے انداز میں سرد مہری تھی اور یہ سرد مہری ابوہریرہ کا سامنا ہو جانے پر بڑھ گئی تھی۔

وہ ناگواری سے اسے نظر انداز کر کے محفل کا آغاز کر چکی تھی۔ آج اس نے خصوصی طور پر انسانی کردار اور مسلمان کی طرز زندگی کو موضوع بنایا تھا' بیان کے بعد اس نے اپنی خوبصورت آواز میں نعت پڑھنا شروع کی۔

زلف سرکار سے جب چہرہ نکلتا ہوگا
پھر بھلا کیسے کوئی چاند کو تکتا ہوگا

کوئی سحر تھا جو پوری محفل پر وجد طاری کر کے ابوہریرہ کو اپنے حصار میں لے رہا تھا آواز کا سوز و گداز' اشعار کا حسن گویا دل کی دنیا زیر و زبر کر رہا تھا اسے سوچنے پہ مجبور کر رہا تھا کہ وہ لمحات کیسے کیف آور اور قابل دید ہوں گے جب نبی کریمؐ صحابہ کرام میں جلوہ گر اپنے دیدار کی کرنیں بکھیرتے ہوں گے' کتنے خوش نصیب اور قابل تعظیم وہ صحابہ جو آپؐ کے ہمراہ سفر و حضر میں رہے' آپؐ کے دست و پائے اقدس کے بوسے لیتے رہے ان کے تبرکات کو اپنے لئے حصول برکت کا ذریعہ بناتے رہے۔ وہ یقینی طور پر نار دوزخ سے "عتیق" لوگ ہیں جن کے وجود سے آقاؐ کا جسم اطہر مس ہوتا رہا۔ وہ کھوسا گیا تھا۔ وہ تصور طیبہ میں مگن ہو رہا تھا۔ ایک نقشہ جو اس کی آنکھوں میں بن گیا تھا ایک عشق جو وجود میں آنکھیں کھول رہا تھا' ایک سکون جو روح کا احاطہ کر رہا تھا' مگر وہ تو گنہگار' بدکار' نکما تھا' ساری دنیا اس سے نفرت کرتی تھی تو آقا بھی تو اس کے اعمال کو ناپسند کرتے ہوں گے' وہ تڑپ اٹھا تھا۔ یہ تڑپ اس بات کی گواہی تھی کہ ابوہریرہ کا ضمیر زندہ ہے۔

ابوہریرہ میں لاکھ خامیاں اور برائیاں سہی لیکن جب بھی سرکار کا ذکر سنتا تو بے حد ادب کے ساتھ۔

زیارت مدینہ کے لئے مچل مچل جاتا' نجانے کیا بات تھی کہ ٹھکرائے جانے سے قبل ہر جذبہ وقتی طور پر طاری ہوتا تھا مگر یہ کیفیت تو اب اسے بدل رہی تھی' کافی حد تک وہ سنور گیا تھا' علماء کی مجلس میں بیٹھتے بیٹھتے اسے "قرینہ" آ رہا تھا۔ اسے امید ہو چکی تھی کہ سرکارؐ اسے معاف کر دیں گے۔ اللہ اس کی توبہ حضورؐ کے وسیلے سے قبول کرلے گا۔ وہ یہ سب کچھ ہرگز

زینب کے حصول کے لئے نہیں کر رہا تھا۔ کوئی غیبی طاقت تھی جو اسے صراط مستقیم کی طرف موڑ رہی تھی۔ جب بھی گناہ کا ارادہ کرتا وہ طاقت اسے بچا لیتی' اللہ والوں کے قرب میں سکون تلاش کرتا مزاروں پر حاضری دیتا وہ پنجگانہ نمازی بن چکا تھا۔

معاملات زندگی سے سروکار ختم ہو چکا تھا شب و روز کی خبر نہ تھی۔ علمائے دین اور بزرگوں سے قلبی لگاؤ پیدا ہو چکا تھا بس اب چند کمزوریوں پر قابو پانا باقی تھا۔ اس کا چھچھوراپن' شوخ طبیعت' کچھ بھی تو نہ رہا تھا اس کی جگہ خاموشی اور کم گوئی نے لے لی تھی' وہ جو محفل پسند تھا تنہائی پسند ہو گیا۔ جو داڑھی اور عمامے سے بدکتا تھا۔ اس کا وجیہہ چہرہ سنت مبارکہ سے سج گیا تھا' سبز عمامہ سر کی زینت تھا جس کے بیچ پر نعلین مبارک کا بیج تھا' اب زندگی کی سب سے بڑی خواہش "حج بیت اللہ" تھی' اب دعاؤں میں بس یہ فریاد ہوتی۔ "مجھے اپنا اور اپنے حبیب کا در دکھا دے اللہ۔"

کوئی غیبی آواز ابوہریرہ کے کانوں میں مسکراتی صدا لگاتی۔

"مدینہ آنے والا ہے ..... مدینہ آنے والا ہے۔"

وہ عشاء کی نماز پڑھ کر گھر لوٹا تھا کہ صحن میں بے چین ہو کر چکر لگاتی فخر بانو کو دیکھ کر ان کے پاس چلا آیا۔

"کیا ہوا امی جان؟"

اس نے نرم آواز میں دریافت کیا۔ فخر بانو نے سر اٹھا کر ہفتوں میں بدل جانے والے ابوہریرہ کی سمت دیکھا اور بولیں۔

"ابھی کچھ دیر پہلے ام فروا کا فون آیا تھا وہ کہہ رہی تھی کہ مہر بانو آپا کی طبیعت بہت خراب ہے بھائی ہریرہ کو بھیج دیں۔ کافی پریشان لگ رہی تھی۔ تمہارے موبائل پر ٹرائی کیا تو نمبر بند ملا اب جلدی کر دکہیں دیر نہ ہو جائے۔"

ابوہریرہ کو پریشانی لاحق ہوگئی' اگرچہ وہ زینب کا سامنا نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن صورتحال بڑی نازک تھی۔

"آپ پریشان نہ ہوں دعا کریں اور آیئے میرے ساتھ آپ بچیوں کے پاس رہیئے گا میں خالہ جان کو ڈاکٹر کے پاس لے جاؤں گا۔"

"ہاں ٹھیک ہے' تم بائیک باہر نکالو میں تمہارے ابو کو بتا کر آتی ہوں۔"

خالہ جان کی طبیعت اب کافی بہتر تھی آج وہ ان کی خیریت دریافت کر کے واپس جا رہا تھا کہ زینب کے پکارنے پر قدم رک گئے۔

"ہریرہ! میری بات سنو۔"

انداز میں تحکم تھا۔ وہ نظریں جھکا کر مڑا تھا۔

"جی فرمایئے۔"

"میں آپ کی رقم لوٹانا چاہتی ہوں۔"

"کون سی رقم؟" وہ حیرت سے بولا۔

"وہ رقم جو امی جان کے علاج پہ تم نے خرچ کی۔"

"مگر میں نے کوئی تقاضا نہیں کیا ہے۔"

"مجھے تو احساس ہے ناں۔ یہ رکھ لو۔

زینب نے کچھ نوٹ اس کی طرف بڑھائے۔

"خالہ جان پر میرا اور ان کا مجھ پر کچھ حق ہے۔"

"ہم کوئی لاوارث نہیں ہیں کہ تم ہمیں مستحق سمجھو۔" ضبط کی کوشش میں ابوہریرہ کا چہرہ سرخ ہوا تاہم وہ نرمی سے بولا۔

"میرا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے' آپ غلط سمجھی ہیں میں چلتا ہوں مجھے کچھ کام ہے۔"

"ہونہہ.... میری ایک اور بات سنتے جاؤ۔" وہ خاموشی سے اس کے بولنے کا منتظر رہا۔

"میرے خواب دیکھنا چھوڑ دو' تم کیا سمجھتے ہو کہ میرے حصول کی خاطر وقتی طور پر خود کو بدل کر مجھے

پالو گے' میں تم سے متاثر ہو جاؤں گی' تمہارا ماضی تو تمہارے نام پہ بدنما دھبہ ہے ناں کیا تھے تم۔ شرابی اور زانی؟ معیار سے گرے ہوئے انسان مجھے تمہاری بیوی کہلاتے ہوئے شرم آئے گی۔ اب منافقت کرنا چھوڑ دو' خالہ جان تو تمہیں پاکباز جان کر دوبارہ سے میرا تمہارا رشتہ جوڑنے کی تمنا کر بیٹھی ہیں انہیں کیا معلوم شکل مومناں اور کرتوت.....''

''بس کر دیں زینب! میں اس سے آگے ایک لفظ سن نہیں سکتا' میں نے آپ کے خواب دیکھنا کب سے چھوڑ دیئے ہیں اگر امی جان نے ایسی کوئی بات کہی ہے تو اس کی ذمہ دار وہ ہیں میں نے ان سے ہرگز رشتے کے متعلق نہیں کہا' میں یہ باب خود بند کر چکا ہوں سمجھیں آپ.... مجھے تو یہ بھی یاد نہیں رہا کہ زینب نامی کسی لڑکی کو میں جانتا ہوں۔ آپ بے فکر رہئے آپ جیسی پاکدامنہ کو پاکدامن شوہر ملے گا' میں جانتا ہوں صرف آپ نہیں پورا خاندان میرا مذاق اڑاتا ہے' مجھے منافق کہتا ہے' مگر میں پرواہ نہیں کرتا' کیونکہ خدا جانتا ہے کہ میں منافق ہوں یا مومن.... اور میں صرف خدا کے حضور جوابدہ ہوں' انسانوں کی عدالت میں ہرگز نہیں۔ سنا آپ نے آپ علم و عمل میں مجھ سے زیادہ سہی' لیکن یہ بات یاد رکھیں کہ کوئی نہیں جانتا کہ کون اللہ کا پیارا ہے؟ اس کا محبوب بندہ کون ہے؟ میرا مذاق اڑانے والے اپنے اعمال کا دفتر کالا کرتے ہیں' میرا کیا بگڑتا ہے؟''

زینب نے حیرت سے ٹھنڈے ٹھار لہجے میں حقیقت بیان کرتے نظریں جھکائے کھڑے ابوہریرہ کو دیکھا۔

لیکن ہارنے پر وہ بھی تیار نہ تھی' تمسخر سے ہنس کر بولی۔

''چلو یونہی سہی مگر یہ پیسے رکھ لو... تمہارے احسان کا بہت شکریہ... مسٹر مومن۔''

ابوہریرہ نے بغیر کچھ کہے زینب کے ہاتھوں سے پیسے لئے اور باہر نکل گیا۔

☆......☆

زینب کی خواہش پوری ہو گئی تھی۔ اس کے لئے شہر کے عالم باعمل پاکباز مرد مولانا حذیفہ احمد کا رشتہ آیا تھا' وہ بے حد خوش تھی مہربانو بھی بیٹی کی رضا میں راضی تھیں' خدا کا شکر ادا کرتی تھیں۔ اب وہ بھی ابوہریرہ کو بھلا بیٹھی تھیں۔

رشتہ منظور ہو جانے کے چند ماہ بعد زینب رخصت ہو کر حذیفہ کے گھر چلی گئی' گھرانہ بھی متمول اور افراد بھی ملنسار تھے۔ شروع کا ہر دن حسین تھا۔

ان حسین دنوں کو گزرتے کچھ سال لگے تھے' وہ جو حذیفہ کے ساتھ پہ نازاں تھی' اب شاکی رہنے لگی۔ شادی کے 8 سالوں بعد بھی وہ اولاد کی خوشی نہ دے سکی' حذیفہ احمد کی طبیعت میں بھی زینب کے مزاج جیسی تیزی تھی' دونوں کے مزاج میں تحمل ناپید تھا' جس کی وجہ سے مس انڈر اسٹینڈنگ رہنے لگی۔ سمجھ دار ہونے کے باوجود حذیفہ احمد نہ چاہتے ہوئے بھی زینب پہ شک کرنے لگا تھا' یہ بات بھی اسے قابل توجہ نہ لگتی لیکن سب سے بڑا مسئلہ زینب کی انا کا تھا۔ وہ علم میں خود کو کسی طور حذیفہ سے کم نہ سمجھتی' وہ چاہتی تھی کہ حذیفہ اس کا معترف رہے۔ اور حذیفہ اگرچہ زینب سے حسن سلوک کرتا تھا اس کے باوجود زینب کا غرور پسند نہ کرتا' حذیفہ احمد چاہتا تھا کہ وہ عاجز ہو کر رہے اپنی قابلیت کا بے جا رعب نہ ڈالے' انسان کو انسان سمجھے' زینب کی رضامندی سے اس نے اولاد کی خاطر دوسری شادی کر لی تھی اور دونوں میں توازن رکھا تھا۔

زینب کو پھر بھی یہ بات تڑپا دیتی تھی کہ حذیفہ دوسری بیوی کا خیال رکھے' فطری طور پر عورت میں حسد کے جذبات پائے جاتے ہیں۔ اسی بات کو لے کر وہ ہر دن حذیفہ سے الجھتی تھی وہ کبھی نرمی اور کبھی غصے سے اسے سمجھاتا۔

''زینب! تم خوامخواہ مت الجھا کرو' میں نے دوسری شادی تمہاری اجازت لے کر کی ہے اور اب سمیہ میری ذمہ داری ہے تم اچھی خاصی سمجھدار اور عالمہ ہو کہ بچوں کی خواہش ہر مرد رکھتا ہے اور دوسری شادی کرنا جرم نہیں ہے بلکہ اسلام میں چار شادیوں کی اجازت ہے' بتاؤ اگر میں نے تم سے کبھی ناانصافی کی ہو۔ تمہارا برابر خیال رکھتا ہوں' تم سے بچھڑنا نہیں چاہتا' تم میری محبت ہو' میری بیوی' میری ذمہ داری ہو۔ پھر یہ خوامخواہ الجھنا بے وجہ ہے۔''

مگر زینب فطرتاً مجبور تھی' وہ حذیفہ سے طلاق لینے کا فیصلہ کر چکی تھی۔

''تم ہوش میں تو ہو زینب! یہ کیا فضول بکواس کر رہی ہو؟''

حذیفہ کا پارہ ہائی ہو گیا۔

''میں اپنے حق کا استعمال کر رہی ہوں' جیسے آپ نے اپنے حق کا استعمال کیا' میں آپ کے ساتھ رہنا نہیں چاہتی.... مجھے طلاق چاہئے۔''

وہ اٹل انداز میں بولی۔

''تمہیں معلوم ہے ناں طلاق کو ہمارے معاشرے میں ناپسندیدہ خیال کیا جاتا ہے اور ہمارے مذہب میں بھی سب سے زیادہ ناپسندیدہ کام طلاق ہے' کیوں اپنی فضول ضد میں آ کر گھر برباد کرنا چاہتی ہو؟''

''آپ کے نزدیک صرف آپ ہی عالم فاضل ہیں' میں جانتی ہوں کہ طلاق ناپسندیدہ کام ہے' لیکن میں آپ کے ساتھ نہیں رہ سکتی۔''

''میں نے تم پر کبھی اپنی برتری نہیں جتائی' تم خود احساس کمتری کی بے وجہ شکار ہو' خود سے جانے کیا سوچتی رہتی ہو۔''

''یہ میرا اٹل فیصلہ ہے' جسے آپ تبدیل نہیں کر سکتے۔''

''اور اگر میں تم کو طلاق نہ دوں' کیونکہ مجھے تم سے بے پناہ محبت ہے۔''

''اگر محبت ہوتی تو دوسری شادی نہ کرتے۔''

''تمہاری رضامندی شامل تھی۔''

''اور اگر میں اجازت نہ دیتی تب رک جاتے؟''

''ہاں۔'' وہ طنزیہ ہنسی۔

''یہ کہنے کی باتیں ہیں' آپ کی والدہ پوتا پوتی کھلانے کو ترس رہی تھیں' پھر میں بددعا کیوں لیتی' خیر مجھے طلاق چاہئے۔''

''جب تم سمجھتی ہو تو مانتی کیوں نہیں ہو' جانتی تو ہو کہ میں مجبور تھا۔''

''میں بھی مجبور ہوں۔ لاکھ خود کو سمجھاؤں مگر سمجھوتہ نہیں کر سکتی۔''

حذیفہ کی ہر تاویل بے کار گئی تھی' خاندان والوں کی نصیحتوں کا بھی کوئی اثر نہ ہوا تھا' مہربانو سخت نالاں تھیں اس کے باوجود زینب نے حذیفہ احمد سے طلاق حاصل کر لی تھی۔

☆......☆

یہ فیصلہ آسان کب تھا' وہ تو جی جان سے حذیفہ سے محبت کرتی تھی' بس سمیہ سے شراکت داری برداشت نہ کر پائی' اس میں اتنا تحمل نہیں تھا اور حذیفہ.....

وہ بھی تو اسے چاہتا تھا' پھر اسے نہ چھوڑنے پر بضد کیوں نہیں ہوا؟ یہ زینب کا خیال تھا ورنہ خود حذیفہ احمد زینب سے دائمی جدائی پہ پریشان تھا' سمیہ کے گھر بیٹا پیدا ہوا تھا بیٹے کی پیدائش کے دو سال بعد حذیفہ احمد وجود میں پلتے کینسر سے لڑتے زندگی کی بازی ہار گیا تھا۔

ایک زمانہ مولانا حذیفہ احمد کے نام سے واقف تھا' چینلز پہ اس کی موت کی خبریں چل رہی تھیں اور زینب بلک بلک کر رو رہی تھی اس کا دل چاہا ایک بار

حذیفہ کا آخری دیدار کرلے مگر وہ تو نامحرم ہو چکا تھا' جسے دل۔ نے محرم تسلیم کرلیا تھا۔

"اپیا! آپ کا رونا بے فائدہ ہے' آپ کو کتنا سمجھایا تھا کہ اپنا فیصلہ بدل لیں' پتہ ہے اپیا حذیفہ بھائی آپ سے بہت محبت کرتے تھے۔ یہ بات وہ اکثر مجھ سے شیئر کرتے' جب آپ روٹھ کر آگئی تھیں تو وہ مجھے کہتے' فروا اپنی اپیا کو سمجھاؤ' میرے ساتھ یہ سلوک نہ کرے' میں مر جاؤں گا۔"

زینب دھاڑیں مار مار کر رو رہی تھی' مگر اب کیا فائدہ وہ شخص جو زندگی کا حاصل تھا اسے زمین نے خود میں بھر لیا تھا۔

☆......☆

حذیفہ کی موت کو تقریباً 5 سال گزر چکے تھے۔ ان 5 سالوں میں زینب کا غرور و طنطنہ ختم ہو گیا تھا' معاشرے میں جو مقام حاصل ہوا تھا طلاق کے داغ نے وہ مقام بھی چھین لیا تھا۔ وہ لوگ جو اسے باعث تکریم و تعظیم سمجھتے' اب اس سے دور بھاگتے تھے' اپنی بیٹیوں کو زینب کے سائے سے بچاتے کہ کہیں زینب کے مقدر کا سایہ نہ پڑ جائے' خاندان والے بھی کنارہ کش ہو گئے' ڈھیر ساری نفرتوں کے درمیان فخر بانو کی محبت تھی' جو وہ اپنے لئے محسوس کرتی' مہر بانو تک اس سے خفا تھیں۔ اس سے بات نہیں کرتی تھیں' فروا اپنی دنیا میں مگن تھی اور ایسے میں فخر بانو نے "ابو ہریرہ" کا پرپوزل دیا۔ زینب کو شرمندگی نے آن لیا' کیونکہ اب وہ "طلاق یافتہ" اور ٹھکرائی ہوئی لڑکی تھی' ابو ہریرہ جیسے پاکباز کے قابل خود کو نہ سمجھتی تھی' اسے آج سے چند سالوں پہلے والا اپنا ہتک آمیز رویہ یاد آیا' جو وہ ہریرہ سے روا رکھتی تھی اور پھر حذیفہ کی محبت.....

اس نے انکار کرنا چاہا لیکن اب کی بار فخر بانو بول پڑیں۔

"میں جانتی ہوں کہ تم کس بات کو وجہ بنا رہی ہو؟ مگر وقت وقت کی بات ہے زینب! تم اپنی جگہ درست تھیں ابو ہریرہ میرا فرماں بردار بیٹا بن گیا ہے۔" یقین کرو اسے میرے فیصلے سے اختلاف نہیں ہے وہ تمہارا خیال رکھے گا۔"

زینب ایک نظر مہر بانو اور فخر بانو کے امید بھرے چہروں پر ڈال کر بولی۔

"ٹھیک ہے جیسے آپ سب کی خوشی۔"

زینب اپنے دل میں حذیفہ کی محبت کو راز کی طرح چھپائے ابو ہریرہ کا گھر آباد کرنے آ گئی تھی۔ ابو ہریرہ اس کا بہترین فیصلہ ثابت ہوا تھا' زینب نے جانا وہ منافق نہیں مومن تھا۔ ابو ہریرہ نے اسے بے پناہ محبت دی تھی' وہ شرمندہ ہو کر ماضی کی باتوں پہ معافی مانگتی تو وہ اس کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیتا۔

"خاموش..... یہ سب تقدیر میں رقم ہو چکا ہوتا ہے' جسے ہم بدل نہیں سکتے۔"

وہ جو میڈیکل رپورٹ کے مطابق بانجھ تھی' خالہ اور ہریرہ کی منتوں' مرادوں اور دعاؤں سے صاحب اولاد ہونے والی تھی۔

حیرت اور خوشی کے ملے جلے تاثرات تھے پھر نجف اور عمار نے ان کی فیملی مکمل کر دی۔

ابو ہریرہ نے دونوں کے کان میں اذان کہنے کے بعد چھوٹا سا سبز عمامہ عمار کے سر پہ باندھ کر نعلین مقدس کا نقش سینے پر رکھا۔ نجف کے سر پر چھوٹی سی سبز پٹی باندھی اور آب زمزم پلایا۔

"مبارک ہو زینب! اب ہمارے بچے مسلمان ہو چکے ہیں۔"

پھر بیٹا' بیٹی کی پیدائش کی خوشی میں میلاد کروایا' جس میں خاندان کے لوگ اکٹھے ہوئے تھے' دونوں میاں بیوی نے اپنی پرسوز آوازوں میں آقا کی بارگاہ میں ہدیہ تبرک پیش کیا۔

چھوڑ فکر دنیا کی چل مدینے چلتے ہیں
مصطفیٰ غلاموں کی قسمتیں بدلتے ہیں....

ایک سماں سا بندھ گیا تھا۔ ہر آنکھ اشکبار تھی۔

میلاد شریف کی محفل کے اختتام پہ ابو ہریرہ نے اسے اپنے عالم فاضل ہونے کی سند دکھائی تھی۔

زینب آنکھوں میں آنسو لئے اس سند کو خوشی سے چوم رہی تھی۔ پھر ٹھیک تین سالوں بعد دونوں میاں بیوی حج کے لئے پرواز کر چکے تھے' زینب کے ساتھ بیٹھ کر وہ ہولے ہولے نعت پڑھ رہا تھا۔

مدینہ آنے والا ہے مدینہ آنے والا ہے
ہوئی امید بر آور مدینہ آنے والا ہے۔

"اب کچھ آگے بھی تو پڑھیں ناں کہ بس یہیں پر Stop ہو گئے ہیں۔" زینب کے جھنجلا کر کہنے پر ابو ہریرہ مسکرا کر بولا۔

"آگے تم سناؤ گی۔"

"میں....."

"ہاں۔"

"مگر جہاز میں۔" زینب ہچکچائی۔

"میرے کان میں۔" ابو ہریرہ نے تجویز پیش کی' زینب کچھ لمحے سوچ کر اپنا منہ اس کے کان کے قریب لے جاتے ہوئے پڑھنے لگی۔

ابو ہریرہ نے مسرور ہو کر اس کا بازو تھام لیا اور مدینہ کی مقدس سرزمین پہ قدم رکھا۔

حضور اکرمؐ کے روضہ مبارک کی جالیوں کو چومتے ہوئے زینب کی ہچکی بندھ گئی' دل اپنی خطاؤں پہ تڑپ تڑپ کر معافی کا خواستگار ہوا جا رہا تھا۔

حذیفہ احمد کے ساتھ کی گئی زیادتی یاد آ رہی تھی کہ ایک خوبصورت لہجہ فضا کو معطر کر گیا۔

خوب رو رو کر وہاں غم کا فسانہ کہنا
غمزدو آؤ چلیں' سرکارؐ کے پاس....
پیش کرنے کے لئے کچھ نہیں بدکار کے پاس
ڈھیروں عصیاں ہیں گنہگاروں کے سردار کے پاس

نہایت سوز و ترنم میں ڈوبی آواز پر زینب نے چونک کر سر اٹھایا اور جامد ہو گئی۔ سفید لباس' سبز عمامہ اور نورانی چہرہ جو آنسوؤں سے بھیگا ہوا تھا' وہ ہو بہو وہی تو تھا۔

"حذیفہ احمد....." اس نے کرب سے کہتے ہوئے' حذیفہ کے ہونے کا یقین کرنے کے لئے اسے چھونا چاہا مگر وہ تو مسکراتا ہوا پل بھر میں نظروں کے سامنے سے غائب ہو چکا تھا' وہ جالیوں کے ساتھ لپٹ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

"بہترین کی تلاش میں' اپنی انا اور غرور کے داؤ میں کیسے کیسے ہیروں سے محروم ہوئی تھی۔"

"مجھے معاف کر دیں آقا"

مجھے اپنے رب سے معافی کا پروانہ لے دیں اور حذیفہ احمد آپ بھی مجھے معاف کر دینا میں ناعاقبت اندیش علم و ذات کے غرور میں کسی کا مقام سمجھ نہ پائی۔"

اور پھر آخری ہچکی اس نے جالیوں کے پاس نمدیدہ آنکھوں والے پاکباز ابو ہریرہ کی بانہوں میں لی تھی' وہ بھیگی آواز میں کہہ رہا تھا۔

"میں اب تمہارے لئے ہرگز نہیں روؤں گا؟ میں یہ شکوہ ہرگز نہیں کروں گا کہ قسمت نے تمہیں مجھ سے پھر دور کر دیا ہے ہاں میں ناز کروں گا تمہاری خوش نصیبی پر کہ میری زینب آقاؐ کے دیار میں... جالیوں کے پاس سرکار کے قدموں پر نثار ہوئی ہے یقیناً تم کو جہنم سے آزادی کی سند اور بخشش کا پروانہ مل گیا ہوگا۔"

فضا میں کوئی لہجہ بکھرا تھا۔

آنکھ جب سبز گنبد کا نظارا دیکھے
دم نکل جائے میرا کاش جالیوں کے پاس

☆......



ملالہ اسلم

افسانہ

محبتوں کے اعتراف

"تم کب آئی ہو؟" اس نے کوئی چوتھی بار اس سے پوچھا تھا۔ ہر بار کی طرح اب بھی وہ خاموش تھی۔

"تم اب کچھ بتاؤ گی بھی یا نہیں۔" عدیم اس کی مسلسل خاموشی سے اکتا گیا تھا، جب کہ اس نے بس دیکھنے پر اکتفا کیا تھا۔

"عدیم! سب نے مجھے چھوڑ دیا۔" وہ ایک دم مضطرب ہوگئی آواز کا بوجھل پن اور آنکھوں کی نمی عدیم نے واضح طور پر محسوس کی تھی۔

"یار! میں نے پہلے بھی تمہیں سمجھایا تھا، کچھ پانے کے لئے کچھ کھونا بھی پڑتا ہے۔" وہ ایکدم اٹھتے ہوئے زور سے بولا، جس پر اس نے تڑپ کر دیکھا تھا۔ ہمیشہ سے اس کے تنہا ہونے اور مشکل میں ہونے کا احساس اعصاب پر جمود کا باعث بن رہا تھا۔

"ٹھیک کہہ رہے ہو مگر مجھے بتاؤ اب تک میں نے کیا پایا ہے؟" وہ بے دردی سے آنسو صاف کرتی اس کے سامنے آکھڑی ہوئی۔

"میں کہاں ہوں عدیم! مجھ سے پوچھے بغیر میری زندگی کا فیصلہ کیا گیا میں چپ رہی۔ سارا دن کولہو کے بیل کی طرح جتی رہتی، مگر کبھی آنٹی کو بات کرنا تو درکنار میری طرف دیکھنا انہیں گوارہ نہیں تھا مگر میں نے سب برداشت کیا صرف تمہارے کہنے پر۔" اس کی سسکیاں بڑھ گئی تھیں۔

"میرا جرم کیا تھا آخر؟ میں نے اپنی انا، خودداری سب ان لوگوں پر قربان کر دیا مگر صلے میں مجھے کیا ملا ہے؟" اس کی آنکھوں سے آنسو بے آواز بہتے جارہے تھے۔

"اب کیا ہوا ہے؟" اس نے استحقاق بھرے لہجے میں اس سے پوچھا۔

"عاطف نے مجھے طلاق دے دی ہے۔" وہ کانپتے لہجے میں اتنا ہی گھٹی آواز میں بول سکی تھی، جب کے عدیم شاکڈ رہ گیا تھا، وہ نہیں جانتا تھا وہ آگے کیا بول رہی ہے۔ وہ کچھ اور بھی بتارہی تھی عدیم کو اس کی آنکھوں میں اترتی دھند کے سوا کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ وہ شکست خوردہ سا خاموش گھر سے چلا گیا تھا۔

☆......☆

حسام الحسن اور سکینہ کے تین بچے تھے۔ بڑی بیٹی انیلہ حسن جو کہ اتنی خوبصورت تھی کہ کوئی بھی پہلی نظر میں دیکھ کر اس کی خواہش کرسکتا تھا۔ اس کے بعد ناعمہ حسن جس کی لائٹ براؤن آنکھیں، صراحی دار گردن، سب سے بڑھ کر کالی گھٹاؤں جیسے بال اسے خاص بناتے تھے، مگر انیلہ کی خوبصورتی اس کے حسن کو ہمیشہ مات دیتی تھی۔ انیلہ حسن کو یہی چیز ہمیشہ مغرور بنادیتی اور وہ اس بات کا ناعمہ سے کھل کر اظہار بھی کردیتی، جس پر آج بھی تکلیف دہ احساس اس کے رگ و جاں میں اتر جاتا تھا۔ اس کے بعد سب کا لاڈلا احتشام الحسن جو بالکل ناعمہ حسن کی کاپی تھا مگر اس کی بڑی بڑی آنکھیں اور مسکراہٹ ہمیشہ اسے منفرد بنادیتی۔ حسام

الحسن اور سکینہ نے اپنی ہی زندگی میں تینوں بچوں کی شادی کردی۔ وقت گزرتا گیا دونوں میاں بیوی منوں مٹی تلے سوگئے تھے۔ سب اپنی اپنی زندگیوں میں مصروف ہوگئے مگر اولادیں ہونے کے بعد بھی انیلہ حسن گاہے بگاہے ناعمہ حسن کو زچ کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتی رہتی لیکن ابھی قدرت نے ان کے دامن میں خوشیاں ڈالنی تھیں، ابھی چار سال بعد پیاری سی بچی کو جنم دیا مگر دوران زچگی انتقال کرگئیں، تب زوار صدیقی کو گھٹا ٹوپ اندھیرے کے سوا کچھ دکھائی نہ دیتا تھا۔ انیلہ حسن کے خود تین بچے تھے وہ یہ کہہ کر انکار کرگئی تھیں کہ عاطف اور شازمہ بہت چھوٹے ہیں۔ احتشام الحسن سے برداشت نہ ہوا تو انہوں نے ملائم لہجے میں زینب سے اپنی خواہش کا اظہار کیا اور اس طرح بانہیں وا کرکے سمیٹ لیا، زینب نے بھی پیشانی پر بل لائے بغیر غنویٰ پر اپنی ممتا بے دریغ لٹائی تھی۔ عدیم بھی اس پیاری سی بچی کے ساتھ کھیلتا تب زینب کو ایک خیال آیا اور انہوں نے اس پر عمل بھی کردیا۔ کچھ وقت سرکا بچے بڑے ہوگئے لیکن زوار صدیقی کے زندگی کے دن پورے ہوگئے تھے۔

انیلا کو یہ سب برداشت نہ ہوتا۔ انہیں عدیم اور زینب کی غنویٰ کے لئے پسندیدگی ہمیشہ اذیت دیتی۔ وہ عدیم کو شازمہ کے لئے چاہتی تھی۔ ایک دن احتشام الحسن اور زینب کی روڈ ایکسیڈنٹ میں ڈیتھ ہوگئی اور عدیم اور غنوی کی زندگی اندھیر ہوگئی۔ انیلہ کو بھی بھائی کی موت نے افسردہ کردیا تھا، لیکن اب ان کے لئے راستہ ہموار تھا۔ وہ جانتی تھیں غنوی، عدیم کے سنگ بہت خوش ہے، لیکن اب وہ زینب اور اپنے چاچو کی جھلک دیکھنے کے لئے ترپتی۔ عدیم کی عمر بڑھنے کے ساتھ شعور بھی بڑھا تو پتا چلا کہ یہ پسندیدگی تو جانے کب محبت میں ڈھل چکی ہے۔ مگر انیلا حسن یہ کہہ کر غنوی کو اپنے ساتھ ہمیشہ کے لئے لے آئیں۔ ”خاندان والے باتیں بنائیں گے بہتر ہے میں غنوی کو یہاں سے لے جاؤں۔“ انہوں نے یہاں بھی الٹی چال چلی اور عاطف کے منع کرنے کے باوجود اس کی منگنی کردی۔

☆......☆

وہ کچن میں تھی ڈور بیل ہوئی۔ اس نے ہاتھ دھوئے مگر دروازے پر بجتی مسلسل گھنٹی نے اس کی کوفت کو غصے میں تبدیل کردیا۔

”کون ہے؟ آرہی ہوں۔“ غنوی نے دھاڑ سے دروازہ کھولا۔ پلٹنے والی تھی جب اس کی نظر عدیم پر پڑی۔ وہ حیرانگی سے اسے دیکھنے لگی، جو بلیک پینٹ شرٹ میں اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

”اندر نہیں بلاؤ گی؟“ اس کے کہنے پر وہ چونک کر سائیڈ پر ہوئی وہ اندر آگیا۔

وہ صوفے پر بیٹھتے ہوئے سب کا پوچھنے لگا۔

”کوئی نظر نہیں آرہا، کہاں ہیں سب؟“ غنوی نے اسے ایک نظر دیکھا پھر گہری سانس لیتے ہوئے گلاس اس کی طرف بڑھا دیا، جسے اس نے خاموشی سے تھام لیا۔

”آنٹی اور شازمہ بوتیک گئے ہیں، عانیہ کالج اور عاطف رات کی فلائٹ سے امریکہ چلا گیا تھا، جب کہ انکل اپنے کمرے میں۔“ غنوی نے اسے تفصیلی جواب دیا دونوں کی نظریں اٹھیں اور ملیں پھر وہ نظریں جھکا گئی۔ کمرے میں خاموشی کی برف جم گئی تھی۔

”غنوی......“ وہ کب تک ایسے بیٹھی رہتی اسے دیکھا جو بالکل قریب کھڑا تھا ایک لمحے کے لئے تو وہ گھبرا گئی پھر آہستہ سے کھڑی ہوگئی۔

”تم خوش ہو؟“ اس نے اس کے شانوں پر ہاتھ دھرے اس کا دل ایک دم دھڑکا تھا، وہ بت کی مانند ساکت وجامد اسے دیکھ رہی تھی جواب اسے خود میں بھینچے جانے کیا کہہ رہا تھا۔ اس کا ہاتھ تھام کر اپنے دل پر رکھا غنوی کی جیسے نبض تھم گئی، اس کا لمس تھا کہ انگارہ جس نے پورے وجود کو دہکا دیا تھا، اس نے یکلخت

ہاتھ کھینچ لیے اور دور جا کھڑی ہوئی۔

”عدیم! پلیز لیو می آلون۔“ اس نے اسے بغور دیکھا جس کی شکل متغیر ہو رہی تھی، تبھی کھٹکے کی آواز پر دونوں کی نظر اٹھی جہاں شمس الدین نے انہیں اپنی قہر برساتی نظروں میں لے رکھا تھا۔

”بے غیرت انسان تجھ سے یہی توقع کی جاسکتی تھی مگر کیا تجھے میرا ہی گھر ملا تھا پلید کرنے کے لئے۔“ اس کی زبان سے نکلتا زہر غنوی کے ہی نہیں عدیم کے بھی پرخچے اڑا دیے تھے۔

”نکل جا یہاں سے۔“ اس نے چیخ کر کہا تھا اور عدیم خاموشی سے نکل گیا تھا، اس کے بعد غنوی کی زندگی میں بھونچال آگیا اس کا نکاح عاطف سے کردیا گیا۔ غنوی نے پہلی دفعہ عدیم کو کال کی تھی، اسے بتانے کے لیے کہ وہ 'خوش' نہیں ہے مگر عدیم نے اس کی کال یہ کہہ کر کاٹ دی تھی۔

”غنوی! کچھ پانے کے لیے کچھ کھونا پڑتا ہے۔ تم اپنی محبتوں اور چاہتوں سے سب کا دل جیت سکتی ہو، آنٹی کا کہنا ہے وہ شازمہ سے میری شادی کریں گی مگر تم جانتی ہو ایسا کبھی نہیں ہوسکتا تبھی میں تم سے دستبردار ہوگیا ہوں۔ اب تم کسی کی منکوحہ ہو۔ مجھے آواز مت دینا۔“

غنوی پھر کبھی اس کو آواز نہیں دے سکتی تھی، انیلا کی ڈیتھ ہوگئی اور عاطف نے غنوی کو ہمیشہ کے لئے اپنی زندگی سے نکال دیا۔ عدیم نے پھر کبھی آشیانہ میں قدم نہیں رکھا تھا، مگر آج وہ وقت آگیا تھا۔

☆......☆

کافی وقت بیت گیا آج وہ پھر اسی محل کے لان میں کھڑا اپنی ہی سوچوں میں غلطاں تھا۔ آج بھی وہ اپنی جان سے عزیز ہستی کے لیے خود کو مٹا کر آیا تھا۔ اس سے پہلے وہ کچھ اور سوچتا تبھی اس کا کندھا کسی نے ہلایا۔

”تم......عدیم!“ یہ عانیہ تھی جو آج بھی ویسے ہی چہکی تھی۔

”شازمہ کدھر ہو؟ دیکھو عدیم آیا ہے۔“ وہ بے تکلفی سے اندر بڑھ رہی تھی اس کا ہاتھ تھامے پکار رہی تھی۔

”عدیم! کہاں چلے گئے تھے تم؟ تم جانتے ہو نا میں کتنا پیار کرتی ہوں تم سے۔“ وہ آگے بڑھی اور اس کا ہاتھ تھام لیا مگر اس نے واپس کھینچ لیا۔

”اچھا یہ بتاؤ آج تمہیں کس کی یاد کھینچ لائی؟“ شازمہ چہکتے ہوئے اس کے قریب ہی صوفے پر بیٹھ گئی۔

”سچ بتاؤں؟“ اس نے گردن موڑ کر پوچھا۔

”آف کورس۔“ وہ بے چینی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

”غنوی صدیقی۔“ اس نے کہا تو جہاں شازمہ ہکا بکا رہ گئی وہیں عانیہ نے بتیسی باہر نکالی، مگر وہ جانتی تھی شازمہ کے قہر کو آواز دی ہے۔

”واٹ...... تمہیں وہ دو ٹکے کی لڑکی اب بھی نہیں بھولی۔“ شازمہ زخمی شیرنی کی طرح چیخی تھی۔

”شٹ اپ شازمہ! جس سولی پر تم لوگوں نے اسے لٹکایا تھا نا، آج تم نے خود اسے اتار دیا ہے، تمہیں کیا لگتا تھا میں غنوی کو حاصل نہیں کرسکوں گا، بھول تھی تمہاری، جس مشکل میں تم نے مجھے ڈالا آج عاطف نے مجھے نکال دیا ہے۔ تھینکس کہنے آیا تھا مگر اب دیر ہو رہی ہے، ہم شادی کر رہے ہیں انویٹیشن مل جائے گا، میں انتظار کروں گا۔“ اس نے مسکرا کر شازمہ کا چہرہ چھوا اور باہر نکل گیا۔ یہی مسکراہٹ شازمہ کو اذیت دے گئی تھی۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنے سر کو تھاما عانیہ اپنی بہن کی طرف بڑھی جو حواس کھو چکی تھی۔ واپسی پر عدیم کے چہرے پر مطمئن سی مسکراہٹ بکھری تھی۔ اسے گھر پہنچنے کی جلدی تھی جہاں اسے اعتراف کرنا تھا اپنی محبت کا۔

......☆......

ریما نور رضوان

افسانہ

زندگی سنور گئی

تم تو کہتے تھے جاناں
تم کو بھول نہ پاؤں گا
پھر اس بار بن تیرے
میرا ویلنٹائن کیوں گزرہ
تیری سوچ میں میرا خیال کیوں نہ اترا
تم سے یہی گلہ ہے جاناں
تم بن میرا اس بار
ویلنٹائن ڈے کیوں گزرا

انشراح SMS پڑھنے میں مگن تھی۔

منیزہ دھڑام سے دروازہ کھول کر آ گئی تھی۔

''منیزہ! کچھ مینرز سیکھو، کسی کے روم میں آنے سے قبل ناک کرتے ہیں۔'' انشراح نے ناراضی سے ڈپٹ کر کہا۔

''ڈیئر انشو! یہ تمہارا اور میرا مشترکہ روم ہے اور نہ میں کوئی غیر ہوں۔ تمہاری چچا زاد تمہاری گہری دوست اور نند ہوں۔'' منیزہ نے آج نند پر زور دے کر کہا تھا۔

انشراح نے بے ساختہ موبائل پلو میں گرا دیا تھا۔

''منیزہ! میں علی کو نہیں چھوڑ سکتی۔ منیزہ تجھے تو ساری حقیقت معلوم ہے، میں جس راستے کی مسافر بن گئی ہوں۔ اس راستے پر نہ چاہتے ہوئے بھی لوٹنا امپاسیبل لگتا ہے۔ سچ یار میں خود کو بہت بے بس فیل کرتی ہوں۔ میں علی عثمان کے بغیر جینے کا تصور نہیں کر سکتی۔ یار یہ یکطرفہ چاہت نہیں ہے۔ دوطرفہ محبت ہے۔ منیزہ وہ پرپوزل بھیجنے والا ہے۔'' انشراح، منیزہ کا ہاتھ تھام کر نمناک لہجے میں بول رہی تھی۔

''انشراح! میں تمہیں کوچنگ کے فرسٹ ڈے سے سمجھا رہی ہوں۔ تم نے خود سب کچھ جانتے بوجھتے خود کو اس بے بسی میں مبتلا کیا ہے۔ یہ کھیل ختم ہی ہونا تھا۔ ہماری برادری میں رشتے باہر نہیں ہوتے۔ تم کیسے فراموش کر سکتی ہو یہ حقیقت ہماری دو پھوپھو اس دنیا سے کنواری چلی گئیں۔ جب ہمارے بڑوں نے ادینہ اور پھوپھو کی شادی برادری سے باہر نہ کی۔ جوڑ کا بر نہ تھا۔ تمہارا تو جوڑ ہے۔ تم مانگ ہو میرے بھائی ارحم کی۔ تمہیں کیسے کیونکر برادری سے باہر رخصت کر سکتے ہیں۔'' منیزہ نے چند لمحات رک کر پھر بولنا شروع کیا۔

''ارحم میں کیا برائی ہے؟ وہ تمہیں کتنا چاہتے ہیں۔ ہمارے گھرانے کی لڑکیوں نے کوچنگ نہ دیکھا تھا۔ تمہاری ضد کو صرف ارحم بھائی نے پورا کیا ہے۔ سوچو وہ تمہیں کتنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے تایا ابو، چاچو، پپا سب کو منایا تمہیں کوچنگ ایڈمیشن دلایا۔ تمہارے ساتھ میں بھی کوچنگ ٹائم

انجوائے کر پائی۔ قصہ کہانیوں میں بہت پڑھا تھا۔ کوچنگ محبت کا لیکن یہ نہ تھا کہ تم جو ینگ جنریشن کی سب سے ہونہار، ذہین، قابل لڑکی کا خطاب جیت چکی ہو۔ چھوٹے بچا ہے۔ وہ بھی پڑھائی کی آڑ میں محبت کے شکنجے میں پھنس جائے گی۔ علی عثمان لفنگا ہے۔ وہ ہر نئی لڑکی کے ساتھ افیئر چلاتا ہے۔ مجھے فرینہ (کوچنگ کی کلاس فیلو) نے علی کی تمام تر حقیقت بتا دی ہے۔ انشراح، ارحم بھائی تمہیں ہمیشہ خوش رکھیں گے۔ میرا یقین مانو، علی تمہارے قابل نہیں۔ میں تو تمہیں سمجھا سمجھا کر تھک چکی ہوں۔'' منیزہ نے افسردگی و تاسف سے کہا۔

''منیزہ! علی اپنی مما اور بھابھی کو گھر بھیجنے کا کہہ رہا ہے۔ منیزہ کیا ہوگا۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا ہے۔ پلیز میری ہیلپ کرو یار۔'' انشراح رونے لگی تھی۔

''ہونا کیا ہے۔ تمہیں اچھی طرح پتہ ہے۔ تمہارا رشتہ کسی بھی قیمت پر غیر برادری میں نہیں ہوسکتا۔ تمہارا کردار سب پر کھل گیا تو اس حویلی کے کسی کونے پر پرانی ردی کی طرح پڑی رہو گی۔ مجھے نہیں لگتا کہ سید ارحم ابرار شاہ کا اتنا ظرف ہے کہ وہ تمہیں اس حقیقت کو جاننے کے بعد اپنانے کی خواہش ظاہر کرے گا۔'' منیزہ نے انشراح کو حقیقت سے آشنا کروایا تھا۔ انشراح کی تمام تر سوچیں یکلخت بدلی تھیں۔

''منیزہ! پلیز مجھے ردی بننے سے بچالو۔ میں اپنی خطا پر نادم ہوں۔ مجھ سے بھول ہوگئی تھی۔ میں بھٹک گئی تھی۔ تم میرے تمام تر راز اپنے سینے میں دفن کرلو۔ خدارا مجھے معاف کردو۔'' انشراح پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

منیزہ نے انشراح کو گلے لگا لیا تھا۔

☆......☆

''منیزہ! تیرے بھائی کو ویلنٹائن ڈے ہی ملا تھا شادی کے لیے۔ بھلا بتاؤ، گھومنے پھرنے چاہتوں کو سیلیبریٹ کرنے کی بجائے۔ شادی رچائی جارہی ہے حد ہوگئی۔'' انشراح دلہن بنی اسٹیج پر بیٹھی بڑبڑا رہی تھی۔

''انشراح! حد تو تم سے ہوگئی۔ دلہن بنی بیٹھی ہو۔ کچھ تو لحاظ کرو اپنی پوزیشن کا، اتنی بے باکی بھی اچھی نہیں ہوتی۔ جتنی بے شرمی کا مظاہرہ کرنا ہے ارحم کے سامنے کرنا، وہ محظوظ ہوگا۔'' منیزہ نے ایسی بات بولی تھی کہ انشراح تلملا کر رہ گئی تھی۔

''منیزہ کی بچی۔'' انشراح نے منیزہ کو زوردار کونی ماری تھی۔

مووی اور کیمرے انشراح اور ارحم کے پوز قید کررہے تھے۔ منیزہ کے طویل لیکچر نے انشراح کو اندھیرے راستوں کا مسافر بننے سے بچالیا تھا۔ آج وہ خوش باش اس کے بھائی کی سنگت میں اپنی زندگی کے حسین لمحات انجوائے کررہی تھی۔

وہ شناسائی جو فوری ہوجائے اور رگ جان کے قریب محسوس ہو۔ جس پر اپنے خونی رشتے وار دیں، وہ محض دھوکے کے سوا کچھ نہیں۔ انشراح کے ساتھ بھی یہی ہوا تھا مگر منیزہ نے اسے غلط راستوں پر چلنے نہ دیا۔ اپنی زندگی خود سنواریں اور سنبھلیں ہر کسی کی زندگی میں منیزہ جیسی دوست نہیں ہوتی۔

......☆......

مبشرہ ناز

افسانہ

کوئی ایسا اہل محبت ہو



شہید پارک میں شام کے سائے دھیرے دھیرے اپنے پر پھیلانے لگے تھے۔ شام کے بڑھتے سایوں کو دیکھ کر پھول پودے بھی سبک خرامی سے اپنے پھیلے پتوں کو سمیٹ کر تنوں کی آغوش میں پناہ لینے لگے تھے۔ وہ خاموشی سے سنگی بینچ پر بیٹھی گھٹنوں میں منہ چھپائے اردگرد سے بے نیاز تھی۔ کرنل آفاق نے اسے دور سے دیکھا وہ آج بھی اپنی مخصوص نشست پر اپنے مخصوص انداز میں بیٹھی تھی۔ نظروں کی تپش پر اس نے سر اٹھا کر کرنل آفاق کی طرف دیکھا۔ جب ہی اس کی نظر جاگنگ ٹریک پر بھاگتے ہوئے سفید ڈریس پہنے اس شخص پر چلی گئی۔ ماتھے پر گرے سیاہ بال اور اس کی سرخ وسپید رنگت میں سرخیاں جھلکنے لگی تھیں۔ اس شخص نے دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھ کر رکوع کے انداز میں جھکائی دی اور ایک جھٹکے سے اٹھ کر دوبارہ بھاگنا شروع کر دیا۔ عزہ کی نظریں اس شخص پر تھیں وہ الوژن کا شکار ہونے لگی۔ وہ ہو بہو وہی تھا جو آج بھی اس کے دل کی مسند پر براجمان تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ اپنے الوژن میں گم ہو کر اسے پکار بیٹھتی۔ وہ گیٹ کے پاس پہنچ چکا تھا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ گیٹ سے باہر نکل گیا اور اس کے باہر نکلتے ہی عزہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ انہوں نے جاگنگ ٹریک پر اپنا چوتھا چکر مکمل کیا اور پانچواں چکر شروع کرنے کے بعد وہ بیچ راستے میں سے رخ موڑ کر اس کی طرف بڑھ گئے۔

"ہیلو لٹل گرل! کیا میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں۔" کرنل آفاق نے نیم مزاحیہ انداز اختیار کر کے اس کی سیاہ نم آنکھوں سے نظریں چرائیں اور اس کے سر پر ہاتھ رکھا تو دو آنسو لڑھک کر اس کے گالوں پر آ گئے، جسے سرعت سے اس نے پونچھ لیا۔ وہ کافی دیر تک بیٹھے اس سے پارک میں بھاگتے بچے اور ٹہلتے کپلز (جوڑوں) پر سیر حاصل تبصرہ کرتے رہے لیکن پھر کچھ دیر بعد ہی انہوں نے اس کی بے توجہی محسوس کر کے اسے اٹھنے کا اشارہ کیا اور خود داخلی دروازے کی طرف بڑھ گئے۔ سیاہ کارتول پر پھیلتی سورج کی نرم کرنیں بادلوں کے پیچھے چھپنے لگی تھیں۔ ہوائیں زور وشور سے اس کی آوارہ لٹوں سے شوخ و شنگ شرارتیں کر رہی تھیں لیکن وہ ہر چیز سے بے نیاز ان کے پیچھے چل رہی تھی۔ اپنی سوچوں میں گم کرنل آفاق کے پیچھے چلتی ہوئی وہ کب کالونی کی طویل سڑک پار کر آئی تھی۔ اس بات کا احساس اسے جی ایچ کیو کے سائن بورڈ کو دیکھ کر ہوا۔ کچھ فاصلے پر ملٹری کا آفیسرز کلب تھا جس کی پیشانی پر نمایاں لفظوں میں پنڈی آفیسرز کلب کندہ تھا اس نے سر اٹھا کر ڈوبتے سورج کی روشنی میں ان لفظوں کو چمکتے دیکھا اور کرنل آفاق کی ہمراہی میں کلب کی طرف قدم بڑھا دیے۔ پنڈی آفیسرز کلب اس کے لیے نیا نہیں تھا۔ اس کا لڑکپن کرنل آفاق کے ساتھ کلب میں ہونے والی تقریبات میں شرکت کرتے گزرا تھا مگر آج وہ کافی عرصے بعد اس حصے کی طرف آئی تھی۔ کرنل آفاق کو انٹرنس پر ان کے کچھ دوست مل گئے جن سے سلام دعا کے بعد وہ کلب میں موجود تمبولا کھیلتے دوسرے آفیسرز کی طرف بڑھ گئے، انٹرنس سے داخل ہوتے ہوئے اس نے دیکھا فوج کے سپہ سالار اندر آ رہے تھے اور جا رہے تھے۔ وہ داخل ہوئی تو باوردی اہلکار نے عزت سے سر جھکا کر اس کو سلیوٹ کیا تو اس نے بھی جواباً سر کو خم دے کر عزت سے اس کا شکریہ ادا کیا اور اندر بڑھ گئی۔ بنیادی طور پر کلب کو چند حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ اس نے سنگ مرمر سے بنی روش کو دیکھا اور اس کے گرد پھیلا حسین سبزہ جو کسی کا بھی دل موہ لینے کے لیے کافی تھا لیکن اس کے اندر تنگی گھلنے لگی۔ وہ کلب کے سبزہ زار کی طرف بڑھ گئی۔ میجرز اور جرنلز ٹولیوں کی شکل میں بیٹھے۔ ساتھ بلند و بانگ قہقہے بھی لگا

رہے تھے۔ سنگ مرمر سے بنی روش پر کھڑی وہ یک ٹک سامنے بیٹھے میجرز اور کرنلز کو بے فکری سے قہقہے لگاتی دیکھ رہی تھی اور اس کے اندر اندھیرا بڑھتا جا رہا تھا۔ جبھی سامنے سے آتے چہرے پر اس کی نظر گئی تو اس نے بے یقین نظروں سے اسے دیکھا، جو کسی سپاہی کو ہدایات دے رہی تھا۔ وہ وہی تھا جس کو اس نے تھوڑی دیر پہلے ہی پارک میں دیکھا تھا۔ اسے لگا اس کی طلسماتی شخصیت نے پیناٹائز کر دیا ہے اور سعد آفاق کے بعد وہ پہلا شخص تھا جس کی کشش نے بے ساختہ عزہ ابراہیم کو اپنی طرف کھینچا تھا۔ اسے لگا وہ الوژن کا شکار ہو رہی ہے، وہ جہاں جاتی ہے وہ شخص پہلے سے موجود ہوتا ہے۔ یکدم وہ منہ پر ہاتھ رکھ کر اپنی چیخوں کا گلا گھونٹتی الٹے قدموں واپس بھاگ گئی، اس بات سے قطع نظر کہ کتنے لوگوں کی نظریں اس پر تھیں جس میں اس لڑکی کے لیے ہمدردی اور ترحم کے سوا کچھ بھی نہ تھا۔ میجر ابوبکر کی نظر بھی اس لڑکی پر پڑ چکی تھی۔ جو اردگرد سے بے نیاز یک ٹک کبھی اس ماحول کو دیکھ رہی تھی اور کبھی اسے لیکن اس کے ردعمل نے میجر ابوبکر کو بھی ورطہ حیرت میں ڈال دیا تھا۔

☆......☆

کمرہ نیم تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا لیکن اس تاریکی میں بیڈ پر گرا وجود طوفان میں ہچکولے کھاتی کشتی کی طرح لرزتے اور ہچکولے کھاتا ہوا صاف محسوس ہو رہا تھا۔ کمرے کی ابتر حالت عزہ کی ذہنی و جسمانی ابتری کی گواہ تھی۔ بیڈ شیٹ آدھی بیڈ پر تھی اور آدھی زمین پر لٹک رہی تھی۔ ایک تکیہ ڈریسنگ ٹیبل کے آگے اور دوسرا کمرے کے بیچوں بیچ پڑا ہوا تھا۔ صوفوں کے کشن اِدھر اُدھر بکھرے ہوئے تھے۔ ڈریسنگ ٹیبل پر موجود آرائش حسن کا سامان زمین پر بکھرنے سے اپنی ناقدری کے علاوہ اس خوشبو کی موت پر نوحہ کر رہی تھیں جو اپنی مالکن کی محبت ہونے کے باوجود آج اسی کے ہاتھوں بے درد موت کا شکار ہوئی تھی۔ Desire کی بوتل قطرہ قطرہ قالین میں جذب ہو گئی تھی اور اب پورا کمرہ خوشبو سے مہک گیا تھا۔ Desire کی تیز ترین مہک کا کمال تھا۔ ان کی ذہنی ابتری کا یا پھر کمرہ میں موجود اس نادیدہ وجود کے احساسات کا کہ عزہ ابراہیم کے حواس آہستہ آہستہ ساتھ چھوڑنے لگے تھے۔

"سعد تم آجاؤ، سعد مجھے بھی اپنے ساتھ لے جاؤ۔" سرگوشی کرتے کرتے وہ ماضی کی دبیز تہہ میں اتر گئی۔ وہ اس کا الوژن تھا۔ ماضی تھا یا جو بھی لیکن عزہ ابراہیم کو اس سے دست برداری کسی طور قبول نہ تھی۔

اے راہ حق کے شہیدوں وفا کی تصویروں
تمہیں وطن کی فضائیں سلام کہتی ہیں

پلازما ٹی وی پر گونجتی آواز کے ساتھ سعد ٹی وی پر دکھائے جانے والے مناظر میں پوری طرح گم تھا۔ وہ ایک وسیع و عریض لاؤنج تھا۔ لاؤنج کے ایک کونے میں پلازما اسکرین لگی ہوئی تھی۔ ساتھ ہی انتہائی دبیز صوفے رکھے ہوئے تھے۔ صوفوں کے بیچ رکھی ہوئی سینٹرل ٹیبل پر رکھے گلاس میں مینگو اسکوائش رکھا ہوا تھا جس کی ٹھنڈک اب قطرہ قطرہ بہہ کر اس کے گرد گھیرا بنا چکی تھی۔

"ہیلو سعد! کیا ہو رہا ہے؟" بلیک چوڑی دار جینز اور اس پر وائٹ ٹاپ پہنے عزہ لاؤنج میں چہکتی ہوئی داخل ہوئی اور بے تکلفی سے اس کے برابر آ کر بیٹھ گئی۔ سعد اس کے قریب بیٹھنے پر تھوڑا سا کھسک گیا اور اس کے کھسکنے اور اپنے اور اس کے درمیان فاصلے کو دیکھتے ہوئے عزہ بے ساختہ کھلکھلا کر ہنس دی اور بے تحاشا ہنستے ہوئے بھی اس نے سعد کی بے نیازی اور اپنی ذات سے لاپروائی شدت سے محسوس کی تھی لیکن جلد ہی اس نے اپنے آپ کو سنبھال لیا۔

مغنیہ کی خوب صورت پرسوز آواز پورے لاؤنج میں گونج رہی تھی۔

"واٹ بورنگ سعد! تم کیا 1970ء کی چیزیں دیکھ رہے ہو۔" عزہ نے بے زاری سے کہتے ہوئے ٹیبل پر سے ریموٹ اٹھا کر چینل چینج کر دیا۔

"اسٹاپ اٹ عزہ! تمہیں بیٹھنا ہے تو بیٹھو مگر میرے معاملات میں دخل اندازی مت کرو۔" سعد نے درشتگی سے کہتے ہوئے چینل واپس چینج کر دیا۔ جہاں اب دوبارہ آگ و بارود کا کھیل دکھایا جا رہا تھا۔

عزہ، سعد کی اس درشتگی اور اپنی کھلی بے عزتی پر جہاں کی تہاں رہ گئی تھی۔ اس نے ایک نظر ہر چیز سے لاپرواہ ٹی وی میں گم سعد کو دیکھا اور ایک جھٹکے سے اٹھ کر لاؤنج سے نکلتی چلی گئی۔ حالانکہ وہ یہ بات اچھی طرح جانتی تھی کہ سعد آفاق کو فوج سے عشق ہے۔ وہ ٹی وی کبھی بھی شوق سے نہیں دیکھتا لیکن پاک فوج سے متعلق ہر چیز نہایت شوق اور عقیدت سے دیکھتا تھا۔

کرنل آفاق کا تعلق پاکستان کی بری فوج سے تھا۔ عزہ ان کی اکلوتی بھانجی تھی، جسے وہ اپنی بہن اور بہنوئی کی وفات کے بعد اپنے گھر لے آئے تھے۔ عزہ اس وقت چار سال کی تھی جب کہ سعد 6 سال کا۔ عزہ اس سے دو سال چھوٹی تھی لیکن رعب بڑے ہونے کا جماتی۔ ماموں سے لاڈ اور ضد کر کے ہر بات منوانے کے ساتھ وہ سعد سے بھی دھونس دکھا کر اپنی بات منوا لیتی تھی۔ بچپن میں کی جانے والی ضدیں کب محبت کے خوب صورت جذبے میں بدلیں۔ عزہ کمال کو جب تک اس کا علم ہوا اس وقت بہت دیر ہو چکی تھی۔ سعد نے ایف ایس سی پری انجینئرنگ کرنل آفاق کی خواہش پر کرنے کی اور اس نے کیڈٹ جوائن کر لی تھی۔ جب کہ عزہ میڈیکل کر کے ڈاکٹر ڈاایئر میں چلی گئی تھی۔ وقت کا کام گزرنا تھا سو گزر رہا تھا۔ سعد کیپٹن کے عہدے پر فائز ہو چکا تھا جب کہ عزہ کا میڈیکل کا آخری سال تھا جب ہی عزہ کی آنکھوں میں چمکتی سعد آفاق کی محبت کرنل آفاق بابر سے چھپی نہ رہ سکی تھی۔ اور یوں ایک شام عزہ کمال نے سعد آفاق کو اپنے نام کروا لیا۔ فوج اس کا پہلا عشق تھا، وہ عزہ سے شادی پر راضی نہیں تھا لیکن عزہ کی آنکھوں میں ہیروں کی طرح چمکتی اپنے نام کی خواہش دیکھ کر وہ کوئی احتجاج نہ کر سکا۔

☆......☆

وہ مارچ کی ایک ٹھنڈی شام تھی۔ عزہ لان میں بیٹھی پھول پودوں کے ساتھ سبک خرامی سے گزرتی ہوا کی چھیڑ خانیوں سے لطف واندوز ہو رہی تھی۔ اسے یکدم دوسراہٹ کا احساس ہوا تو اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا سامنے سعد کھڑا تھا۔ وہ یکدم بوکھلا گئی۔

"سعد تم۔" دوپٹہ کو صحیح طریقے سے دوبارہ کاندھوں پر جماتے ہوئے وہ قمیض کی نادیدہ شکنیں صاف کرنے لگی۔ پلکیں عارضوں پر جھک گئیں۔ منگنی کے بعد یہ ان دونوں کی پہلی باضابطہ ملاقات تھی جس میں سب سے حیران کن پہلو یہ تھا کہ سعد آفاق خود عزہ کمال کے پاس آیا تھا۔

"کیسی ہو عزہ؟"

"ٹھیک ہوں۔"

"میں تم سے کچھ بات کرنے آیا ہوں۔" سعد نے تمہید باندھی تو عزہ کا دل یکدم دھڑک اٹھا۔

"ایسی کیا بات ہے جو سعد کو مجھ سے کرنے کے لیے تمہید باندھنا پڑ رہی ہے۔" اس نے حیرت سے سوچا۔

"عزہ! میں اور تم بابا جان کی خواہش پر ایک بندھن میں بندھ چکے ہیں مجھے معلوم ہے تم اس منگنی سے بے تحاشا خوش ہو۔"

"تو کیا یہ خوش نہیں ہے؟" عزہ نے دل میں سوچا۔

"میں ابھی اس بندھن کو تم سے تو کیا کسی بھی لڑکی سے باندھنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں، کیونکہ

تم جانتی ہو کہ فوج میرا پہلا عشق ہے۔"

"اور مجھے بھی تم سے محبت تھی لیکن اب عشق ہونے لگا ہے۔" عزہ نے دل میں اس کی بات کا جواب دیا۔

"میری پوسٹنگ سیاچن ہو گئی ہے، میں واپس یہاں سے کاکول اور پھر وہاں سے سیاچن چلا جاؤں گا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ تھوڑے عرصے بعد میری پوسٹنگ واپس اسلام آباد ہو جائے اور یہ بھی ممکن ہے کہ میں ان برف پوش کہساروں سے شہادت کا درجہ لے کر لوٹوں، اس لیے میں تم سے صرف یہ کہنے آیا ہوں کہ اگر میں شہید ہو جاؤں تو پلیز بابا جان کی خاطر کسی کو اپنا ہم سفر ضرور چن لینا، کیوں کہ بابا جان تم سے شدید محبت کرتے ہیں، اس لیے ان کی محبت کو آزمائش میں مت ڈالنا۔ انہوں نے تمہاری خواہش پوری کی اس لیے تم بھی ان کی خواہش کا مان ضرور رکھنا اور ان کی خوشی میں ہی میری خوشی بھی ہو گی۔" یہ کہہ کر وہ رکا نہیں تھا بلکہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہ داخلی دروازے سے نکلتا چلا گیا اور عزہ اس کے لفظوں پر ساکت بیٹھی رہ گئی تھی۔ اس سارے قصے میں وہ کہاں تھی، کہیں بھی نہیں۔ سعد آفاق سے محبت اس کا جرم ٹھہری، آنسو گالوں کو بھگونے لگے تھے اور ڈوبتے سورج کی نارنجی شعاعوں میں بیٹھی وہ محبت کے ہونے پر رو رہی تھی یا محبت کی جدائی پر، یہ کوئی نہیں جانتا تھا۔

☆......☆

وہ اپریل کی ایک حبس بھری شام تھی۔ سعد اپنے کہے کے مطابق سیاچن جا چکا تھا اور اس کے جانے کے بعد اسے معلوم ہوا کہ اس کی پوسٹنگ ہیڈ کوارٹر کی طرف سے نہیں ہوئی تھی کہ اس نے شہادت کے شوق میں اپنے آفیسرز سے ضد کر کے کروائی تھی اور سیاچن پوسٹنگ کے ایک ماہ بعد ہی گلیشیر گرنے سے سعد سمیت بے شمار سپاہی جو وطن عزیز کی حفاظت کے لیے ان برف پوش کہساروں پہ کسی تاج کی طرح سجے تھے۔ اس بلند و بالا گلیشیر کے ٹوٹنے سے اس کے نیچے دب گئے، برف پوش چٹانوں کو ان کی وطن سے محبت اس قدر بھائی کہ انہوں نے اس محبت پر ماں کی ممتا کی طرح انہیں اپنی آغوش میں سمیٹ لیا لیکن جب فوج کی طرف سے ہونے والے سرچ آپریشن نے اپنے جانبازوں کو تلاش کیا اور گلیشیر کے نیچے دبے نوجوانوں کو اس چٹان کی بانہوں سے نکالا تو [illegible] آفاق جیسے نہ جانے کتنے جانبازوں کی جدائی پر قطرہ قطرہ پگھلتی ان سے جدائی پر آنسوؤں کی طرح گرنے لگی اور فوج کے سرچ آپریشن کے چند روز بعد ہی سعد آفاق کا سبز پرچم میں لپٹا وجود شہادت کا تاج سر پر سجائے آفاق ولا میں آ گیا۔ عزہ تو تابوت دیکھ کر وہیں زمین بوس ہو گئی۔ تین دن بعد جب اسے ہوش آیا تو سعد آفاق اس کی دنیا سے دور جا چکا تھا اور اس کا میڈیکل کمپلیٹ ہو چکا تھا۔ کرنل آفاق چاہتے تھے کہ وہ ہاؤس جاب شروع کر دے اور زندگی کی طرف لوٹے لیکن وہ دنیا سے ہی بیزار رہنے لگی تھی۔ ہر وقت اپنے کمرے میں پڑی رہتی تھی جس کے وجود سے رعنائیاں محسوس ہوتی تھیں وہ شخص جاتے جاتے دنیا کی ساری رعنائیاں اپنے ساتھ لے گیا تھا اور عزہ کمال کو اب اس دنیا میں کوئی کشش محسوس نہیں ہوتی تھی۔ کرنل آفاق جوان بیٹے کی شہادت پر بظاہر بے حد خوش تھے کیوں کہ اگر وہ برف پوش پہاڑوں سے غازی بن کر لوٹے تھے تو ان کا بیٹا تو ان سے بازی لے گیا تھا اور پہلی دفعہ میں ہی شہادت کا تاج سر پر سجا لیا تھا۔ درحقیقت گھر کی تنہائی اور بیٹے کی جدائی نے ان کو بھربھری دیوار کی طرح کمزور کر دیا تھا جو کسی بھی لمحے کی زد میں آ کر ڈھے سکتی تھی لیکن انہیں جینا تھا عزہ کے لیے۔ اس کی آنکھوں میں چھپے خوابوں کو تعبیر دینی تھی۔

باوجود اس کے کہ وہ جانتے تھے کہ اس کے خواب صرف انہی کے بیٹے سے وابستہ تھے۔ انہوں نے اسے دوبارہ بسانے کا تہیہ کر لیا تھا اور میجر ابوبکر کو دیکھنے کے بعد ان کا دل بے اختیار خدا کے حضور سجدہ ریز ہو گیا۔ وہ ہو بہو سعد کا پرتو تھا۔ اس کی آنکھیں بولنے کا انداز بہت حد تک سعد سے مشابہ تھا۔ وہ جب بھی اس سے بات کرتے انہیں لگتا سعد لوٹ آیا ہے، یہی وجہ تھی کہ وہ پچھلے ایک ماہ سے عزہ سے بضد تھے کہ وہ میجر ابوبکر سے مل لے اور میجر ابوبکر کو دیکھنے کے بعد انہیں عزہ کا ری ایکشن تشویش میں ڈال گیا لیکن وہ اپنے مطمئن تھے کہ وہ کبھی نہ کبھی ابوبکر کی طرف بڑھ ہی جائے گی۔

☆......☆

وہ مسکن دواؤں کے زیر اثر تھی۔ سعد کی جدائی اور ابوبکر سے ہوتی اس کی مشابہت اور سعد کی یادوں نے اتنی شدت سے حملہ کیا تھا کہ اس کا نروس بریک ڈاؤن ہوتے ہوتے رہ گیا تھا۔ آفیسرز کلب سے بھاگتے ہوئے اسے کرنل آفاق نے بھی دیکھ لیا تھا۔ [illegible] تھی کہ وہ فوراً دوستوں سے معذرت کر کے اس کے پیچھے آئے تھے اور اگر انہیں چند لمحوں کی بھی تاخیر ہو جاتی تو سعد کی جدائی میں تڑپتی عزہ یقیناً زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھتی۔ وہ خواب میں سعد کا ہاتھ تھامے اس سرسبز میدان میں چل رہی تھی۔ جبھی سبزہ ختم ہوتے ہی چٹیل میدان آ گیا اور چٹیل میدانوں کے شروع ہوتے ہی سعد نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا ہاتھ چھوٹنے پر عزہ نے گھبرا کر اسے دیکھا تو سعد نے اس کا چہرہ ہاتھوں کے پیالے میں تھام لیا۔

"عزہ! آج مجھے اعتراف ہے اس بات کا کہ تمہاری محبت میرے دل کے ایوانوں میں اسی شان سے براجمان ہے، جس طرح تمہارے دل میں میری اگر ہم اس دنیا میں ایک نہ ہو سکے تو کوئی بات نہیں اس دنیا میں ضرور ملیں گے اور میں اپنے رب سے تمہارا ساتھ ضرور مانگوں گا، کیوں کہ تمہاری محبت مجھ پر قرض ہے لیکن تم وعدہ کرو کہ تم بابا کا مان ضرور رکھو گی اور ان کی خوشی کا سامان ضرور کرو گی۔ کیوں کہ وہ بہت اکیلے ہو گئے ہیں۔ مجھے میرے رب کے سامنے اور میری شہادت سے جو عشق تھا اس کے سامنے شرمندہ نہ کرو عزہ، پلیز۔"

سعد نے جھک کر اس کے ہاتھوں کی پشت پر بوسہ دیا تو محبت کے اس خوب صورت اظہار پر عزہ نے آنکھیں موند لیں۔ اس کی آنکھیں اسی اظہار کے زیر اثر کھلی تھیں۔ کرنل آفاق سامنے رکھے صوفے پر نڈھال بیٹھے تھے۔ سعد کی جدائی اور پھر عزہ کی بگڑتی حالت نے انہیں چند ہی دنوں میں بوڑھا کر دیا تھا۔ اس کی آنکھوں سے کرنل آفاق کی حالت پر آنسو بہنے لگے۔ سعد کے اعترافِ محبت نے اسے گویا نئی طاقت دے دی تھی۔ اس نے کرنل آفاق بابر کی خواہش پوری کرنے کا ارادہ کیا۔

اس ارادہ کو پورا کرنے کا سوچ کر ہی اس کے دل میں ٹیس سی اٹھنے لگی تھی جسے اس نے سرعت سے نظر انداز کر دیا۔ وہ سعد کے اعتراف محبت کے بعد کرنل آفاق کی انمول محبت کی قدر کرنا چاہتی تھی اور رہا میجر ابوبکر تو یقیناً اس کے رب نے اس کی محبت بھی ڈال ہی دینی تھی جو اس کا خاموشی سے طلب گار تھا اور وہ اتنی چاہتوں سے منہ نہیں موڑنا چاہتی تھی، جب ہی کرنل آفاق کے پاس بیٹھتے ہوئے اس نے ان کے کاندھے پر سر رکھ کر آنکھیں موند لیں اس کے سر رکھتے ہی آفاق بابر کی آنکھ کھل گئی۔ انہوں نے خاموشی سے اسے اپنے بازوؤں میں سمیٹ کر پدرانہ شفقت سے اس کی پیشانی چوم لی۔

......☆......

سلسلہ وار ناول

آخری قسط

مشرق کی شہزادی

زہرہ اُسے تلاش کرتی کمرے میں آئی۔ خالی کمرہ اس کا منہ چڑھا رہا تھا۔ اس نے یکے بعد دیگرے ہر جگہ تلاشہ مگر زمرد نہ ملی۔ دو تین ملازم عورتوں سے بھی پوچھا سب بے خبر تھیں۔

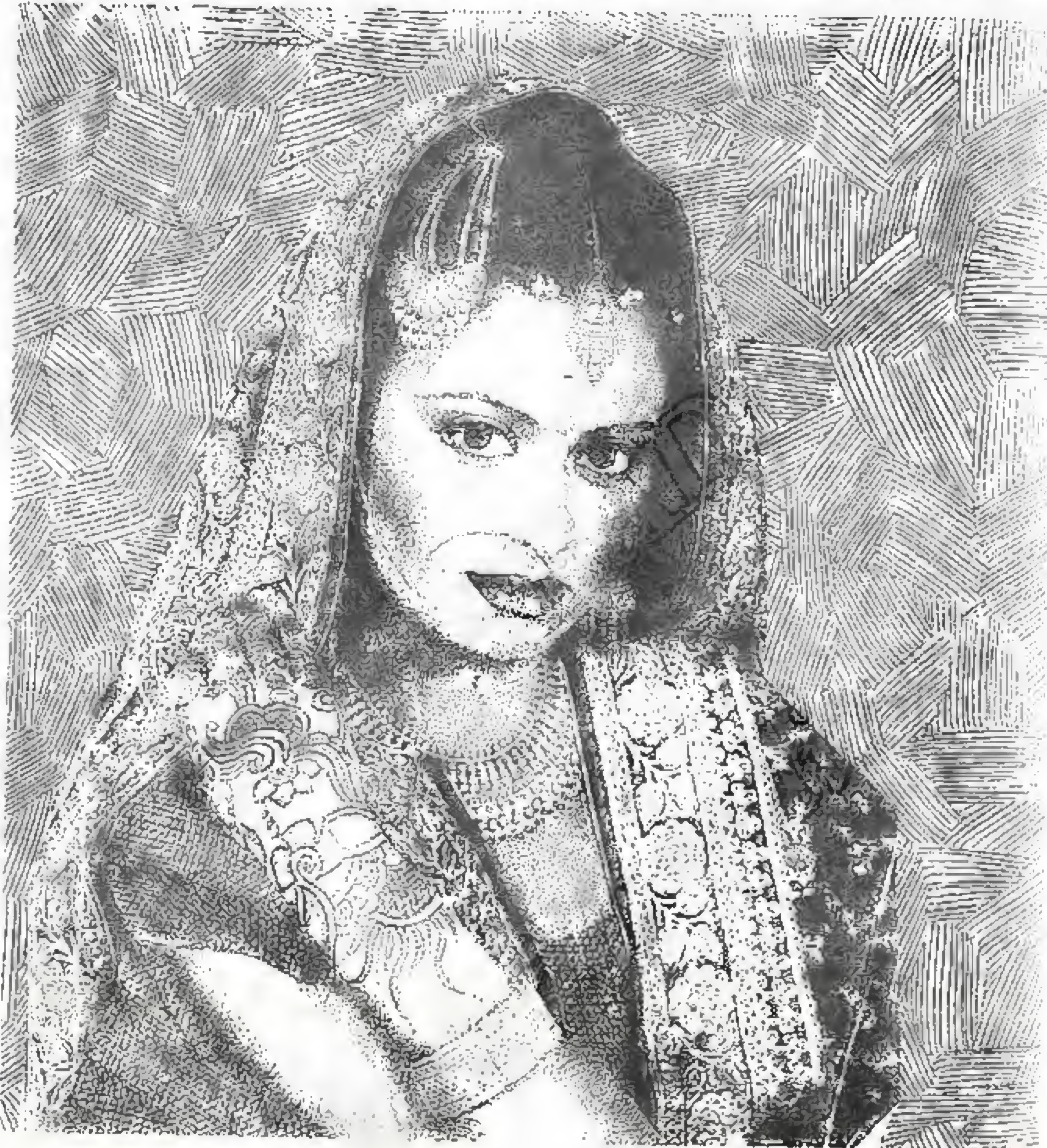


وہ پریشان ہو گئی۔ "باغیچے میں تو نہیں گئی؟" یہ خیال آتے ہی وہ سرعت سے بھاگتے ہوئے اپنے رہائشی حصے کی طرف آئی تھی۔

"پانی پلیز...... کوئی پانی پلا دو...... بہت درد ہے۔" اسے کسی کی مدھم سی نقاہت بھری نسوانی آواز سنائی دی تو وہ تہہ خانے کی طرف آئی۔ عموماً ملازموں کی غلطی پر انہیں سزا دی جاتی تو یہیں قید رکھا جاتا تھا۔

وہ تالا لگے دروازے کے پاس آئی اور لکڑی کے موٹے دروازے سے کان لگا کر سننے لگی۔ آواز یقیناً زمرد کی تھی۔

"بی بی جی۔" وہ پریشانی سے سیدھی ہوئی۔ اس کے ذہن میں کوئی خیال آیا تھا۔ وہ بھاگ کر اپنے کوارٹر میں گئی دودھ کا ایک بھرا پیالہ دوپہر کی چائے کے لیے پڑا تھا۔ وہ اٹھا کر درد کی گولیوں کا پیکٹ اٹھایا اور گھر میں پڑے کچھ بسکٹ تھیلی میں ڈال کر حویلی کی پچھلی طرف آئی۔ سارا کچھ اس نے تھیلی میں



ڈال کر کچی زمین پر رکھا اور وہاں ایک طرف پڑا سالخوردہ لکڑی کا زینہ اٹھا کر دیوار کے ساتھ لگالیا۔ تہ خانے کی واحد روشنی وہوا کا ذریعہ یہی چھوٹا سا چوکور سوراخ تھا۔

اس نے جلدی سے اوپر چڑھ کر وہاں منہ دیا اور زمرد کو آواز دی۔

پہلے تو زمرد نہیں سمجھی جب زہرہ نے اوپر دیکھنے کو کہا تو زمرد رونے لگی۔

''بی بی جی! آپ کی یہ حالت کیا صاحب نے؟'' اس نے دکھ سے بات ادھوری چھوڑ دی۔

''زہرہ، میرے جسم میں بہت درد ہے۔ کل سے کچھ نہیں کھایا۔ بہت تکلیف میں ہوں۔'' ان کی آنکھیں نم اور آواز بھرا گئی تھی۔

زہرہ کی اپنی آنکھیں بھی زمرد کی ابتر حالت دیکھ کر بھر آئیں تھی۔

''بی بی جی آپ تھوڑی سی ہمت کریں اور یہاں تک آجائیں، یہ جگہ بہت نیچی ہے۔ اس لیے عام زمین سے یہ روشن دان بہت آسان پڑتا ہے۔ آپ آسانی سے کوئی بھی چیز مجھ سے لے سکتی ہیں۔'' زہرہ نے پتے کی بات بتائی۔ پھر واقعی زمرد نے اس سے دودھ کا پیالا بسکٹ اور درد کی دوا بہت آسانی سے لی تھیں۔

اتنی سی خوراک نے اس میں نئی توانائی بھر دی۔

''بی بی جی! میں دوپہر کا کھانا بھی لے آؤں گی۔ آپ فکر نہ کریں۔ بس برتن واپس کردیجیے گا۔ صاحب دیکھیں گے تو غصہ ہوں گے۔'' وہ بے چارگی سے بولی۔

''زہرہ، تم کتنی اچھی ہو۔ بالکل آکاش کی طرح۔ تمہیں میرا کتنا خیال ہے میں ساری زندگی تمہاری احسان مند رہوں گی۔ ان مشکل دنوں میں تم نے میرا بہت ساتھ دیا۔ مجھے تنہا نہیں چھوڑا۔'' وہ جذبات سے مغلوب ہو کر رو پڑی۔

''بی بی جی مجھے شرمندہ نہ کریں، یہ تو میرا فرض بنتا ہے۔ آخر کو آپ کی نمک خوار ملازمہ ہوں۔'' وہ شرمندہ ہوئی۔

پھر تھوڑی ہی دیر میں وہ ادھر اُدھر کے قصے اور اپنی بے سروپا باتوں سے زمرد کا دھیان بٹا کر اسے ہنساتی رہی۔

وہ بھی اس مخلص وکھری لڑکی سے بہت متاثر تھی۔ وقت گزرنے کا احساس ہی نہ ہوا۔ بعض اوقات تنہائی واکیلا پن نئے لوگوں اور نئے ماحول سے مانوس کرنے اور محبت کرنے پر مجبور کردیتا ہے جس طرح کل کی مغرور شہزادی آج زہرہ نامی ملازمہ سے ہنس ہنس کر باتیں کرتی اپنا غم غلط کر رہی تھی۔

''سارے دن کی بھوک پیاس اور قید وتنہائی نے تمہارے جذبات یقیناً سرد کردیے ہوں گے۔ اعتراف کا لمحہ آپہنچا۔ بولو تمہیں اس کمینے اور بزدل انسان سے محبت ہے۔'' وہ زمرد کے پاس آکھڑا ہوا۔

وہ خاموش رہی۔

بدر نے جھک کر اپنے مضبوط ہاتھ سے اس کا جبڑا تھاما اور گرفت سخت کر کے اسے اپنے سامنے کھڑا کیا تھا۔

''بولو؟'' اس نے انگلیوں کی پوروں کو اس کے منہ میں کھبوتے سختی سے کہا۔

وہ اپنے نازک ہاتھوں سے اس کے ہاتھ کو ہٹانے کی ناکام کوشش میں مچل رہی تھی۔

''تو تم نہیں بولوگی؟'' اس نے اپنا ہاتھ زمرد کے چہرے سے ہٹا کر اس کا سر دیوار پر زور سے دے مارا۔

وہ درد کی زیادتی سے بلبلا کر رہ گئی۔ وہ دوبارہ اس کی طرف ہاتھ بڑھا رہا تھا۔

''پلیز بدر، مجھے مت مارو۔ میں سب کچھ سچ سچ بتاؤں گی مگر مجھے چھوڑ دو۔'' وہ دونوں ہاتھوں سے مارے درد سے دہری ہوتی روتے ہوئے التجا کر رہی تھی۔

''صبح تو بہت زور وشور سے میری محبت کے دعوے کر رہی تھیں۔ بس اتنی ہی ہمت تھی سہنے کی؟'' اس نے صاف مذاق اڑایا تھا۔

''بولو..... کہ تم اس سے محبت کرتی ہو؟'' اس نے دوبارہ زمرد کو بالوں سے پکڑ کر جھٹکا دیا۔

''مم..... میں اس سے محبت کرتی ہوں مگر ویسی نہیں جیسا آپ سمجھ رہے ہیں۔'' وہ روتے ہوئے بمشکل بولی تھی۔

''ہوں..... تو بالآخر تم نے مان لیا کہ اس سے محبت کرتی ہو۔ محبت میں ایسی یا ویسی کچھ نہیں ہوتی، محبت صرف محبت ہوتی ہے۔ معنی اخذ کرنا ہم انسانوں کا کام ہے۔'' وہ عجیب سے لہجے میں کہہ کر کمرے میں چکر لگاتے ہوئے بولا۔

''آپ غلط.....'' زمرد نے کانپتے ہوئے بمشکل اس کی غلط فہمی دور کرنا چاہی۔ بدر نے ہاتھ اٹھا کر اسے کچھ بھی کہنے سے باز رکھا۔

''کوئی وضاحت نہیں، اب تم جو بھی کہو مجھے کسی صفائی کی ضرورت نہیں۔ جو الفاظ مجھے تمہارے منہ سے سننا تھے وہ میں سن چکا۔'' اس نے قطعی سخت لہجے میں کہہ کر زمرد کو خاموش کروادیا۔

''تم جانتی ہو؟ ہمارے خاندان میں طلاق کا مطلب کیا ہوتا ہے؟'' وہ آہستگی سے اس کے پاس آکر کھڑے ہوتے ہوئے اس کی خوف زدہ نیلی آنکھوں میں جھانکتے عجیب سے لہجے میں بولا تھا۔

زمرد اس کا انداز اور اس کی اتنی قربت دیکھ کر دہل گئی تھی۔

''نہیں جانتی! افسوس تمہیں کچھ نہیں سکھایا گیا۔'' وہ افسوس سے سرہلاتے ہوئے گویا ہوا۔

''میں بتاتا ہوں۔'' اس کا چہرہ زمرد کے چہرے سے اتنا نزدیک تھا کہ اگر وہ سانس لینے کو حرکت کرتی تو اس کا چہرہ زمرد کے چہرے سے مس ہوجاتا۔

وہ خوف سے اپنی سانس روکے کھڑی تھی۔

''طلاق کا مطلب، جس لڑکی کو دی جائے وہ اچھوت ہوجاتی ہے۔ خاندان، گھر، بھائی بہن، والدین سب اس سے نفرت کرنے لگتے ہیں۔ وہ اتنی اکیلی ہوجاتی ہے کہ قابل رحم لگتی ہے۔ اسی لیے ہمارے خاندان میں لڑکیوں کو اس ذلت سے بچانے کے لیے ماں باپ کے گھر بٹھا دیا جاتا ہے ساری زندگی وہ والدین کے در پر پڑی رہتی ہے مگر طلاق نہیں لیتی۔ طلاق لینا گناہ سمجھا جاتا ہے۔'' اس کی آواز سرگوشی کرتی ہوئی اور لہجہ پراسرار تھا۔

زمرد کا دل سینے میں بری طرح سے دھڑک رہا تھا۔ وہ سیدھا ہوا۔

زمرد کا رکا سانس پھر سے بحال ہوا تھا۔

''میں بھی تمہیں طلاق دوں گا۔'' وہ رکا۔ ''مگر ابھی نہیں خوب تڑپا تڑپا کر۔ بقول تمہارے جب تک

تم میں سہنے کی ہمت ہے۔'' وہ چھبا چھبا کر کہتا آخر میں استہزائیہ ہنسا۔
وہی مخصوص قاتل مسکراہٹ۔
زمرد رونے لگی۔ ہچکیاں تھیں کہ تھمنے میں نہیں آرہی تھیں۔
''تم نے مجھے دھوکا نہیں دیا بلکہ اپنی شامت کو دعوت دی ہے۔ تمہارا وہ حشر کروں گا کہ آئینے میں اپنی صورت دیکھ کر پچھتاؤ گی۔ تمہیں اپنی صورت سے گھن آئے گی۔'' اس کی مردانہ خوعود کر آئی۔ اپنی بات مکمل کر کے وہ تیزی سے دروازہ کھلا چھوڑ کر باہر نکلا تھا۔

☆......☆

مجھ کو یقین ہے سچ کہتی تھیں جو بھی امی کہتی تھیں
جب میرے بچپن کے دن تھے چاند میں پریاں رہتی تھیں
اک یہ دن کہ اپنوں نے بھی ہم سے ناتا توڑ لیا
اک وہ دن جب پیڑ کی شاخیں بوجھ ہمارا سہتی تھیں
ایک یہ دن جب ساری سڑکیں روٹھی روٹھی لگتی تھیں
اک وہ دن جب آؤ کھیلیں ساری گلیاں کہتی تھیں
اک یہ دن جب جاگی راتیں دیواروں کو تکتی ہیں
اک وہ دن جب شاموں کی بھی پلکیں بوجھل رہتی تھیں
ایک یہ دن جب لاکھوں غم اور کال پڑا ہے آنسو کا
اک وہ دن جب ایک ذرا سی بات پر ندیاں بہتی تھیں
مجھ کو یقین ہے سچ کہتی تھیں جو بھی امی کہتی تھیں
جب میرے بچپن کے دن تھے چاند میں پریاں رہتی تھیں

اس پر زندگی دن بدن تنگ ہوتی گئی۔ روزانہ صبح ناشتا تیار کر کے وہ بھینسوں کا باڑہ صاف کرتی، ان کو چارہ پانی ڈالتی پھر دوپہر کے کھانے کی تیاری بھی اسے کرنا ہوتی۔ پہلے پہل اسے یہ کام صحیح سے نہیں آتے تھے۔ کبھی آگ سے ہاتھ جلا لیا، کبھی کسی مست بیل نے ٹکر ماردی، آہستہ آہستہ وہ عادی ہونے لگی۔ دھوپ اتنی تیز ہوتی کہ اس کا سرخ وسفید گلابی چہرہ اس کی تمازت سے آگ کی طرح دہکتا، ہفتے میں ایک دن ملازم عورتوں کے ساتھ اسے بھی لکڑیاں کاٹنے جانا ہوتا۔ اس پر بدر کی زیادتیاں، طنز اور جلی کٹی سنانا اسی طرح جاری تھا ساجدہ جہاں نے البتہ اس سارے معاملے سے خود کو دور رکھا ہوا تھا۔
اس سارے عرصے میں اس کے میکے سے خلیل احمد ایک دن اس کو دیکھنے آئے تھے۔ بس سرخ محل کو چھو کر چلے گئے۔ زمرد باپ کو دیکھ کر مچل مچل کے روئی تھی۔ اس نے بارہا گھر جانے کی خواہش کی مگر بدر اسے آکاش کا طعنہ دے کر جانے سے روک لیتا۔
دن بدن اس کی ہمت بڑھنے کے بجائے ٹوٹنے لگی تھی۔ ایک دن زمرد نماز پڑھ رہی تھی۔ بہت محبت اور عقیدت سے اس نے نماز پڑھی۔ دل جمعی سے دعا مانگ کر اس نے دونوں ہاتھ چہرے پر پھیرے اور

ٹھٹک گئی۔ بدر اسے بغور دیکھ رہا تھا۔
''تم جیسے دوغلے اور منافق لوگوں کی نماز یا عبادت کی ضرورت اللہ کو ہرگز نہیں۔ یہ بلاوجہ کے تر دومت کرو وہ قبول کرنے والا نہیں۔'' وہ اس پر چوٹ کر کے چلا گیا۔ زمرد کو اس کی بات بہت دکھی کر گئی۔ اس نے زہرہ سے سرسری سا ذکر کیا۔ زہرہ بظاہر باتونی اور لاپرواہ نظر آتی تھی مگر بعض اوقات اس کی خوب صورت اور مدلل گفتگو سن کر زمرد دنگ رہ جاتی۔ نماز میں سکون ملنے کا تذکرہ بھی اسے زہرہ کے توسط سے ملا تھا۔ وہ نماز پڑھنے لگی تو واقعی اسے سکون واطمینان ملنے لگا۔
اس شام بدر اپنے کمرے میں آیا تو تکیے پر ایک تہہ شدہ کاغذ پڑا ہوا دیکھا اس نے کھولا اور پڑھنے لگا۔
''بدر میں آپ سے بہت محبت کرتی ہوں۔ بارہا آپ سے اظہار کر چکی۔ آپ کو اعتبار نہیں آتا۔ ایک دن آپ پر میری سچائی آشکار ہو جائے گی اور آپ میری محبت کے معترف ہو جائیں گے۔ میرا بہت دل چاہتا ہے آپ کو زلیخا کے بارے میں بتانے کا مگر آپ سے بات کرنے کی ہمت نہیں ہوتی۔ اسی لیے لکھ کر دیا ہے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں زلیخا اپنے شوہر کی وفات کے بعد 30 سال تک حضرت یوسفؑ کی محبت میں گلیوں میں پھرتی رہی۔ اس نے اپنا سب کچھ چھوڑ دیا۔ یہاں تک کہ اس کی بینائی چلی گئی اور وہ بوڑھی ہو گئی۔ حضرت یوسفؑ کے دربار میں لوگوں نے ان سے کہا کہ ایک عورت آپ کی محبت میں دیوانہ وار پھرتی ہے اپنا سب کچھ چھوڑ کر۔ اور آپ اس کی مدد نہیں کرتے، حضرت یوسفؑ اسے اپنے دربار میں لے آئے۔ آپؑ نے اللہ سے دعا کی زلیخا کو بینائی اور جوانی دے دی گئی۔ حضرت یوسفؑ نے اس سے شادی کر لی۔ ایک بار شکایتاً حضرت یوسفؑ نے زلیخا سے کہا۔ تمہاری محبت پہلے کے بقدر اب کم ہو گئی ہے۔ زلیخا کا جواب تھا آپ کی محبت نے مجھے اللہ سے ملا دیا۔ کتنا خوب صورت جواب تھا۔ ایک نبی پر تہمت لگانے والی عورت کو اللہ نے معاف کر دیا اس کی محبت پر اللہ کو رحم آ گیا اس کے باوجود کے اللہ اپنے پیغمبروں پر بہت مشفق ہے۔ آپ میری عبادت پر چوٹ مت کریں وہ دن دور نہیں جب اللہ کو مجھ پر رحم آئے گا اور وہ میری ہر مشکل آسان بنا دے گا۔'' اس نے کاغذ کو مٹھی میں بھینچا مارے غصے کے اس کے نتھنے پھڑک رہے تھے۔
زمرد کسی کام سے اندر آئی تھی۔
''یہ سب کیا ہے؟ گھٹیا عورت۔'' اس نے کاغذ توڑ مروڑ کر زمرد کے منہ پر دے مارا۔ زمرد نے خاموشی سے وہ کاغذ اٹھایا اور سنگار میز کی دراز میں ڈال دیا۔
''سچائی۔'' وہ بدر کے سامنے آکھڑی ہوئی اور سر جھکا کر آہستگی سے بولی۔
یہ لفظ سننا تھا کہ بدر نے منہ سے غلاظت بکنا شروع کر دی اور اسے مارنے پیٹنے لگا۔ مار مار کر اسے ادھ موا کر دیا تھا۔ زمرد بہت کمزور ہو گئی تھی۔ وہ روتے التجا کرتے ہانپنے لگی تھی۔
بدر کے ہاتھ نہ رکے۔ آج اس نے حد کر دی تھی۔ مسلسل ایک گھنٹے تک اسے مارتا رہا جب اس کے ہاتھ تھک کر شل ہو گئے تو اسے ٹھوکر مار کر چھوڑ دیا۔
''تمہارے پر کاٹنے کے دن آ گئے ہیں۔'' وہ اس پر تھوکتے ہوئے طیش سے بولا اور دھڑ سے دروازہ کھول کر باہر نکلا تھا۔

☆......☆

''کیا واقعی آپ مجھ سے شادی کریں گے؟'' خوشی سے اس کی آواز کانپ رہی تھی۔
''بہت جلد میں اپنی خاندانی بیوی کو طلاق دے رہا ہوں، کیوں کہ وہ مجھ سے محبت نہیں کرتی، مجھے بھی اس کی کم عمری یا خوب صورتی سے کوئی سروکار نہیں۔'' بدر نے دلکش سی مسکراہٹ اس کی سمت اچھالی۔
''مجھے یقین نہیں آرہا۔'' اس نے نم آنکھوں سے اپنے سامنے موجود قیمتی سوٹ پہنے شاندار سے بدر غفار کو دیکھا۔

طاؤسی رنگ کا خوب صورت شلوار قمیض اور گلے میں دوپٹہ ڈالے آسرہ اسے بے یقینی سے دیکھتی بدر کو بہت معصوم لگی تھی۔ اسے بے اختیار اس بچی و پیاری لڑکی پر پیار آیا تھا۔

اس نے بدر کے لیے خود کو کتنا بدل لیا تھا۔ بدر نے ایک بار ذکر کیا تھا کہ اسے مشرقی لڑکیاں پسند ہیں۔ آسرہ نے اسی دن اپنی وارڈروب سے مغربی اور جدید طرز کے ملبوسات ہٹا کر قمیض شلوار، چوڑی دار پاجامے، کرتے و فراک سے اپنی الماری بھر دی تھی۔ اس نے اپنے بال بھی بڑھا لیے تھے۔ اب وہ سلیولیس شرٹیں بھی نہیں پہنتی تھی۔ نائٹ کلبز، پارٹیز، ڈرنک کرنا اس نے سب کچھ چھوڑ دیا تھا۔ آج کا سارا دن بدر نے اس کے ساتھ گزارا تھا اب وہ اسے اپنے پسندیدہ ریسٹورنٹ کا کھانا کھلانے لایا تھا۔

آسرہ اس کی سنگت میں خود کو ہواؤں میں اڑتا محسوس کر رہی تھی۔ بدر نے اس کے چہرے سے مسکراہٹ جدا ہوتے نہیں دیکھی۔ خوشی سے اس کا چہرہ دمک رہا تھا۔
''واقعی مجھے اپنی خوش بختی پر یقین نہیں آرہا جس شخص کے گرد لڑکیاں پروانوں کی طرح منڈلاتی ہیں، وہ مجھے منتخب کر رہا ہے۔ مجھے اپنی زندگی میں شامل کرنا چاہتا ہے۔ میرے سامنے بدر غفار بیٹھا ہے اور وہ مجھ سے یہ سب کچھ کہہ رہا ہے۔'' اس کی آنکھ سے آنسو گالوں پر لڑھک آئے۔ ''جس دن میرے پہلو میں بیٹھ کر نکاح نامے پر روتے ہوئے دستخط کرو گی تمہیں خود ہی یقین آجائے گا۔'' اس نے میز پر دھرے آسرہ کے گداز و دودھیا ہاتھ پر اپنا مضبوط سرخی چھلکاتا ہاتھ رکھ کر ذرا سا دبایا۔ آسرہ چہرہ جھکا کر شرماتے ہوئے مسکرائی تھی۔
''کسی نے ٹھیک ہی کہا ہے، عورت کو ٹوٹ کر حیا اسی شخص سے آتی ہے جسے وہ بے پناہ چاہتی ہو۔'' بدر نے بہت دلچسپی سے اس کے چہرے پر پھیلتے شفق کے حسین رنگوں کو دیکھا تھا۔

☆......☆

''اتنی افراتفری میں کیوں بلایا تھا؟'' زمرد برتن دھو رہی تھی کہ زہرہ اسے اپنے ساتھ زبردستی باغیچے لے آئی۔ برتن جو دھونا رہ گئے تھے اس نے کچن میں کام کرتی ملازمہ کے سپرد کر دیے تھے۔

زمرد کو سنگِ مرمر کے بنچ پر بٹھایا اور خود ذرا سے فاصلے پر بیٹھ کے دوپٹے سے کوئی شے برآمد کر کے درمیان کی جگہ پر رکھی، زمرد نے حیرت سے دیکھا وہ چھوٹے سے ٹیپ ریکارڈ میں کیسٹ لگا رہی تھی۔
''یہ سب کیا ہے؟'' زمرد اس کی خوشی کو حیرت سے تک رہی تھی۔
''آپ کو ایسا کلام سنوا رہی ہوں کہ وجد طاری ہو جائے گا۔ بہت اچھا لگے گا آپ کو۔'' زمرد مسکرائی اور باغیچے میں لگے خوب صورت مختلف رنگ و نسل کے پھولوں کو دیکھنے لگی۔ بادل سورج کے ساتھ آنکھ مچولی کر رہے تھے کبھی سورج غالب آجاتا، کبھی بادل روشنی و اندھیرے کا یہ امتزاج منظر کو بہت بھلا لگ رہا

تھا۔ بہت خوب صورت اور سہانا موسم تھا۔ وہ مغرور و خود پسند شہزادی اب موسموں کو سمجھنے لگی تھی۔
''کبھی کبھار ہم کیا کچھ کھو کر کیا پا لیتے ہیں، انسان کی پوری ہستی تبدیل ہو جاتی ہے اور یہی تبدیلی دکھ دیتی ہے۔ انسان سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ وہ کیا تھا اور کیا ہو گیا ہے۔'' زمرد کی آنکھ کے گوشے نم ہو گئے۔

زہرہ نے کلک کے ساتھ بٹن دبا دیا۔ مترنم و مدھم خوب صورت سی موسیقی گنگنا اٹھی۔

اوکھے پینڈے لمیاں راہواں عشق دیاں
درد جگر سخت سزاواں عشق دیاں
پھلاں ورگی جنڈری عشق رلاں چھڈداں
سر بازار چالے عشق نچا چھڈداں

زمرد کی پوری ہستی سراپا سماعت بن گئی۔ زہرہ آنکھیں بند کیے ہل ہل کر سر ہلاتے سن رہی تھی۔

لکھ نہ چھڈے دیکھ دفاواں عشق دیاں
بجا باہجوں ذات صفاتاں عشق دیاں
دکھری گلی دن تے راتاں عشق دیاں
تہیں چوداں طبقاں اندر تھاواں عشق دیاں
اوکھے پینڈے لمیاں راہواں عشق دیاں

دونوں پوری طرح سے منہمک سائیں ظہور کی دلسوز آواز کو سنتی رہیں۔

☆......☆

اس نے کمرے میں قدم رکھا تو بدر کو آکاش کی بنائی پینٹنگ کے سامنے کھڑا پا کر ٹھٹھکی تھی۔
''یہاں آؤ!'' اس نے بغیر مڑ کر دیکھے سرد سی آواز میں زمرد کو حکم دیا۔
وہ آہستگی سے چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی اس سے دو قدم پیچھے آکھڑی ہوئی۔
''پورٹریٹ میں صاف دکھائی دے رہا ہے کہ تم ہو...... مگر یہ گھڑ سوار کون ہے؟'' اس نے گردن موڑ کر ایک قہر آلود نظر خوف زدہ سی کھڑی زمرد کے جھکے سر پر ڈالی تھی۔
وہ خاموش رہی۔
''جواب دو؟'' وہ خلاف توقع نرمی سے بولا تھا۔
''کک کوئی...... نن...... نہیں۔'' زمرد نے تھوک نگلا۔
''میں اچھی طرح سے جانتا ہوں مگر تمہارے منہ سے اس کا نام سننا چاہتا ہوں۔ جھوٹ مت بولنا۔'' بدر نے دانت پیسے وہ بے بسی کے شدید احساس سے مغلوب ہو کر رونے لگی۔
''کسے مجھ سے بچانا چاہتی ہوں؟ اپنے بچپن کے اس عاشق کو؟ جواب دو...... نہیں تو میں تمہاری زبان پر انگارہ رکھ کر بھی یہ نام ______ اگلوا سکتا ہوں۔'' بدر نے ابلتا ہوا لاوا اس پر انڈیلا۔ زمرد کا پورا وجود عجیب سی جلن سے سن ہو گیا۔
''بولو؟'' وہ غرایا۔

”آ......آ کا......ش۔“ وہ ہچکیوں کے درمیان بڑی مشکل سے بولی تھی۔

بدر کی طرف سے کوئی جواب نہ آیا۔ کمرے میں کچھ پل بوجھل سی خاموشی چھائی رہی۔ جسے زمرد کی ہچکیاں توڑ رہی تھیں۔

”وہ شخص میرے گلے تک آ رہا ہے۔ ظاہر ہے تمہاری حمایت کے بل بوتے پر! وہ اب تک زندہ ہے۔ میں انتظار کس بات کا کر رہا ہوں؟ تم دونوں کے ناپاک وجود سے اس زمین کا بوجھ کم کرنا چاہیے۔ تمہاری شہ پر ایک دن وہ میرے ہی گھر پر میری ہی بے نکاح بیوی کا، ہاتھ پکڑ کر میری نظروں کے سامنے اسے لے جائے گا اور میں اس کی جرأت پر حیرت زدہ کھڑا دیکھتا رہ جاؤں گا۔ یقیناً آگے تم دونوں کا یہی پلان ہو گا۔“ اس کا لہجہ بے حد سفاک اور انداز بہت خوف ناک تھا۔

نفرت و غصے کی چنگاریاں اس کی آنکھوں سے نکل کر زمرد کے ہچکولے کھاتے وجود کو جھلسا رہی تھیں۔

”مت کرو میرے سامنے یہ ڈرامے بازی۔ تمہیں میرا اتنا ہی خوف ہوتا تو میری آنکھوں میں یوں دھول نہ جھونک رہی ہوتیں۔ نفرت ہے مجھے تم جیسی دوغلی اور مکار عورت سے۔“ وہ غضب ناک ہو کر چلایا۔

”پلیز بدر، میرا جرم کب بخشیں گے؟ پلیز مجھے آپ کی ایسی باتیں چھلنی کر دیتی ہیں۔ میری یوں تذلیل مت کریں۔“ وہ بے بسی سے روتے ہوئے التجا کرنے لگی۔

”بہت جلد تمہاری سزا ختم ہو جائے گی۔“ بدر کا لہجہ زمرد نے لرز کر اسے دیکھا۔

”کک......کیا......کرنے والے ہیں......آپ؟“ اس نے کانپتی آواز میں پوچھا۔

”بہت جلد تمہیں طلاق دینے والا ہوں۔“ بدر نے زہر میں ڈوبا نشتر پھینکا جو سیدھا زمرد کے سینے میں پیوست ہو گیا۔

وہ بدر کے قدموں میں گر گئی۔

”پلیز بدر......یہ مت کریں...... مجھے جان سے مار دیں، میری دونوں آنکھیں نکال دیں میں اف تک نہیں کروں گی مگر مجھے خود سے جدا مت کریں۔ میں مر جاؤں گی پلیز بدر......ایسی سزا مت دیں مجھے......میں بے قصور ہوں۔“ وہ بہت دل شکن دہائی دے رہی تھی۔ اس کی یہ حالت دیکھ کر بدر کے جلتے دل پر ٹھنڈے چھینٹے پڑے تھے جو پورے وجود میں سکون کا احساس بیدار کر گئے۔

اس کی آخری بات پر بدر کے چہرے پر ایک رنگ آ کر گزر گیا مگر پھر اس کے خاندانی خودسر خون نے امڈ کر جوش مارا تھا۔

”یہ اسی قابل ہے بلکہ اس سے زیادہ کی۔ وہ نفرت بھری نگاہ اس پر ڈالتا باہر نکلا تھا۔

☆......☆

”پلیز چچی میری مدد کریں۔ بدر سے کہیں مجھے طلاق نہ دیں۔ پلیز چچی وہ آپ کی کوئی بات نہیں ٹالتے۔“ زمرد ساجدہ جہاں سے مدد مانگنے آئی تھی۔ روتے ہوئے بولی۔

”یہ تم دونوں میاں بیوی کے آپس کا معاملہ ہے۔ میں کیا کہہ سکتی ہوں۔ ویسے بھی بدر کے جی میں جو سما جائے۔ اس کو کرنے سے کوئی باز نہیں رکھ سکتا۔ وہ مجھے پہلے ہی کہہ چکا ہے اس معاملے سے دور رہوں۔ ورنہ اس بات کا بھی لحاظ نہیں کرے گا کہ میں اس کی ماں ہوں۔“ ساجدہ جہاں نے اسے صاف

ہری جھنڈی دکھا دی۔

”پلیز چچی صرف آپ ہی میری مدد کر سکتی ہیں۔“ وہ اٹھ کے پیروں پر ہاتھ رکھ کر گڑگڑائی۔

”اے بی بی! تمہیں میری زبان سمجھ نہیں آ رہی۔ میرا بیٹا مجھ سے اس معاملے پر خاموش رہنے کا کہہ چکا ہے۔ تم میں اتنے گن ہوتے تو وہ یہ فیصلہ ہی کیوں کرتا۔ جاؤ اور سوچو کہاں تم سے چوک ہو گئی۔“ انہوں نے تکیہ سیدھا کیا اور اس پر سر رکھ کے آنکھوں پر بازو رکھ لیا۔

انہوں نے اپنی طرف سے گویا بات ہی ختم کر دی زمرد ایک آخری مدد طلب نظر ان پر ڈالتی بیڈ سے اٹھی تھی۔

وہ ہنوز آنکھیں موندھے لیٹی رہیں، وہ روتے ہوئے وہاں سے نکلی تھی۔

☆......☆

وہ لب کچلتے ہوئے فون کے پاس کھڑی تھی۔

اور کوئی چارہ نہیں تھا۔ سوائے آکاش کو بتانے کے، وہ ڈائریکٹ ماں سے اپنا دکھ نہیں کہہ سکتی تھی کیوں کہ وہ جانتی تھی۔ راحت بیگم بہت کمزور دل کی مالک خاتون ہیں۔ وہ بوڑھی دادی کو بھی صدمے سے دوچار نہیں کر سکتی تھی۔ رہے خلیل احمد تو وہ بھی اپنے باپ سے بے تکلف نہیں رہی تھی۔ ایک جھجک سی دونوں کے درمیان حائل تھی۔ وہ باپ سے بھلا کیونکر ایسی بات کہہ سکتی تھی جب کہ وہ بھائی کی بیوی اور ان کی اولاد پر ساری دنیا سے بڑھ کر اعتماد کرتے تھے۔

وہ آکاش کو سب کچھ بتا کر خلیل احمد سے مدد مانگ سکتی تھی۔ کیوں کہ واحد آکاش ہی ایسا شخص تھا جو ماموں کو بہتر طور پر سمجھتا تھا اور اسے قائل کر سکتا تھا۔

اس نے کانپتے ہاتھوں سے نمبر ڈائل کیا۔

آکاش کی آواز سنتے ہی وہ ہچکیوں سے رونے لگی۔ آکاش نے بہت مشکلوں سے اسے چپ کروایا۔ اس نے بدر اور ساجدہ جہاں کا شروع روز سے روا رکھا گیا ظلم اور رویہ آکاش کو کہہ کر خلیل احمد سے سب کچھ کہنے کو کہا تھا۔

☆......☆

”میرے ساتھی!
میری یہ روح جسم سے پرواز کر جائے
تو لوٹ آنا!
میری بے خواب راتوں کے عذابوں پر
سسکتے شہر میں تم بھی
ذرا سی دیر کو رکنا
میرے بے نور ہونٹوں کی دعاؤں پر
تم اپنی سرد پیشانی کا پتھر رکھ کے رو دینا
بس اتنی بات کہہ دینا
مجھے تم سے محبت ہے“

آج میری زندگی کی پہلی برتھ ڈے ہوگی جو میں اکیلے سیلیبریٹ کروں گی اور مجھے کوئی وش کرنے والا نہیں ہوگا۔" اس نے وارڈ روب کھولی اور آنکھوں میں اُمڈتی نمی کو صاف کیا۔

آکاش، اس کی دادی، راحت بیگم، اس کی دوستیں اور کلاس فیلوز، رات بارہ بجتے ہی اسے مبارک باد کے میسجز اور کال موصول ہوتے، صبح پہلی مبارک باد مع پھولوں اور گفٹ پیک کے آکاش کی طرف سے ملتا، سارا دن گزر جاتا وقفے وقفے سے ساری دوستیں آدھمکتی، ہنسی، قہقہے، باتیں، مذاق...... زندگی کتنی بے فکر تھی۔ رات کو ہوٹل میں ڈنر سمیت برتھ ڈے پارٹی منائی جاتی، کیوں کہ وہ اپنے والدین کی اکلوتی شہزادی اور لاکھوں دلوں کی دھڑکن تھی۔ زندگی مکمل اور خوشیوں بھری آسودہ حال تھی۔

اس نے سب کچھ چھوڑ دیا تھا۔ صرف اور صرف اپنے مغرور شہزادے کی محبت کو پانے کی خاطر...... اپنی ہستی تک کو مٹا ڈالا تھا۔

بعض لوگ کتنے خوش قسمت ہوتے ہیں جنہیں خالص محبتیں ملتی ہیں مگر وہ اس کی قدر نہیں کر پاتے۔ انہی خوش قسمت لوگوں میں سے ایک زمرد تھی۔ جس نے آکاش کی مخلص محبت کو ٹکرا دیا تھا اور اب وہی غلطی بدر دہرا رہا تھا زمرد کو ٹھکرا کر۔

آج اسے آکاش بہت یاد آ رہا تھا۔ اس نے بالکل ٹھیک کہا تھا۔

کل کے پچھتاوے سے بہتر آج کا یہ مشکل فیصلہ ہے۔ اس دنیا میں واحد ایسا شخص ہوں میں...... جو تمہیں بہتر طریقے سے جانتا ہے اور خوش رکھ سکتا ہے۔ وہ خود کو تمہارے لیے کبھی نہیں بدلے گا، بلکہ تم خود اس کے لیے بدلتے بدلتے ٹوٹ جاؤ گی۔ بکھر جاؤ گی۔ وہ ویسا ہرگز نہیں، جیسا تم اسے سمجھتی ہو۔ وہ ایک انا پرست اور حاکم ذہنیت کا شخص ہے۔" آنسو اس کی آنکھوں سے اُمڈ کر رخساروں پر ڈھلک آئے۔

"آج مجھے رونا نہیں۔ بہادر بنو زمرد!!" اس نے بے دردی سے آنسو پونچھے۔ وارڈ روب میں لٹکے ڈھیروں ملبوسات میں سب سے قیمتی اور خوب صورت ملبوس اس نے آج کے دن کے لیے منتخب کیا۔ غسل کے بعد وہ آئینے کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

میرون ڈاک لپ اسٹک لگا کر اس نے اپنے سنہری بالوں کو جوڑے کی شکل میں پن اپ کیا۔ یاقوت جڑے نازک سی جیولری پہنی اور خود کو بھرپور طریقے سے دیکھا۔ ایسی تیاری تو اس نے اپنی شادی کے روز بھی نہیں کی تھی۔

میرون پیروں کو چھوتے سنڈریلا ڈریس پہنے جس کے فل آستین جالی کے تھے، نیلی آنکھوں والی وہ شہزادی بے انتہا حسین لگ رہی تھی۔ آج میں اکیلے اپنی سالگرہ مناؤں گی۔ اپنے آپ کو خود ہی وش کروں گی۔" وہ خود سے بولی تھی۔

خود پر ایک آخری نگاہ ڈال کر وہ آئینے کے سامنے سے ہٹی۔ موسم میں خنکی کے سبب اس نے میرون ہلکا سا شال کندھوں پر لیا۔ میچنگ جوتے پہنتی لباس کو دونوں پہلوؤں سے تھامتی اپنی پرانی مخصوص و پراعتماد گردن اکڑائی چال کے ساتھ دھیرے دھیرے روانہ ہوئی تھی۔

☆......☆

"وہ طلاق کے کاغذات تیار ہیں۔ ماں جی میں آپ کے پاس ہی آ رہا تھا۔ خیریت آپ کچھ پریشان لگ رہی ہیں۔" بدر چونکا کیونکہ ساجدہ جہاں بہت جلدی میں لگ رہی تھیں۔

"زمرد۔" ساجدہ جہاں اتنا ہی کہہ پائی ان کو زمرد کی تیاری یاد آئی تو نئے سرے سے بدحواس ہوگئی تھیں۔

"کیا ہوا؟ کہاں ہے وہ؟" بدر بھی ماں کے انداز پر ٹھٹھکا تھا۔

"آکاش کو فون کر کے روتے ہوئے ہماری شکایات بیان کر رہی تھی۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی دلہنوں کی طرح تیار ہو کر اکیلے باہر نکلی ہے۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ حیرت اس بات پر ہے کہ اپنی اس سگی (زہرہ) کو بھی ساتھ جانے سے منع کر دیا یہ کہہ کر نہر کی طرف سیر کو جا رہی ہے۔" انہوں نے ایک ہی سانس میں جو دیکھا اور سنا تھا بیٹے کے سامنے گوش گزار کر دیا۔

بدر کا چہرہ پل میں سرخ ہوا تھا اس نے ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچی اور تیز قدموں سے باہر کی طرف لپکا۔

"بدر...... میرے بیٹے رکو۔ بات تو سنو۔ بیٹا جذبات سے کام نہ لو۔ ہوش میں آؤ۔" وہ اپنا بھاری بھرکم وجود گھسیٹتے بمشکل اسے آوازیں دیتیں سیڑھیوں تک گئی تھیں۔

مگر اب کیا فائدہ جب تیر کمان سے نکل چکا تھا۔

☆......☆

وہ اس اونچی جگہ کھڑی تھی جہاں سے نیچے گہری کھائی تھی اور دور بہت دور نیچے پانی بہتا تھا۔

"ہیپی برتھ ڈے پرنسز روز۔" اس نے منہ پر ہاتھ رکھ کے اونچی آواز میں کہا۔ وہاں کی خاموشی میں اس کی اپنی آواز گونج کر اس تک آتی۔

"ہیپی برتھ ڈے ٹو یو میری شہزادی!" آکاش اسے یوں وش کرتا۔

"ہیپی برتھ ڈے ٹو یو سنڈریلا۔" دادی اور آکاش مل کر اسے وش کرتے۔

"ہیپی برتھ ڈے ٹو یو میری شہزادی بیٹی زمرد۔" راحت بیگم سادگی سے محبت بھرا بوسہ اس کی پیشانی پر دیتیں۔

آج اسے ساری محبتیں بہت یاد آ رہی تھیں۔ جانے کیوں؟ وہ پلٹی سامنے بدر کھڑا تھا۔ اسے سرد اور خاموش نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

اس کی تیاری دیکھ کر ذہن میں کھٹکا محسوس ہوا تھا۔ (یہ اتنی تیاری کس کے لیے؟) "طلاق کے کاغذات تیار ہو چکے ہیں۔" اس نے زمرد کے سر پر بم پھوڑا۔

"کیا یہ وہی شخص ہے......؟ جس کے لیے میں نے خود کو اتنا بدل لیا، ہر ظلم اور ذلت کو خاموشی سے سہا؟ صرف اس لیے کہ اسے میری سچائی کا معترف ہونا پڑے گا ایک دن۔" زمرد نے دھندلائی نظروں سے اپنے سامنے کھڑے شاندار سے شخص کو دیکھا۔ اس کا مضبوط اٹھان والا مغرور شہزادہ۔

اس کے دل سے ایک ہوک اٹھی تھی۔

بدر اس کو بہت بدلا ہوا محسوس کر رہا تھا۔ وہ جو اس کے سامنے سر اٹھا کر کھڑی نہیں ہو سکتی تھی اس کے سامنے خوف سے تھر تھر کانپتی تھی۔ آج اس کے سامنے گردن اکڑائے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے بے خوفی سے کھڑی تھی۔

"یہ اسی گھٹیا شخص کی شہہ پر اتنا اکڑ رہی ہے۔ سارے کس بل نہ نکال دیئے تو میں ملک غفار کا بیٹا نہیں۔" وہ پیچ و تاب کھاتے ہوئے سوچ رہا تھا۔ "آکاش نے ٹھیک ہی کہا تھا کہ میں اس کے بغیر نہیں

رہ سکتی۔ دنیا میں وہ واحد شخص ہے جو مجھے سمجھتا ہے اور مجھے بے پناہ خوشیاں دے سکتا ہے۔ جو بات مجھے آکاش سمجھا نہ پایا وہ مجھے آپ نے سمجھا دیا۔ آپ سے محبت میری بھول تھی۔ بچپنا تھا۔ آپ کا بے حد شکریہ۔ مجھے یہ آگہی دینے کا کہ میں واقعی آکاش سے محبت کرتی ہوں۔ صبح وشام مجھے اس کے نام کے طعنے دے دے کر آپ نے مجھے بالآخر یہ احساس بخشا۔ میرے دل میں اس یقین کو پختہ کیا واقعی میرے دل میں سوائے آکاش کے اور کوئی نہیں۔'' وہ بے حد تحمل و بے خوفی سے گویا ہوئی تھی۔

''بدکردار عورت! تمہاری اتنی ہمت کہ میرے سامنے تم کسی اور کی محبت کا اعتراف کرو۔'' بدر دانت پیس کر اس کی سمت بڑھا۔ جو اعتراف وہ اس کے منہ سے سننا چاہتا تھا آج زمرد نے کرلیا مگر اسے برداشت نہیں ہو رہا تھا۔

''پلیز آکاش! نیچے گہری کھائی ہے۔'' وہ بدر کو اپنی طرف خطرناک ارادوں سے بڑھتے دیکھ کے سرسراتے لہجے میں خوف سے چیخی۔

وہ رک بھی جاتا مگر اس کے منہ سے اپنے لیے...... اپنے نام کے بجائے آکاش کا نام سن کر وہ خود کو روک نہیں پایا تھا۔

اس نے زور کا ایک تھپڑ زمرد کے رخسار پر مارا وہ اس اونچی جگہ کے بالکل سرے پر کھڑی تھی اس کا پیر لڑکھڑایا اور پھر فضا میں ایک بھیانک چیخ گونجی تھی۔

بدر پہلے تو کچھ سمجھا نہیں۔ جب سمجھ میں آیا تو بہت دیر ہو چکی تھی۔ وہ خود میں نیچے جھانکنے یا زمرد کو دیکھنے کی ہمت نہیں پا رہا تھا۔ اتنی اونچائی سے گرنے کے بعد ایک انسان کا حشر کیا ہوتا ہے، یہ سوچ کر ہی بدر کے چہرے پر پسینے کے ننھے منے قطرے ابھر آئے تھے۔

وہ بغیر مڑ کر دیکھے چلنے لگا۔ انداز غائب دماغی لیے ہوئے تھا۔ اس کے قدم سرخ محل جانے والے رستے کی طرف بڑھ رہے تھے۔

اس بات سے بے خبر کہ کوئی تیسرا شخص بھی اس سارے واقعے کا چشم دید گواہ تھا۔

اس نے گلے سے کیمرہ اور کندھے سے سفری بیگ اتار کر رسی نکالی اور جہاں سے زمرد گری تھی وہاں جھک کر نیچے جھانکا تھا۔

☆......☆

آکاش نے گاؤں کے حدود میں داخل ہو کر اپنے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھے خلیل احمد کو دیکھا جو بہت خاموش تھے۔

زمرد کے فون کے بعد آکاش نے حرف بہ حرف اول و آخر زمرد کے ساتھ ہوا ہر ظلم اور تکلیف ان کے سامنے بیان کیا۔ اپنی محبت کا اعتراف بھی کیا کہ وہ کئی بار زمرد کو بدر کا خیال چھوڑنے کا کہہ چکا تھا۔ خلیل احمد خاموشی و سنجیدگی سے سب سنتے رہے۔ جب بولے تو صرف اتنا۔ ''ہمیں ابھی اسی وقت سرخ محل جانا ہوگا۔''

اور آکاش تب سے اب تک ڈرائیونگ کر رہا تھا مگر دونوں کے درمیان مزید کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔

آکاش کا جانے آج کیوں اتنا جی چاہ رہا تھا کہ جلد سے جلد زمرد سے ملے اور اسے وہ نظم سنائے جو ان دونوں کی پسندیدہ تھی۔ جب آکاش وہ نظم سناتا زمرد خاموشی سے لبوں پر مسکراہٹ سجائے اسے سنتی تھی۔

میں وفاؤں کے پھول چنتے چنتے
اس آبادی میں جا نکلا تھا
جس وادی میں وہ آبادی تھی
وہاں رہتی ایک شہزادی تھی
اس شہزادی کا دامن
وفا کے پھولوں سے بھرا تھا
وہ جب جب چلتی تھی
اس کی جھولی سے
وفاؤں کے پھول بکھرتے تھے
فضاؤں میں رنگ بکھرتے تھے
وہ خوابوں کی تعبیر تھی
وہ محبت کی تفسیر تھی
میں نے اس سے پوچھا
میرے ساتھ میرے گھر چلو گی
اس نے کہا، قبول ہے!
میرے ساتھ رہو گی؟
اس نے کہا، قبول ہے!
وہ میرے ساتھ رہنے لگی
زندگی آگے بڑھنے لگی
ایک شام جب میں واپس آیا
تو وہ شہزادی جا چکی تھی
افق کے اس پار بہت دور
جا چکی تھی میں پھر سے اسے
ڈھونڈنے نکل پڑا
نہ ہی کوئی وادی ملی
نہ ہی کوئی آبادی ملی
نہ وہاں شہزادی ملی
نہ ہی راستے بھر وفاؤں کے پھول ملے
کہ سارے پھول وہ اپنے ساتھ لے جا چکی تھی۔

''گاڑی روکو۔'' وہاں موجود رش کو دیکھ کر آکاش گاڑی روکنے کا سوچ ہی رہا تھا کہ خلیل احمد کی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی۔

اس نے سائیڈ پر گاڑی روکی، دونوں گاڑی سے اتر کر ہجوم کو چیرتے اس اونچی چوٹی نما جگہ کے

سرے تک آئے۔ لوگوں کی باتوں سے یہی نتیجہ اخذ ہو رہا تھا کہ کوئی یہاں سے نیچے کھائی کی طرف گرا ہے مگر جو کوئی بھی تھا بہت خوش قسمت ہے کہ بہت گہرائی تک نہیں گیا چوٹی سے ذرا نیچے ایک بڑا سا پتھر پڑا ہوا تھا۔ گرنے والے کی قمیص اس پتھر نے پکڑ رکھی تھی اور وہ بندہ لٹک رہا تھا کسی شہری راہگیر نے اسے گرتے دیکھا تھا وہ رسی کے ذریعے اسے اوپر لانے کی کوشش کر رہا تھا۔ سب کو ایک معجزہ لگ رہا تھا کہ اتنی اونچائی سے گرنے والا انسان یوں بچ نکلے۔

بچانے والا جو کوئی بھی تھا بہت بہادر انسان تھا جو اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر کسی اجنبی کو بچانے کی کوشش کر رہا تھا۔ آکاش اور خلیل احمد سمیت تمام لوگوں نے دیکھا کہ وہ ایک لڑکی ہے جسے رسی سے بندھ اٹھا کر اوپر لایا تھا۔

جیسے ہی افرائیم نے اسے زمین پر لٹایا آکاش اور خلیل احمد دوڑتے ہوئے آئے تھے۔

''زمرد میری بیٹی۔'' وہ زمرد کے پاس آکر زمین پر دوزانو بیٹھے تھے۔

''آکاش جلدی سے گاڑی نکالو، اسے اسپتال پہنچانا ہوگا۔'' وہ زمرد کو گود میں اٹھاتے ہوئے پریشانی سے بولے تھے۔

''آپ بھی ہمارے ساتھ چلیں۔'' آکاش گاڑی تک جاتے جاتے افرائیم کو مخاطب کر کے بولا۔

آکاش نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی، وہ بھی اس کے ساتھ آگے بیٹھا پیچھے زمرد کا سر اپنی گود میں رکھے خلیل احمد کسی گہری سوچ میں گم تھے۔ زمرد کو بظاہر کوئی چوٹ نہیں آئی تھی۔ سوائے پیشانی کے زخم کے اور ہاتھوں پیروں پر پڑنے والی خراشوں کے مگر وہ خوف کی زیادتی سے گہری بے ہوشی میں تھی۔

اسے نزدیکی اسپتال پہنچایا گیا۔ خطرے کی کوئی بات نہ تھی۔ ڈاکٹرز نے اسے خوف کی وجہ سے طاری بے ہوشی کے لیے انجکشن لگا دیے تھے۔ ''میری بیٹی کے ساتھ جو ہوا میں وہ سب سننا چاہتا ہوں۔ آپ نے جو دیکھا مجھے ایک ایک حرف بتا دیجیے۔'' وہ افرائیم کے ساتھ اسپتال کی عمارت سے باہر آتے ہوئے سنجیدگی سے بولے تھے۔

اس نے زمرد اور بدر کے درمیان ہونے والے تمام واقعے کو جیسے دیکھا اور سنا تھا بیان کر دیا۔

اب خلیل احمد کو سمجھنے میں کچھ تامل نہ تھا۔

☆.....☆

''میری بیٹی کے ساتھ اس کے سگے چچا کے گھر ناروا سلوک ہوتا رہا اور پھر اس کی جان لینے کی کوشش کی گئی۔ مجھے اس سب کا حساب چاہیے ایسا کیوں ہوا؟'' وہ سرخ محل کے مہمان خانے میں بدر اور ساجدہ جہاں کے سامنے بیٹھے اب تک تحمل کا دامن تھامے ہوئے تھے۔

''بدر مجھے تمہاری زبان سے یہ جواب چاہیے۔ اس کے لیے رشتوں کی کوئی کمی نہیں تھی مگر میں نے بھائی جان اور بھابھی کی خواہش کا احترام کرتے زمرد کا ہاتھ تمہارے ہاتھ میں تھمایا اور اس بات پر مطمئن رہا کہ ساری زندگی بھی اپنی بیٹی سے رابطہ نہ رکھوں تب بھی وہ میرے بھائی کے گھر سکھی رہے گی۔ بدر بچہ ہے، ہمارا خون ہے وہ اگر کوئی زیادتی کرے گا تو ساجدہ بھابھی کو میں نے ہمیشہ بڑی بہنوں کا درجہ دیا ہے۔ وہ بدر کو سمجھائیں گی۔ ہماری بیٹی کے ساتھ حویلی میں کوئی ناروا سلوک نہیں ہوگا۔ وہ یقیناً سگے چچا کے گھر خوش رہے گی مگر یہ مجھ جیسے رشتوں کی توقیر کرنے والے بے فکر شخص کی بھول تھی میں یہ فراموش کر چکا

تھا کہ یہ وہ زمانہ ہے جب خون بھی سفید ہو جاتا ہے سگے رشتوں کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی تو پھر سگے رشتوں کی آل اولاد کیا اپنی ہوگی۔'' اب کے وہ تیز آواز میں بولے تھے۔

بدر سر جھکائے خاموش بیٹھا چچا کو سن رہا تھا۔

''جواب دو بدر۔'' وہ غصے سے چیخے تھے۔ آخر کو اکلوتی اولاد کا دکھ تھا۔

''وہ میرے نکاح میں تھی مگر اس کے دل میں کوئی اور بستا تھا۔'' بدر کی بات نے خلیل احمد جیسے دھیمے انسان کو آگ لگا دی تھی۔

''شرم آنی چاہیے تمہیں۔ وہ صرف تمہاری بیوی نہیں اس خاندان کا خون بھی ہے اتنا بڑا الزام کس بل بوتے پر لگا رہے ہو؟ میرے ہی سامنے میری ہی بیٹی کے لیے تمہاری زبان سے ایسے الفاظ نکلے بھی کیسے؟ جن پر تم تہمت لگا رہے ہو وہ دونوں بچے میری نظر کے سامنے پلے بڑھے ہیں میں ان کو اچھی طرح سے جانتا ہوں، وہ دونوں بھی ایسا کام نہیں کر سکتے۔ جس سے ہمارے سر جھکیں۔ تم نے کیا کیا ہے میں اگر تم پر کیس کر دوں تو کوئی تمہیں سزا سے نہیں بچا سکتا مگر میں ایسا کروں گا نہیں۔ صرف اور صرف بھائی جان کا سوچ کر، ان کی روح کو تکلیف نہ دینے کی خاطر میں تمہاری جان بخش رہا ہوں۔'' بدر کو سخت سست سنا کر انہوں نے اپنا رخ ساجدہ جہاں کی طرف موڑا۔

''آپ نے میری اکلوتی اولاد کو نہیں، مجھے زخم دیا ہے، میرے دل پر وار کیا ہے۔ کبھی ساری زندگی میں کسی ایک لمحے بھی میں نے آپ کے احترام میں کمی نہیں چھوڑی، غفار بھائی ہمارے سامنے آپ کو برا بھلا کہتے، حتیٰ کہ ہاتھ اٹھانے سے بھی دریغ نہ کرتے مگر میں نے کبھی آپ کی عزت کرنا نہیں چھوڑا، کبھی اس بات کو لے کر دل میں میل نہیں آنے دی۔ آج سے میں ہر رشتہ، ہر ناتا توڑ رہا ہوں۔ میرا آپ لوگوں سے کوئی سروکار نہیں۔'' وہ کھڑے ہوئے۔

بدر بھی کھڑا ہو گیا۔ انہوں نے قہر بار نظروں سے بدر کی طرف دیکھا تھا۔

''تم میری بیٹی کو کیا چھوڑو گے۔ میں بیٹی کا باپ ہو کر تم سے اپنی بیٹی کے لیے طلاق کا مطالبہ کرتا ہوں۔ کل تک میرے گھر طلاق کے کاغذات پہنچ جانے چاہئیں ورنہ دوسری صورت میں نتائج کی ذمہ داری تم پر عائد ہوگی۔'' وہ اپنی بات مکمل کر کے رکے نہیں تھے۔

☆.....☆

خلیل احمد، زمرد کو بازوؤں کے گھیرے میں لیے گھر میں داخل ہوئے، پیچھے سنجیدہ سا آکاش آہستگی سے چلتے ہوئے اندر آیا تھا۔ راحت بیگم نے زمرد کو دیکھا تو ان کے دل پر ہاتھ پڑا تھا۔ زرد چہرہ نازک و خوب صورت سراپا ہڈیوں کا ڈھانچا بن چکا تھا۔ پیشانی پر پٹی بندھی تھی۔ آنکھوں کے نیچے گہرے حلقے اور سب سے بڑھ کر ان کانچ سی نیلی آنکھوں کی وحشت ناک جامد خاموشی۔

''زمرد! میری شہزادی بیٹی یہ کیا حالت بنا رکھی ہے؟'' وہ آگے بڑھیں اور زمرد سے لپٹ گئیں۔

وہ سکتے کی سی کیفیت میں تھی۔ بالکل چپ چاپ، سپاٹ سا انداز لیے ہوئے۔ ''یہ کچھ کہتی کیوں نہیں؟ آپ لوگ مجھ سے کیا چھپا رہے ہیں۔'' راحت بیگم بری طرح سے ہراساں تھیں۔

''آکاش۔'' خلیل احمد نے اس کی طرف دیکھا۔ وہ ماموں کی نظریں دیکھ کر سمجھ گیا کہ وہ کیا چاہتے ہیں۔

''مامی آپ میرے ساتھ آئیے۔'' اس نے راحت بیگم کو کندھوں سے تھاما، خلیل احمد بیٹی کو اس کے

کمرے کی طرف لے جا چکے تھے۔

آکاش نے دونوں خواتین کو سب کچھ بتا دیا تھا۔ دونوں ہی زمرد کے ساتھ اتنا سب کچھ بیت جانے کے دکھ سے رونے لگی تھیں۔

طلاق کے کاغذات ملنے پر راحت بیگم بہت روئی تھیں۔ ''ساجدہ جہاں تمہیں اللہ پوچھے۔ ہمیشہ مجھ سے خدا واسطے کا بیر رکھا۔ جانے یہ کیسی جلن تھی کیسا حسد تھا کہ تم نے مجھے دکھ دیے۔ اب میری بیٹی کا گھر اجاڑ دیا۔ تم اپنے بیٹے کو روک سکتی تھیں مگر تم نے کب کوئی اچھا کام کیا ہے۔ کب کسی کا بھلا چاہا ہے۔ تمہیں تو لوگوں کو دکھ دے کر تسکین ملتی ہے۔ غفار بھائی کی طبیعت سخت تھی۔ خلیل نرم مزاج تھے۔ میرا خیال رکھتے تھے اس میں میرا کیا دوش تھا؟ جس چیز میں میرا عمل دخل نہیں تھا ہمیشہ مجھ سے اسی کا بدلا لیا۔ ساجدہ جہاں کیا کہوں تمہیں۔'' شمشاد بیگم کے سینے سے لگیں وہ دہائیاں دے رہی تھیں۔ وہ اپنی سادہ دل بہو کے دکھ پر اور اپنی کم عمر پوتی کے غم پر بہت دکھی تھیں۔

☆......☆

دن گزرتے رہے مگر زمرد کی گہری، جامد چپ نہ ٹوٹی۔

''میں بہت ڈر گیا تھا تمہیں کھونے کا احساس بہت جان لیوا تھا۔ جب جب میں سوچتا ہوں کہ خدانخواستہ تمہیں اس دن کچھ ہو جاتا تو...... اس تو سے آگے میرا دماغ سن ہو جاتا ہے۔ میں کچھ بھی غلط سوچتے پاگل ہونے لگتا ہوں۔ تمہیں کھو کر میری زندگی بالکل بے معنی ہے۔'' آکاش کے لہجے اور آنکھوں میں خوف کی پرچھائیاں اتر آئی تھیں۔

اس نے زمرد کی طرف دیکھا تو ایک بوجھل سی سانس اس کے سینے سے خارج ہوئی تھی۔

وہ کروٹ کے بل لیٹی آکاش کا ہاتھ دونوں ہاتھوں میں جکڑے اس پر چہرہ ٹکائے پرسکون نیند سو چکی تھی۔

آکاش کسی معصوم اپنوں سے بچھڑے خوف زدہ بچے کی طرح زمرد کا خیال رکھتا۔ اس کی آنکھوں میں چھپا کرب اور خوف آکاش کو ہر پل دکھ سے دوچار کیے رہتا۔

خلیل احمد زمرد کے لیے بہت حساس ہو گئے تھے۔ شہر کے بہترین سائیکولوجسٹ سے اس کا علاج ہو رہا تھا۔ وہ بذات خود اس کی خوراک کا خیال رکھتے۔ اب زمرد آہستہ آہستہ بہتری کی سمت بڑھ رہی تھی جیسے جیسے اس کا دماغ بیدار ہو رہا تھا۔ اس کی یہ بے یقینی اور دکھ بڑھتا جا رہا تھا کہ بدر اسے طنز کے تیروں سے چھلنی کر سکتا ہے اس پر ظلم ڈھا سکتا ہے۔ اسے مار سکتا ہے۔ گالیاں دے سکتا ہے۔ مگر اسے جان سے نہیں مار سکتا۔ اسے اتنی بھیانک موت نہیں مار سکتا۔ اس نے ایسا کیوں کیا؟ یہ جواب اسے نہیں مل رہا تھا۔ وہ اپنے لیے گھر والوں کا بچوں کی طرح خیال رکھتا دیکھتے، کبھی کبھار شرمندہ ہو جاتی۔ اس نے کتنے مخلص اور سچے رشتوں کی ناقدری کی تھی انہیں دکھ دیے۔ اگر وقت پر وہ ان کی قدر کرتی تو یہ سب کچھ نہ ہوتا۔ یہ بات اس نے آکاش کے سامنے بھی کی تھی۔ آکاش نے اسے بہت خوب صورت جواب دیا تھا۔ جب تک مشکلات اور تکلیفیں نہ آئیں ہم لوگوں کو اور زندگی کو نہیں سمجھ سکتے۔ زندگی میں آنے والی سختیاں ہی ہمیں عقل و شعور دیتی ہیں۔ لوگوں کو پہچاننے کا ہنر دیتی ہیں جو ہو چکا اس کے بارے میں مت سوچو، اس بات پر اللہ کا شکر ادا کرو کہ تم صحیح سلامت اور اپنوں کے درمیان ہو۔'' اس کو سنبھالنے میں زندگی کی طرف

آنے میں بہت ہاتھ آکاش کا بھی تھا اور یہ سب کچھ خلیل احمد بغور محسوس کر رہے تھے۔ زمرد بھی اس کی سنگت میں بہت خوش و مطمئن ہوتی۔ آکاش نے خلیل احمد کے سامنے زمرد سے محبت کا اعتراف کیا تھا۔ ان دونوں کو ساتھ دیکھ کر خلیل احمد کے دل میں ڈھیروں اطمینان اتر جاتا تھا۔

شمشاد بیگم اور راحت، کے مشورے سے انہوں نے زمرد اور آکاش کی شادی کا فیصلہ کیا تھا۔

ان دونوں نے بھی اس فیصلے پر رضامندی دے دی تھی۔ آکاش نے زمرد کا ایڈمیشن کالج میں کروا دیا تھا روزانہ اسے خود ٹیوشن دیتا وہ بچوں کی طرح منہ بسورتی مگر آکاش سخت گیر استاد بنا رہتا۔

☆......☆

''میری خواہش ہے کہ تم آج یہ لباس پہن کر میرے لیے سنگار کرو۔ میں تمہیں اپنی حقیقی شہزادی کے روپ میں دیکھنا چاہتا ہوں۔'' آج ان دونوں کی زندگی کا یادگار ترین دن تھا۔ خوش باش سا آکاش وہی لباس تھامے اس کے سامنے کھڑا تھا۔ جسے ساجدہ جہاں اور بدر نے اس کے جسم سے اتروا دیا تھا یہ کہہ کر کہ تمہیں جنازہ نہیں ڈولی لے کر جانی ہے۔ دلہن سفید کفن نہیں، سرخ ارمانوں بھرا جوڑا پہنتی ہے۔ اپنی شادی کے روز۔'' اور اس کا اتنی چاہ سے بنایا گیا قیمتی اور مہنگا ترین سوٹ ریجیکٹ کر دیا گیا تھا۔

اس حسین لباس کو دیکھ کر زمرد کو بہت کچھ یاد آیا تھا۔ اس کا چہرہ ایسے سفید ہوا تھا جیسے اس کے جسم کا سارا خون نچوڑ لیا گیا ہو۔ وہ لڑکھڑائی۔ اس سے پہلے کہ وہ گرتی آکاش نے آگے بڑھ کر اسے نازک پھول کی مانند دونوں ہاتھوں میں تھام کر سنبھالا تھا۔

''اذیت دیتی ہر سوچ ہر یاد کو اپنے ذہن و دل سے کسی ناسور کی مانند کھرچ کر نکال پھینکو۔ تمہارے سامنے آکاش کھڑا ہے۔ تمہارا آکاش، جو ہمیشہ سے صرف تمہارا ہے۔ مجھے اپنی بہادر کسی سے نہ دبنے والی مغرور شہزادی چاہیے۔ وہی شہزادی جو گردن اکڑا اکڑا اعتماد سے چلتی تو لوگ مڑ مڑ کر اسے دیکھتے۔ اپنا رعب اور حکم منواتی میرے دل کی شہزادی۔'' وہ اسے دونوں بازوؤں سے تھامے اس کی آنکھوں میں جھانکتے سنجیدگی و صداقت سے گویا ہوا۔

''مم...... مگر میں تو...... اب وہ شہزادی نہیں رہی...... میری آنکھوں کے سارے خواب چھین لیے گئے۔ مجھے بے موت مار دیا گیا۔'' اس کی نم آنکھوں اور لرزتے لہجے میں بہت خوف بہت لاچاری تھی۔

''نہیں...... یہ غلط ہے۔ تم نے آج زندہ ہونا ہے۔ میرا ساتھ تمہیں مکمل و زندہ کرے گا۔ میرے بغیر تم بالکل ادھوری ہو۔ میں نے تم سے کہا تھا نا ہم دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں، تمہارے خواب ہرگز نہیں چھینے گئے بلکہ تمہارے خواب اب زندہ ہوئے ہیں۔''

''اس کی مثال یہ ہے!'' وہ اسے سامنے دیوار پر ٹنگی پورٹریٹ کے پاس لایا تھا۔

''وہ شخص جو ہمارے وجود سے انکاری تھا اسے بھی یہ حقیقت تسلیم کرنا پڑی۔ اس کی شکست کا اعتراف ہی دراصل اس تصویر کی یہاں موجودگی ہے۔'' یہ وہی پینٹنگ تھی جو آکاش نے بنائی تھی جس میں موجود گھڑ سوار شہزادہ بھی وہی تھا۔

بدر نے طلاق کے کاغذات کے ساتھ یہ پینٹنگ بھی واپس بھجوا دی تھی۔

''تم سچ کہہ رہے ہو؟'' زمرد کی نیلی آنکھوں کے سہم نے امید کی جوت پکڑی تھی۔

''ہاں...... بالکل سچ۔'' آکاش نے اس معصوم سی مشرق کی شہزادی کو محبت سے دیکھا تھا۔ جس کے

حسین خوابوں کو حقیقت کے تلخ ناگ نے نگل لیا تھا۔ وہ خوابوں کی ڈسی ہوئی تھی۔

"زمرد، میرے دل کی شہزادی۔" آکاش نے دھیرے سے اسے پکارا۔

"ہوں۔" وہ معصومیت سے اس کی سمت دیکھتی چونکی۔

"کیا مجھے تم کے بجائے آپ کہہ کر مخاطب نہیں کر سکتیں؟" اس نے کان کھجایا۔ "وہ کیا ہے کہ مجھے وہ لڑکیاں بہت اچھی اور باادب لگتی ہیں جو شادی کے بعد شوہر کو آپ کہہ کر مخاطب کریں۔" اس کا لہجہ التجا اور عاجزی لیے ہوئے تھا۔

زمرد کی آنکھوں میں شرارت اور لبوں پر مسکراہٹ در آئی۔

"میری زبان تمہیں تم کہہ کر مخاطب کرنے کی اتنی عادی ہو چکی ہے کہ اب چاہ کر بھی تمہیں وہ عزت نہیں دے سکتی جس کی تمہیں خواہش ہے۔" وہ شرارت سے کہہ کر اپنا سفید لباس اٹھاتی دروازے کی سمت بھاگی تھی۔

"بھاگ کر کہاں جاؤ گی؟ آخر کو میرے ہی ہاتھ لگنا ہے۔" اس نے مسکراتے ہوئے پیچھے سے اونچی آواز میں ہانک لگائی تھی۔

☆......☆

"چار سال سے زیادہ کا عرصہ گزر گیا۔ تمہاری شادی کو مگر حویلی کے آنگن میں بچوں کی کھلکھلاہٹ زندگی کا حسن بڑھاتا شور، اب تک سن نہ پائی۔"

"بدر اب ضد چھوڑ دو، آسرہ کو بھی تمہاری شادی کروانے پر کوئی اعتراض نہیں۔ بہت محبت کرتی ہے تم سے۔ وہ تمہاری خوشی میں خوش ہے۔" ساجدہ جہاں وزن خطرناک حد تک بڑھنے کے سبب گھٹنوں کی تکلیف سے دوچار تھیں۔ کافی عرصے سے وہیل چیئر استعمال کر رہی تھیں۔ اب بھی بمشکل آہستگی سے اپنی بات کہہ پائی تھیں۔ ورنہ زیادہ بولنے کی وجہ سے ان کی سانس کی روانگی متاثر ہوتی۔ وہ آزاد زندگی گزارنے کی عادی تھیں۔ اب معذوری کے سبب ان کو دن رات بستر پر رہنا پڑتا تو کبھی کبھار بے بسی سے رونے لگتیں۔ آسرہ ان کا بہت خیال رکھتی۔ وہیل چیئر پر بٹھا کر باغیچے اور کھیتوں کی سیر کو لے جاتی تھی۔ مگر وہ اپنی بیماری کی وجہ سے زندگی سے کافی حد تک مایوس اور بیزار ہو چکی تھیں۔

"ہم علاج کے لیے جہاں بھی گئے ایک ہی جواب ملا۔ ہماری رپورٹس بالکل کلیئر ہیں۔ بس اللہ کی مرضی ابھی نہیں، اس میں بھی کوئی مصلحت ہوگی۔ بعض لوگوں کی تو دس دس بارہ بارہ سال اولادیں نہیں ہوتیں کیا وہ بھی اللہ کی ذات سے ناامید ہو جاتے ہیں۔" بدر نے نرمی سے ماں کو سمجھایا۔ گزرے چار سالوں نے انہیں بہت بوڑھا کر دیا تھا۔

"میں ڈر جاتی ہوں، اتنی زمین و جائیداد، روپیہ پیسہ، اس کا کوئی وارث پیدا نہیں ہوگا کیا سرخ محل ہمیشہ یونہی سونا رہے گا۔ یہی خوف مجھے سکون سے رہنے نہیں دیتا۔" ان کے کمزور لہجے اور بجھتی بوڑھی آنکھوں میں خوف کی پرچھائیاں اتر آئی تھیں۔

"آپ کا خوف بے بنیاد ہے۔ میں اللہ کی ذات سے مایوس نہیں۔ وہ قادر مطلق ہے۔ اونچی چوٹی سے گرنے والے ایک حقیر اور ادنیٰ انسان کو بچانے والی، اس کی حفاظت کرنے والی اسے زندہ لوٹانے والی ذات۔" بدر کی ساحر آنکھوں میں پانچ سال پہلے کا وہ خوف ناک لہو کو منجمد کر دینے والا منظر ابھرا تھا۔

اکثر یہ خیال اس کی راتوں کی نیند کو اڑا دیتا اور وہ سوچتا اگر وہ مر جاتی تو......؟ اس سے آگے وہ سوچنا نہیں چاہتا تھا۔

"ماں جی!" اس نے عجیب سی نظروں سے ساجدہ جہاں کو دیکھتے خوف زدہ لہجے میں پکارا تھا۔

"میرے شہزادے بیٹے۔" وہ لاڈ سے بولیں۔

"ماں جی مجھ سے آسرہ پر سوکن لانے کا مطالبہ مت کریں۔ میں ایک معصوم لڑکی پر بہت ظلم کر چکا۔ اب آسرہ پر مزید ظلم کر کے اپنے گناہوں میں اضافہ نہیں کرنا چاہتا۔ میرے ضمیر کا بوجھ مجھ سے نہیں اٹھایا جاتا۔ میں کیسے آسرہ کا دل توڑ دوں؟ اس نے میرے لیے خود کو بدل لیا۔ میری محبت میں خود کو سرتاپا رنگ لیا۔ کتنا خوش نصیب رہا ہوں میں۔ اتنی خالص محبتوں کی قدر نہ کر سکا۔ اس نے بھی میرا ہر ظلم چپ چاپ سہا اور اب آسرہ، وہ کہتی ہے میں جو چاہوں جو میری خوشی ہو وہی کروں۔ میری طرف سے آپ کو کسی بھی قسم کی رکاوٹ برداشت نہیں کرنی پڑے گی۔ تو کیسے میں اتنی پیاری معصوم لڑکی کا دل توڑ سکتا ہوں؟ پلیز ماں جی مجھے اولاد ملنا ہوئی، میرے نصیب میں بچے ہوئے تو وہ آسرہ کے توسط سے ہوں گے۔ سوری آپ کا فرمانبردار بیٹا اب آپ کا یہ حکم نہیں مان سکتا۔" وہ اپنی بات مکمل کر کے ان کے کمرے سے نکل گیا۔

دروازے میں کھڑی آسرہ نے ساری باتیں سن لی تھیں۔ بدر اسے دیکھ کر رکا۔ آسرہ آنسو بھری آنکھوں میں والہانہ محبت بھرے اس کو تک رہی تھی۔ "آج کے بعد تمہاری آنکھوں میں یہ آنسو نہیں آنے چاہئیں۔ ہر خوف، ہر ڈر کو اپنے دل سے نکال دو۔ میں صرف تمہارا ہوں۔ مجھے اولاد بھی تم سے چاہیے۔ دیکھنا چاہتا ہوں۔ مجھ سے والہانہ محبت کرنے والی اس معصوم لڑکی کے ننھے منے بچے کیسے لگتے ہوں گے؟ کیا اس کی طرح چھوٹی سی ناک والے ہوں گے؟" وہ سنجیدگی و صداقت سے کہتے آخر میں شرارتی لہجہ اپناتا ہوا بولا اور آسرہ کی ناک کو دبایا تھا۔

وہ کھلکھلا کر ہنستی اس کے کشادہ سینے سے لگی تھی۔

گزرے کل کی بہت سی خوف ناک و تلخ یادوں نے اس کے دل و دماغ پر حملہ کیا تو اس کے مغرور نقوش والے وجیہہ چہرے پر اذیت کے رنگ بکھر گئے تھے۔ پچھتاوں کی اس آگ میں تو اب ساری زندگی چپ چاپ جلنا تھا۔

☆......☆

"ہانیہ کو لے آتے۔ کتنی خوش ہوتی یہاں۔" آکاش اور زمرد ایک دوسرے کے ہاتھوں میں ہاتھ دیئے مری کی خوب صورت سڑک پر پیدل چل رہے تھے۔ سڑک کے دونوں اطراف کھڑے درختوں کے خزاں رسیدہ سرخ و زرد پتوں نے پوری زمین ڈھانپ رکھی تھی۔

"بہت شرارتی ہے۔ ناک میں دم کیے رکھتی۔ اچھا ہے ممی پاپا کے ساتھ بہت خوش ہوتی ہے۔ ہمارے ساتھ آنے کے بجائے ان کے ساتھ رہ جانے کو ترجیح دی۔ پھر اسکول کا بھی حرج ہوگا۔ نئی نئی پڑھائی ہے، حرج ہوتا۔" ہانیہ چار سال کی ہو گئی تھی۔ اپنی عمر کے بچوں سے کافی ذہین اور سمجھدار تھی۔ خلیل احمد اور راحت بیگم اس کے ساتھ بہت خوش اور مگن رہتے۔ ان کی شادی سے پہلے خلیل احمد نے آکاش کو کھلا اختیار دیا تھا کہ وہ چاہے تو زمرد کے ساتھ الگ رہ سکتا ہے مگر اس نے اپنے سگے ماں باپ کی طرح ان دونوں کو ہمیشہ اپنا بے حد خیال رکھتے دیکھا تھا۔ اب ان سے الگ ہونا اس کے لیے ناممکن تھا۔ زمرد نے گریجویشن

کی ڈگری لے لی تھی۔ زندگی بہت خوش اور مگن گزر رہی تھی مگر شمشاد بیگم اب ان میں نہیں رہی تھیں۔

''ان کی بیٹی تو مجھ پر انحصار کرتی تھی۔ اب مائی کو معلوم ہوگا بچے پالنا کتنا مشکل کام ہے۔ جب ہانیہ کو سنبھالیں گی۔'' آکاش شرارت سے بولا۔

زمرد خاموش تھی۔

اسے عرصہ پہلے کی مری میں گزری وہ حسین صبح یاد آئی تھی اس نے کرب سے آنکھیں میچ لیں۔

''تم ٹھیک ہو؟'' آکاش چلتے چلتے تشویش سے کہتے رکا۔

''پہلی بار میں نے اسے مری کی ایسی ہی سڑک پر دیکھا تھا۔ شاید یہی میری زندگی کی سب سے بڑی غلطی تھی۔'' اس کی آواز بہت مدھم تھی۔

''غلطیوں کو یاد نہیں رکھتے۔ بھول جاؤ۔ تم اکیلی نہیں میں ہوں تمہارے ساتھ۔ ہماری ایک پیاری سی بیٹی ہے۔ افسردہ ہونے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔'' آکاش نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ دونوں پھر سے ساتھ چلنے لگے۔

میری سوچ غلط تھی۔ شہزادی چاہے مشرق کی ہو، یا مغرب کی، دونوں کو ہی دکھ جھیلنے پڑتے ہیں کیوں کہ خواب دیکھنے والی ہر لڑکی نازک کانچ کی طرح ہوتی ہے۔ جب اسے خوابوں کی تعبیر نہیں ملتی وہ تو ٹوٹ جاتی ہے، بکھر جاتی ہے اور اس کے اپنے ہی ٹوٹے خوابوں کی کرچیاں اس کی آنکھوں میں چبھتی ہیں اور اس کی آنکھ سے لہو رستا ہے۔ تمہارا بہت شکریہ آکاش۔ ہر موقع پر، ہر لمحے میرے ساتھ ہونے کا، تم نے کبھی مجھے تنہا نہیں ہونے دیا۔ اس حقیقی اور بدنصیب شہزادی کے صرف تم ہی اصل شہزادے تھے مگر وہ وقت پر تمہاری قدر نہ جان پائی، تمہیں نہ سمجھ سکی۔'' اس نے بھیگے لہجے میں کہتے اپنا سر ان کے کندھے سے لٹکا کر طمانیت سے آنکھیں موندھ لیں تھی۔

ان کے پیروں تلے چرمراتے خزاں رسیدہ پتے اپنی موجودگی کی گواہی دے رہے تھے۔

''ایک مشرق کی شہزادی تھی!
وہ نیلی کانچ سی آنکھوں، سنہرے بالوں والی
خواب دیکھتی شہزادی......!
ظالم دنیا نے جس کی آنکھوں سے اس کے خواب چھین لینا چاہے تھے
کیوں کہ وہ ظاہر پر مرمٹی تھی اور ایک دیو کو اپنا شہزادہ سمجھ بیٹھی
پھر ایک دن یوں ہوا کہ دیو نے اسے اپنے طلسم میں جکڑ کر قید کرلیا
وہ انجان و معصوم شہزادی ہر ظلم سہتی چپ چاپ روتی رہتی
ایک دن اس نے دیو کا اصل چہرہ دیکھ لیا
وہ رونے لگی کہ ایک مہربان فرشتہ اسے دیو کی قید سے آزاد کرانے میں کامیاب ہوگیا
اور وہ اپنے اصل حقیقی شہزادے سے جا ملی دونوں ایک ہوئے
حقیقی شہزادی نے اپنے حقیقی خواب نگر کے شہزادے کو جان لیا تھا
وہ دونوں ہنسی خوشی رہنے لگے تھے کیوں کہ جیون بہت حسین تھا''

......ختم شد......

نائلہ طارق

افسانہ

یہ موسم یہ بارش یہ دھند

تنہائی کے کرب میں رات بہت تاریک لگتی ہے اور جب یہ کرب رگوں میں اتر جائے تو رات اندھیری بھی ہو جاتی ہے۔ گھٹن بڑھتی جا رہی تھی، تنہائی کسی عفریت کی طرح اپنے سیاہ پر پھیلائے اسے اپنے پنجوں میں جکڑ چکی تھی۔ یہ اذیت اب اس کی راتوں کا حصہ بنتی جا رہی تھی، اسے جھیلنا محال ہوتا جا رہا تھا، ہر رات خود کو ریزہ ریزہ ہوتا دیکھنا ایک عذاب ہی تو تھا، یہ درد انسان کو ہمیشہ کسی درد شناس کا محتاج بننے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ سالوں سے دنیا کے اس گرداب میں بھٹکتے بھٹکتے ایک درد آشنا کا مل جانا، اس کے لیے بھی بڑی نعمت تھی، بے شک مصائب اور مشکلات کا سامنا کرتے کرتے انسان کے اعصاب، فیصلے اور عزم بہت مضبوط ہو جاتے ہیں مگر یہ تنہائی کا دیمک اندر سے کھوکھلا کر دیتا ہے۔ بہت کمزور کر دیتا ہے، کم از کم ایک انسان کے سامنے اپنی اس کمزوری کا اعتراف کرتے ہوئے اسے کوئی شرمندگی نہیں تھی، بڑھتی گھٹن سے گھبرا کر اس نے آج پھر امان کے کمرے کا دروازہ دھڑ دھڑایا تھا، امان کو کچھ پوچھنے کی ضرورت نہیں تھی، اس کی سرخ آنکھیں، چیختا چہرہ اس کی اذیت کی گواہی دے رہے تھے۔

''ہاج! میں پھر کہتا ہوں، کسی کو انتظار کی سولی پر چڑھائے رکھ کر تم اس سے زیادہ اذیت کی توقع تو رکھ سکتے ہو مگر سکون حاصل نہیں کر سکتے، تمہیں ہمت کرنی ہو گی۔''

''اگر...... اگر ایک مدھم سی امید بھی دم توڑ گئی تو......؟'' اس کے لہجے میں خوف لرز رہا تھا۔

''تمہارے یہی خدشے کہیں ساری زندگی کا پچھتاوا نہ بن جائیں، ہو سکتا ہے اس مدھم امید کے سہارے کوئی اور بھی تمہاری راہ دیکھتا ہو، ایک بار پلٹ کر جاؤ تو سہی، ہو سکتا ہے کسی کے انتظار کے مکمل ہونے میں ہی تمہاری نجات ہو، آج فیصلہ کر لو ہاج! اس پر ثابت قدم رہو، ایک وقت ضرور ایسا آتا ہے کہ جن کو ہم بہت پیچھے چھوڑ آتے ہیں، ان تک واپس جانے کے علاوہ قدرت کی طرف سے ہر راستہ بند ہو جاتا ہے اور قدرت کے عمل میں ہی عافیت پوشیدہ ہے۔'' امان نے خاموش ہو کر اس کے متذبذب تاثرات کو دیکھا تھا۔

''پتہ ہے تمہارا مسئلہ کیا ہے، نہ تم امید کا دامن چھوڑ سکتے ہو اور نہ ہی ناامیدی سے اپنا دامن چھڑا تے ہو، ایک ساتھ دو کشتیوں میں سوار رہ کر زندگی کے فیصلے نہیں کیے جاتے، اب میں خود تمہارے واپس جانے کا انتظام کروں گا اور تم وہی کرو گے جو میں کہہ رہا ہوں۔'' امان کے لہجے میں سخت تاکید تھی۔

''ٹھیک ہے، ایک ٹھوکر اور سہی۔'' وہ کمزور لہجے میں بولا تھا۔

''مایوس ہو کر نہ جاؤ، زندگی اتنی بھی بے رحم اور بد صورت نہیں، تم یقیناً خسارے میں نہیں رہو گے، اتنا طویل عرصہ گزرنے کے بعد، اتنے فاصلوں کے باوجود جس نے تمہیں اپنے حصار میں قید اور بے بس کر رکھا ہے، اسے اپنے اختیار میں لے کر اب تمہیں حساب بے باک کرنا ہو گا۔'' امان کے کہنے پر وہ فوری طور پر کچھ بول نہیں سکا تھا۔

''حساب تو مجھے دینے ہوں گے اس جذبے کی بے حرمتی کے جسے میں اپنے دل میں چھپا کر یہاں آیا تھا اور پھر پلٹ کر دیکھنا بھی یاد نہ رہا، صرف پیسہ کمانا یاد رہا، پتہ نہیں ازالہ کرنے کی نوبت آتی بھی ہے یا نہیں۔''

''اب جانے کی ٹھان لی ہے تو اللہ پر بھروسہ رکھو۔'' امان نے کہا تھا۔

''میں نے تم سے پہلے کبھی نہیں پوچھا مگر جاتے جاتے یہ تو بتا دو کہ وہ کیسی ہے؟ کیسی نظر آتی ہے؟''

''کیا بتاؤں وہ کیسی تھی، اس کے تقدس کے



رعب نے کبھی اتنی ہمت ہی نہیں ہونے دی کہ اسے غور سے دیکھتا مگر اتنا جانتا ہوں کہ حوروں جیسی مشابہت پائی تھی اس نے، اس کی آواز کی منتظر رہتی تھیں سماعتیں، وہ جب سامنے آتی تھی تو ہر پریشانی بے معنی لگتی تھی، ہر شام وہ شفق بن کر میرے دل کے آسمان پر بکھرا کرتی تھی، میں نے کبھی اسے ہنستے ہوئے نہیں دیکھا مگر اس کی آنکھیں ایک پل کے لیے ضرور مسکرائی تھیں، اس مسکراہٹ کو صرف میں ہی دیکھ سکتا تھا، کیونکہ وہ صرف میرے لیے ہوتی تھی۔"

☆......☆

ایئرپورٹ سے ٹیکسی ہوٹل کی طرف رواں دواں تھی، 5 سال میں بہت کچھ بدل چکا تھا، جدید دور کی جدت نے دنیا کو ایک سرے سے دوسرے سرے تک باندھ دیا تھا، وہ سوچ رہا تھا کہ یہ جدت 5 سال پہلے اگر عروج پر ہوتی، انسان جدید سہولتوں کا عادی ہو چکا ہوتا تو ہوسکتا تھا کہ اسے بھی ان حالات کا سامنا نہ کرنا پڑتا، رابطے رشتوں کو تقویت اور مضبوطی دیتے ہیں مگر وہ اس دور میں ملک چھوڑ کر گیا تھا، جب رابطوں کے لیے جدید ذرائع منظر عام پر بہت اچھی طرح نہیں آئے تھے۔

کالج کے دور میں ہی وہ اپنی ذہانت کی وجہ سے سر شفاعت کا سب سے زیادہ پسندیدہ اور عزیز ترین اسٹوڈنٹ بنا تھا، ان کی مورل سپورٹ بھی اسے حاصل رہی تھی' ان سے ہاج کے حالات چھپے نہیں تھے' وہ جانتے تھے کہ اس کی ماں نے تنہا مشقت اٹھا کر اسے پروان چڑھایا تھا، اپنی ماں کے خواب کو پورا کرنے کے لیے وہ چھوٹی چھوٹی جاب کر کے ڈگری حاصل کرنے کی کوشش میں تھا، اسٹڈیز کے سلسلے کے علاوہ بھی سر شفاعت کے گھر اس کا آنا جانا رہتا تھا، ان کے شفیق سائے میں اس کا کتھارسس ہو جاتا، ان کی حوصلہ افزائی اسے ہمت دیتی تھی، انسان کے سب ہی خواب تعبیر حاصل کرنے لگیں، تو خواب کے معنی ہی بدل جائیں یہ اپنی مرضی کے مطابق آنکھوں میں اترتے ہیں نہ ہی تعبیر کو پہنچتے ہیں۔ ڈگری اس کی جدو جہد کا نتیجہ تھی، مگر وہ اسے اچھی جاب حاصل کرنے کے خواب کی تعبیر نہیں دے سکی تھی، یہ خواب اس کی ماں بھی اپنی آنکھوں میں ہی لے کر دنیا سے چلی گئی اور اس کے بعد تو وہ ایسا ٹوٹا کہ سر شفاعت بھی اسے جوڑ نہ سکے تھے، اس نے اپنا فیصلہ ان کو سنا دیا تھا۔

"ہاج!" عقب سے ابھرتی آواز پر سیڑھیاں اترتا وہ رکا تھا، کچھ اسٹیپس اوپر وہ اسے ہی دیکھ رہی تھی، ہاج کو اپنے دل کی اداسی اور سونا پن اس کے چہرے پر نظر آیا تھا، نہ کوئی وعدہ، نہ عہد، نہ اقرار تھا اس سے پھر بھی جانے کب دل کا دل سے گہرا تعلق کب بن گیا۔ اس تعلق میں کوئی رنگ نہیں تھا مگر اس کے بغیر دنیا میں کوئی رنگ بھی نہیں تھا۔

"میں نے سب سنا ہے، ابو کی بات مان لو، پردیس کی زندگی بہت مشکل ہے۔"

"آسانیاں تو یہاں بھی میرے لیے کبھی نہیں تھیں، انتظار میں وقت ہاتھوں سے نکلتا جائے گا۔" اس کی جانب دیکھے بغیر وہ بولا تھا۔

"جانے کا انتظام ہو گیا ہے کیا؟" وہ پوچھ رہی تھی۔

"کوشش کر رہا ہوں، جانے کے لیے ایک بڑی رقم بھی تو ہونی لازمی ہے۔"

"اچھا۔" وہ ایک پل کو رکی تھی۔

"کل آنے کی کوشش کرنا، میں بھی کوشش کروں گی بات کرنے کا موقع مل جائے آؤ گے ناں؟"

"پہلی بار تم نے یہ کہا ہے، کیسے ہوسکتا ہے کہ نہ آؤں؟" نظر اٹھا کر ہاج نے اسے دیکھا تھا اور پھر سیڑھیاں اترتا وہاں سے چلا گیا تھا۔

☆......☆

دوسرے دن بھی وہی سیڑھیوں پر شام کا بجھا بجھا سا منظر تھا، کچھ کہے بغیر اس نے مخملی ڈبے میں جگر جگر کرتیں چوڑیاں اس کی طرف بڑھائی تھیں، وہ دنگ ہوا تھا۔

"میں جانتی ہوں تمہاری خودداری گوارہ نہیں کرے گی، مگر مجھے یہ سکون ملے گا کہ میں تمہارے کسی کام آئی ہوں۔"

"نہیں شفق! یہ میں نہیں لے سکتا، تمہارے خلوص کی مجھے قدر ہے، مگر میں کوئی اور انتظام کر لوں گا۔"

"کسی اور کے قرضدار بننے سے بہتر یہ نہیں کہ میرے بن جاؤ، کم از کم یہ تو یاد رہے گا کہ کوئی مجھے ہر حال میں یاد رکھے گا۔"

"مگر میں یہ نہیں لوں گا، یہ زیور بہت ارمان سے تمہارے لیے بنوایا گیا ہوگا۔"

"امی نے اپنی زندگی میں میری شادی کے لیے یہ چوڑیاں بنوائی تھیں، شادی تو ابھی ممکن نہیں، جب واپس آؤ گے تو ایسی ہی دوسری بنوا دینا۔"

"ایک بار پھر سوچ لو شفق! دو سال سے پہلے واپس نہیں آسکوں گا، انتظار کر لو گی؟"

"5 صدیوں بعد بھی آؤ گے تو یہیں ملوں گی۔" اس کے قطعی لہجے پر وہ خاموش رہا تھا۔

"کیا سوچ رہے ہو؟"

"سوچ رہا ہوں جانے سے پہلے سر سے تمہارے بارے میں بات کر لوں مگر...... اتنی ہمت کہاں سے لاؤں؟" وہ مضطرب تھا۔

"اس کے لیے پریشان مت ہو، اپنے مستقبل کی فکر رکھو، جو بات کرنی ہے وہ ابو سے میں خود کر لوں گی، وہ تمہیں کبھی رد نہیں کر سکتے۔"

"دو سال بہت ہیں میرے لیے، تم اور سر ہی تو میری زندگی میں اہم ہو۔"

"واپس یہیں آنا ہے، یہ سوچ کر صبر کرنا، مجھے بھی اب یہی کرنا ہے، میں تمہاری کامیابی کے لیے دن رات دعائیں کرتی رہوں گی، تم کسی حال میں بھی یہ مت بھولنا کہ میں یہاں تمہاری منتظر ہوں۔"

"میں یہ کیسے بھول سکتا ہوں۔" وہ بے اختیار بولا تھا مگر وہ بھول گیا، قصور شاید اس کا بھی نہیں تھا، وقت آسمان کے رنگ، جذبات، یہاں تک کہ انسان کو بھی بدل دیتا ہے، وقت کی طاقت کے سامنے کون ٹھہر سکا ہے۔

☆......☆

پردیس کے ابتدائی دن انتہائی سخت ثابت ہوئے تھے پھر تو وہ جیسے ایک مشین بن کر رہ گیا، شفق کو علیحدہ سے خط لکھنا ممکن نہ تھا، سر شفاعت کے جوابی خط اسے موصول ہوتے تو اسے سکون ملتا، پھر چند ماہ کے بعد ہی اسے جوابی خط ملنا بند ہو گئے، انتظار کے ساتھ ساتھ وہ مصروف اوقات سے وقت نکال کر پابندی سے خط روانہ کرتا رہا، مگر انتظار میں کئی دن بیت گئے، اسی دوران امان سے اس کا گہرا تعلق بن گیا، اس کی رفاقت میں بہت ڈھارس ملتی تھی، ملازمت کرتے ہوئے امان اور اس نے شراکت داری کی بنیاد پر اپنا کاروبار شروع کرنے کی طرف توجہ مبذول کر لی، ساتھ ساتھ اس نے یہ کوشش بھی جاری رکھی کہ کہیں سے تو سر شفاعت کی کوئی خیر خبر ملے، اور پھر گزرتے وقت کے ساتھ کاروباری الجھنوں نے اس کے دل دماغ سے شفق کے نقش ہی معدوم کر دیے، کوئی سال بھر کا عرصہ گزرنے کے بعد اچانک اسے یہ خبر ملی کہ سر شفاعت اس گھر کو چھوڑ چکے ہیں، جہاں وہ خط روانہ کرتا رہا تھا، حالانکہ سال بھر کے عرصے میں خود اس کا ایڈریس بھی بدل چکا تھا، امان کے ساتھ وہ نسبتاً بہتر فلیٹ میں منتقل ہو گیا تھا، راکھ میں دبی چنگاری کی طرح کبھی کبھی وہ مضطرب ہو جاتا، مگر دل کو یہ تسلی دے دیتا کہ دو سال مکمل ہوتے ہی وہ واپس جائے گا، تب تک سر شفاعت کے نئے ایڈریس کے بارے میں جاننے کی کوئی امید بر نہیں آئی تھی، دو سال کب گزر گئے بغیر کسی آہٹ کے اسے پتہ ہی نہ چلا، کاروبار کو وسیع کرنے کی الجھنوں نے اسے مزید اور کچھ سوچنے کا موقع ہی نہیں

دیا، جانے کتنا وقت گزر گیا تھا کہ تب اچانک دل ہر طرف سے اچاٹ ہوگیا، رات کی نیندیں اڑ گئیں،

فرسٹریشن بڑھنے لگا، دولت کمانے کی دھن میں وہ ہر طرف سے ایسا گھرا تھا کہ آزادی حاصل کرنا نا ممکن تھا، ایک اماں ہی تھا کہ جس سے اس کی یہ کیفیت چھپی نہ رہ سکی تھی، نہ ہی وہ اماں سے دل کا حال چھپا سکا تھا، بلا آخر اس کی کوشش سے وہ واپس اپنے ملک کی فضاء میں لوٹ آیا تھا، جہاں کسی کے انتظار کی خوشبو نے بہت شدت سے اس کا استقبال کیا تھا، مگر دل آنے والے وقت کے خوف سے بند ہو رہا تھا۔

☆......☆

ہوٹل کے روم میں اپنا سامان رکھ کر وہ الٹے پاؤں واپس اسی ٹیکسی میں آ بیٹھا تھا، اس کے پاس سر شفاعت کے پرانے گھر کی طرف جانے کا ہی راستہ تھا، جہاں پہنچ کر شاید گھر کے نئے مکین یا آس پڑوس سے ان کے بارے میں کچھ معلوم ہو سکتا تھا۔

سفید گیٹ پر آج بھی سدا بہار کی گھنی سفید و گلابی پھولوں سے بھری نازک ٹہنیاں جھکی آ رہی تھیں۔ ان پھولوں کی مہک سے وہ مانوس تھا، کال بیل کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے اس نے شدت سے دعا کی تھی کہ اسے پہلا چہرہ شفق کا ہی نظر آئے۔ مگر بھولنے کی سزا تھی یا آزمائش کی گھڑی، اس کی دعا قبولیت کے درجے پر نہ پہنچ سکی تھی۔ گیٹ پر ایک اجنبی عورت کی سوالیہ نظروں پر وہ فوری طور پر کچھ بول بھی نہ سکا تھا۔

"یہ گھر تو آج بھی شفاعت بھائی کا ہے، مگر ان کے انتقال کو تو بہت وقت ہو گیا ہے، آپ کہاں سے آئے ہیں؟" پہلے عورت کے انکشاف اور پھر بھیانک اطلاع نے اس کا دل بند کر دیا تھا۔

"شفاعت بھائی میرے شوہر کے بہت قریبی رشتے دار ہیں، ہم ان کی وفات کے بعد یہاں کرائے پر آ گئے تھے۔" اس کی گنگ کیفیت سے بے خبر وہ عورت بول رہی تھی۔

"اور ان کے باقی گھر والے......؟" وہ بمشکل بولا تھا۔

"ان کی تو صرف ایک بیٹی ہے، مگر آپ کون ہیں؟"

"ان کی بیٹی اب کہاں ہے؟" عورت کا یہ سوال بھی وہ نظر انداز کرتا۔ بے چین ہو کر بولا تھا۔

"شفق تو یہیں رہتی ہے، اوپر والے پورشن میں......"

"مجھے ان سے ہی ملنا ہے۔" ہاج کی حالت ڈوبتے کو تنکے کا سہارا جیسی ہوئی تھی۔

"آپ پہلے جا کر ان کو میرا نام بتا دیں۔ میرا ان سے ملنا بہت ضروری ہے۔" عورت کو تذبذب میں دیکھ کر وہ التجائی لہجے میں بولا تھا۔

"5 صدیوں بعد بھی آؤ گے تو یہیں ملوں گی۔"

سیڑھیاں چڑھتے ہوئے ایک آواز کی بازگشت پھیلی تھی۔ دماغ ماؤف سا تھا جب وہ کمرے کی دہلیز تک پہنچا تھا، وہ کمرے کے وسط میں ہی کھڑی تھی، اس پر پہلی نگاہ پڑتے ہی وہ ساکت ہوا تھا اور زبان گنگ۔ وہ اسے پہچان نہیں سکا تھا، جو اسے اندر آنے کا کہتی خود پلٹ کر فرشی چادر پر دیوار سے ٹیک لگائے گھٹنوں کے گرد ہاتھ باندھے سپاٹ چہرے کے ساتھ بیٹھ گئی تھی، ملگجی چادر میں اس کا وجود بہت نحیف و نزار تھا، وہ برسوں کی بیمار دکھائی دے رہی تھی، آنکھیں سونی اور چہرے پر زندگی کی رمق تک نہ تھی۔

"بیٹھ جاؤ، کھڑے کیوں ہو؟" اس کے لہجے میں سرد موسم سے زیادہ خنکی تھی، وہ بمشکل ہی اپنی جگہ سے حرکت کر سکا تھا۔

"تمہارے جانے کے چند ماہ بعد ہی ابو بیمار ہو گئے تھے علاج کے لیے چچا، ابو کو اور مجھے اپنے ساتھ ملتان لے گئے، وہاں جا کر ابو کی بیماری اور بڑھ گئی، کئی مہینوں تک مجھے بھی ہوش نہ رہا، ہوش آیا تو تنہا ہی یہاں واپس آ گئی اور کہاں جاتی۔" اس کے نحیف

لب و لہجے کو سنتا وہ بس ایک ٹک اسے دیکھ رہا تھا، چند لمحے خاموشی چھائی رہی۔

"دو سال گزر جانے کا بھی پتہ نہیں چلا تھا؟" بلا آخر وہ بمشکل بول سکا تھا۔

"تم واپس کب آئے؟" دیوار کو تکتی وہ جواباً پوچھ رہی تھی، ہاج ہوا میں معلق رہا۔

"آج ہی......، بہت دیر سے مجھے پتہ چلا تھا کہ سر اور تم اس گھر سے کہیں اور جا چکے ہو پھر وہاں میرا ٹھکانہ بھی بدل گیا، آج اسی امید کے سہارے یہاں آیا کہ شاید ارد گرد سے کچھ خبر مل جائے۔" ہاج کے کہنے پر وہ بس چپ چاپ دیوار کو دیکھتی رہی تھی۔

"کوئی شکایت نہیں کرو گی؟" بڑھتی خاموشی کو ہاج نے توڑا تھا۔

"کیسی شکایت؟"

"دو سال بعد واپس آنا تھا مگر میں نہیں آیا۔"

"تمہاری کوئی مجبوری رہی ہوگی۔" دیوار پر نظر جمائے وہ سپاٹ لہجے میں ہی بولی تھی۔

"ہاں...... ٹھیک کہا، روپے پیسے انسان کی کمزوری بن جائیں، تو مجبوریاں بڑھ جاتی ہیں۔" وہ مدہم لہجے میں بول کر چپ چاپ اس کے زرد چہرے کو دیکھتا رہا تھا۔

"تم نے یہی سوچ کر میرا انتظار ترک کر دیا تھا؟"

"پتہ نہیں، بس یہ سوچ لیا تھا کہ جو موجود نہیں اس کا کوئی وجود نہیں۔" اس کا خنک لہجہ ہاج کو سن کر گیا تھا۔ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد وہ کرسی سے اٹھا اور اس کے سامنے گھٹنوں کے بل جا بیٹھا تھا۔

"میں اپنے لفظوں کی پاسداری نہ رکھ سکا، تم کیا سزا دو گی مجھے؟"

"مجھے اب کسی سے کچھ لینا دینا نہیں، تم اب دوبارہ یہاں مت آنا۔"

"تو پھر کہاں جاؤں؟" ہاج کو اپنا دم گھٹتا محسوس ہوا تھا۔

"وہیں جہاں سے آئے ہو، یہاں کیا رکھا ہے؟"

"یہاں تم ہو، دیر ہی سہی مگر میں تمہارے لیے آیا ہوں، ایسے ہی خالی ہاتھ لوٹا دو گی، مداوا کرنے کا ایک موقع بھی نہیں دو گی؟" اس کے لرزتے لہجے پر شفق نے دیوار سے نگاہ ہٹا کر اس کی آنکھوں میں دیکھا تھا۔

"انتظار کی طوالت حد سے بڑھ جائے تو طلب مر جاتی ہے، اب تو دنیا کی طلب بھی نہیں رہی، پھر کیسا مداوا، کیسی سزا؟" اس کی سپاٹ نظریں بے تاثر لہجہ ہاج کے اضطراب کو بڑھا گیا تھا۔

"سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا شفق! ایک آخری بار بھروسہ کر کے میرے ساتھ چلو۔"

"مجھے نہ کسی تعلق کی اب چاہت ہے نہ کسی انسان کی، میں جیسی زندگی گزار رہی ہوں، وہی ٹھیک ہے، تم ایسی عورت کا بوجھ اٹھا کر کہاں لے جاؤ گے جس کے دل میں تمہارے لیے کچھ نہیں۔" اس کی جانب دیکھے بغیر وہ بولی تھی۔

"کیا ایک ہی انسان کی چاہت دوبارہ دل میں بیدار نہیں ہو سکتی شفق؟"

"اسی دل میں ہو سکتی ہے جو زندہ ہو، میرا مردہ دل تو برف کی بھاری سلوں تلے دب چکا ہے۔"

"میں اس برف کو پگھلا دوں گا شفق! دنیا کے جھمیلوں میں، میں نے تمہیں بھلایا مگر جب یاد کیا تو صرف تمہیں یاد کیا تمہارے علاوہ کسی کو نہیں سوچا، آج اگر میں تم سے نگاہ ملا کر بات کر رہا ہوں تو صرف اس لیے کہ تمہاری نظروں سے دور رہ کر میں نے ایسا کوئی کام، ایسی کوئی خیانت نہیں کی جو میری نگاہ کو جھکا دے، جو خطا ہوئی ہے اس کے لیے میرا سر جھکا رہے گا تمہارے سامنے، تم نے کہا تھا کہ تم 5 صدیوں بعد بھی میری منتظر ہو گی اب یا تم میرے ساتھ چلو یا پھر مجھے یہاں سے چلے جانے کا حکم نہ دو۔" اس کے التجائی مگر فیصلہ کن لہجے پر وہ بس خالی خالی نظروں سے اس کی آنکھوں میں امید کے روشن دیے دیکھ رہی تھی۔

☆......☆

"پتہ نہیں میں خوش ہوں یا نہیں، مگر میرا ضمیر بہت مطمئن ہے۔" فون پر وہ امان سے مخاطب تھا، جب کہ نظریں اس پر جمی تھیں جو سامنے ہی دبیز مخملی صوفے پر اپنے لاغر وجود کے ساتھ اردگرد سے غافل تھی۔

"مگر میں خوش ہوں، تم نے جلدی جلدی لیکن بروقت فیصلے کیے ہیں، شفق کا کیا ردعمل ہے؟"

"کوئی ردعمل نہیں، برف کو پگھلنے میں وقت لگے گا، اس نے مجھے قبول کرلیا، یہ بہت ہے۔"

"اخلاقاً ہی مجھ سے شفق سے بات کرنے کا پوچھ لو۔"

"وہ ابھی مجھ سے بات کرنے کی حالت میں نہیں، تم سے کیسے کرے گی؟"

"صاف کہہ دو، میں ڈسٹرب نہ کروں، یہ مت بھولنا کہ میں نے ہی اس کا سامنا کرنے کی ہمت تمہیں دی تھی۔" امان کا لہجہ شکایتی تھا۔

"ہاں، اس کے لیے تو میں تمہارا احسان مند ہوں، اب فون بند کرو، شفق کی دوا کا ٹائم ہوگیا ہے، مجبوراً اسے نیند سے جگانا ہوگا۔"

"اندازہ ہو رہا ہے، بہت شاندار گزر رہی ہے تمہاری شبِ عروسی۔"

"بکواس مت کرو، مجھے مزید رقم کی ضرورت ہے کب تک بھیج سکتے ہو؟"

"فکر مت کرو، تمہیں مزید رقم مل جائے گی۔" امان نے اطمینان دلایا تھا۔

آج ہی اس نے اس سرزمین پر قدم رکھا تھا اور اگلے چند گھنٹوں میں ہی سب کچھ بدل گیا، نہ شفق کی خاموشی ٹوٹی تھی نہ اس کی ڈھٹائی، مگر شفق نے کوئی اختلاف بھی نہیں کیا تھا، ہاج کے کہنے پر اس نے خاموشی سے اپنا کچھ ضروری سامان ساتھ لیا تھا، وہ اسے کہاں لے جا رہا ہے وہ اسے ساتھ لے کر سیدھا شہر کے بہترین ہاسپٹل میں پہنچا تھا، چیک اپ، مختلف ٹیسٹ وغیرہ میں کافی وقت لگ گیا، شفق کے چہرے سے اندازہ ہو رہا تھا کہ اسے آرام کی سخت ضرورت ہے، مگر اس نے کوئی ٹیسٹ کروانے سے انکار بھی نہیں کیا تھا، ہاج بس جلد از جلد ہوٹل پہنچنا چاہتا تھا، ہوٹل کا روم شفق کے لیے بہت آرام دہ ہوتا۔

جس وقت وہ اسے ساتھ لے کر ہوٹل پہنچا کافی رات ہو چکی تھی، کھانا کھانے اور دوائیں لینے کے بعد شفق کی نقاہت کا یہ حال تھا کہ وہ جس صوفے پر بیٹھی تھی وہیں سوگئی تھی۔ تھکن ہاج کے اعصاب پر بھی سوار تھی مگر اس تھکن میں راحت تھی، وہ رات اس نے شفق کے خوابیدہ چہرے کو دیکھتے ہوئے گزار دی تھی۔

اگلے 15 دنوں میں وہ ایک بہترین تیماردار ثابت ہوا تھا، روز چیک اپ کے لیے شفق کو ہاسپٹل لے جانا، اس کی غذا اور دواؤں کا خیال رکھنا، اس کی دلجوئی کرنا، اس سے باتیں کرتا کسی جواب کی توقع رکھے بغیر، لیکن اس کی مستقل خاموشی پر ہاج نے بس ایک بار یہ ضرور کہا تھا کہ......

"بیماری تو بندے کو اللہ کے اور زیادہ قریب کرتی ہے شفق! اس وقت تم مجھ سے زیادہ اللہ کے قریب ہو، کسی سے نہ سہی مگر اللہ سے تو اپنے دل کی بات کہو، تم اللہ سے جو دعا کرو گی وہ ضرور قبول ہوگی، ہوسکے تو میرے لیے بھی یہ دعا کرنا کہ تمہارے دل میں مجھے میری جگہ واپس مل جائے، اسی طرح جیسے اللہ نے تمہاری قدر میرے دل میں پہلے سے زیادہ بڑھا دی ہے۔" اس کی اس بات کا شفق پر کتنا اثر ہوا، وہ نہیں جانتا تھا مگر اس نے پھر دیکھا کہ بخار کتنا ہی تیز کیوں نہ ہو، بلڈ پریشر کتنا ہی کیوں ڈسٹرب نہ ہو، وہ ہمت کرکے وقت پر نماز کی ادائیگی کرنے لگی تھی، ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق ہاج کو اس کا ٹمپریچر اور بلڈ پریشر چیک کرکے نوٹ کرنا ہوتا تھا، اس لیے وہ جانتا تھا کہ کس وقت اس کی کیا کیفیت ہے۔ شفق بس ایک کام اپنی مرضی سے کرتی کہ وہ کسی بھی وقت سونا چاہتی تو سو جاتی باقی ہاج اسے جو دوا دیتا وہ کھا لیتی، جو چیز

کھانے پر اصرار کرتا وہ کھا لیتی، آنکھیں بند کرنے سے پہلے اور کھولنے کے بعد وہ اسے ہی اپنے اردگرد دیکھتی تھی مگر کوئی کلام نہیں، علاج شروع ہونے کے ہفتے بھر بعد ہی اس میں کافی بہتری آنے لگی تھی، ہاج کی لائی گئی کتابیں وہ پڑھنے لگی تھی، کچھ لباس اور دیگر ضرورت کی چیزیں جو ہاج نے اس کے لیے خریدیں وہ ان کو بھی استعمال کرنے لگی تھی، یہ سب دیکھ کر ہاج کو سکون ملتا کہ اس کی محنت رائیگاں نہیں جا رہی۔

کوئی 20 دن بعد وہ ایک بھیگی بھیگی سی صبح تھی، اس وقت وہ ناشتہ کرتی گلاس ونڈو سے آسمان سے برستی بوچھاڑ کو بھی دیکھتی جا رہی تھی اور اسے بھی جو سوٹ کیس میں اپنا اور شفق کا سامان رکھ رہا تھا، رات میں اس نے بس یہ بتایا تھا کہ صبح ہوٹل چھوڑ کر جانا ہے، یہاں سے کہاں جانا ہے نہ اس نے بتایا نہ ہی شفق کو یہ جاننے سے غرض تھی۔ سوٹ کیس بند کرکے وہ اس کے سامنے ہی آ بیٹھا تھا، جوس کا گلاس بھر کر اس نے پہلے شفق کے سامنے رکھا تھا اور دوسرا گلاس اپنے لیے بھرا تھا۔

"تمہارے ڈاکٹر نے مشورہ دیا تھا کہ میں تمہیں کسی صاف ستھری آب و ہوا کے مقام پر لے جاؤں، ہم جہاں جا رہے ہیں، یقیناً وہاں تم اچھا محسوس کرو گی، راستے میں تمہارے ڈاکٹر کے پاس حاضری بھی لگانی ہے، میں دعا کر رہا ہوں کہ وہ مجھ سے کوئی ایسی بات نہ کرے کہ میرا موڈ غارت ہو جائے، اسے جانے کیوں یہ لگتا ہے کہ میں تمہاری پروا نہیں کرتا، تمہارا خیال نہیں رکھتا۔" گلاس سے گھونٹ بھرتا وہ اس سے مخاطب تھا جو نظر جھکائے ناشتہ کرنے میں مگن تھی۔

"ویسے ہوسکتا ہے کہ آج ڈاکٹر تمہاری طرف سے مطمئن ہو جائے، کیونکہ آج تم زیادہ فریش اور زیادہ اچھی لگ رہی ہو۔" مسکراتی گہری نظروں سے ہاج نے اس کے چہرے پر بکھرتی سرخی کو دیکھا تھا، جو بظاہر اس سے لاتعلق ہی تھی۔

☆......☆

فارم ہاؤس میں رہتے ہوئے 15 دن گزر چکے تھے، یہاں قدرتی اور خالص ماحول سے مانوس ہونے میں زیادہ وقت نہیں لگا تھا، حدِ نگاہ تک پھیلا سرسبز و شاداب خطہ، خوش رنگ پھولوں سے سجے جھاڑ، تازہ پھلوں سے لدے درخت، فارم کے پالتو جانور، موروں کے حسین رقص، کھلے آسمان پر پرندوں کے غول، یہاں سب کچھ حسین ترین تھا، سرخ چھتوں والے فارم ہاؤس کے ٹیرس سے طلوع ہوتے سورج کا منظر دیکھنا اسے قدرت کے قریب کرتا تھا، کثافتوں اور بناوٹ سے پاک اس فطری آب و ہوا نے اس کے گرد موجود خول کو توڑ ڈالا تھا، اس کی صحت بتدریج بہتر سے بہتر ہو رہی تھی، یہاں قدرت کے انمول نظارے اور نعمتیں بکھری ہوئی تھیں، اس نے تازہ پھل اور سبزیاں خود اتاری تھیں، ان کو کھانے کا لطف ہی الگ تھا، فارم ہاؤس کی دیکھ بھال کے لیے ملازمہ موجود تھی، اس کے بنائے کھانے انتہا کے لذیذ ہوتے تھے، ملازمہ اور اس کے بچوں سے بھی وہ کافی مانوس ہوگئی تھی، روز ہاج کی فرمائش پر وہ اس کے ہمراہ خاموشی سے چہل قدمی کے لیے باہر نکلتی تھی، مگر ملازمہ کے بچوں کے ساتھ خرگوش اور گلہریوں کا تعاقب کرنا اسے سرشار کر دیتا تھا، فارم کی دیکھ بھال اور سیکیورٹی کے لیے بھی ملازم تھے، مگر ان کو فارم ہاؤس کی حدود میں داخل ہونے کی اجازت نہیں تھی، یہاں امن اور سکون ہی سکون تھا، لہٰذا کبھی جو ہاج کسی کام سے باہر جاتا تو اسے کوئی فکر و خوف نہیں ہوتا تھا، مگر آج خلافِ توقع ہاج کی واپسی نہیں ہوئی تھی، وہ دوپہر سے غائب تھا، جاتے ہوئے اس نے بس یہی بتایا کہ کسی کام سے جانا ہے، نہ کام کی نوعیت شفق نے پوچھی نہ ہاج نے بتائی، خاموشی اور لاتعلقی کی دیوار شفق کی طرف سے قائم تھی جب کہ ہاج کی

طرف سے تو پوری کوشش تھی، ہر دیوار کو درمیان سے ہٹا دینے کی۔

کمرے کے گرم ماحول میں وہ کمبل کے اندر کتاب کا مطالعہ کر رہی تھی مگر اس کا دھیان بار بار باج کی طرف جاتا تشویش بڑھا رہا تھا، رات ہو چکی تھی، اتنا وقت تو پہلے کبھی وہ فارم سے دور نہیں رہا تھا، چونک کر وہ کتاب بند کرتی اٹھی اور تیزی سے ٹیرس پر نکل آئی تھی، نیچے گاڑی کی ہیڈ لائٹس میں باج اسے دکھائی دیا تھا، حیران ہوتی وہ پلٹ کر کمرے میں آئی تھی، کوٹ شوز اور گرم شال پہن کر وہ جانے کے لیے تیار تھی۔ وہ حیران ہو گئی تھی کہ باج اسے چہل قدمی کے لیے لے جانا چاہتا ہے، گہری خنک رات کی خاموشی کو توڑتی گاڑی فارم کی حدود سے نکلتی جا رہی تھی، لب سیئے وہ الجھی بیٹھی تھی جب کہ باج کی بھی ساری توجہ ڈرائیونگ پر تھی۔

ٹوٹی پھوٹی ایک کشتی اور خشک سمندر دیکھا تھا
کل شب میں نے جھانک کے شاید اپنے اندر دیکھا تھا

مگر اس وقت باہر کا منظر تو مبہوت کر دینے والا تھا، دور تک پھیلی پرسکون جھیل کا پانی آسمان پر روشن چاند کی ٹھنڈی چاندنی میں جھلملا رہا تھا اور بے تحاشہ جگمگ کرتے ستاروں کے جھرمٹ جھیل پر سایہ فگن ہو کر اسے مزید خیرہ کن بنا رہے تھے، جھیل کے کنارے پانی میں ہلکورے کھاتی چھوٹی سی کشتی ایک قریبی درخت سے بندھی ہوئی تھی، مدہم ہوا کی سرسراہٹوں میں دم بخود تھی، اسے خبر ہی نہیں ہوئی کب باج اس کا ہاتھ تھامے کشتی کی طرف بڑھا تھا، سہارا دے کر باج نے اسے کشتی میں بٹھایا پھر کشتی کو کچھ آگے گہرے پانی میں دھکیلتا خود بھی اس میں سوار ہوتا چپو سنبھال چکا تھا، دھیرے دھیرے ساحل دور ہوتا جا رہا تھا، چپو کی حرکت سے پانی میں ہوتا ارتعاش اور شور کسی موسیقی کی طرح کانوں میں اتر رہا تھا، مبہوت سی بیٹھی وہ کبھی اطراف میں پھیلے پانی کی سطح پر چاند کی برستی جلوہ خیزیوں کو دیکھتی، کبھی آسمان پر ساتھ ساتھ سفر کرتے چاند اور ستاروں کے قافلوں کو قدرت کے شاہکار جلوؤں نے اسے مرعوب اور پھر اپنی پراسرار دمک میں غافل ہی کر رہا تھا، چونکی وہ اس لمحے جب باج بالکل اس کے بالمقابل آ بیٹھا تھا، وہ اس کی آنکھوں سے نگاہ نہیں چرا سکی تھی۔

"جانتی ہو، ایک مرد کے لیے اس کی زندگی کی قیمتی متاع وہ عورت ہوتی ہے، جو اس کی روح کی گہرائیوں تک رسائی رکھتی ہو، اور میری قیمتی متاع تم ہو۔" وہ مدہم لہجے میں بولا تھا اور پھر دھیرے سے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام لیا تھا۔

"جو بغیر کسی جدوجہد کے دسترس میں آ جائے وہ اس کے برابر نہیں ہو سکتا، جسے حاصل کرنے کے لیے اذیتیں اور ریاضتیں عبور کی جاتی ہیں، اللہ کو تمہاری قدر و اہمیت میرے دل میں بڑھانی تھی، پہلے مجھے غافل ہونے کا موقع دیا اور پھر بے قرار، بے کل کر دیا، کوئی کب تک اپنی روح سے لاتعلق رہ سکتا ہے۔" ایک پل کو وہ خاموش ہو کر آسمان کی رونق کی طرف متوجہ ہوا تھا اور پھر دوبارہ اس کی خاموش نگاہوں میں دیکھا تھا۔

"ہمارے درمیان کبھی محبتوں کو پروان چڑھاتے عہد و پیماں نہیں ہوئے، مگر میں چاہتا ہوں، کل کا اہم دن ہمارے لیے مزید اہم ہو جائے، ہم اپنی زندگی کی نئی شروعات کریں، نئے عہد و پیماں باندھیں...... تم دو گی میرا ساتھ؟ گزرے وقت کا ازالہ کرنے کی اجازت دو گی؟ کرو گی ایک بار پھر میرا اعتبار؟" ساری دنیا آنکھوں میں سمیٹے وہ چاندنی میں بھیگے اس کے نقوش کو دیکھ رہا تھا۔ رکی سانسوں سے شفق نے اس کے مضبوط ہاتھوں میں دبے اپنے ہاتھ کو دیکھا تھا اور پھر اس نے بہت آہستگی سے اپنا دوسرا ہاتھ باج کے ہاتھ پر رکھ دیا تھا، اپنے ہاتھ کی پشت پر ٹھہری نرم گداز ہتھیلی کی گرمی نے باج کے وجود میں ایک نئی زندگی

دوڑا دی تھی، ایک گہری پرسکون سانس لے کر اس نے شفق کی جھکی پلکوں کو دیکھا تھا۔

"کتنی دلکش ہے خاموشی تیری
ساری باتیں فضول ہوں جیسے"

☆......☆

غنودگی میں ہی اسے مسحور کن مہک محسوس ہو گئی تھی، اگلے ہی پل وہ مکمل بیدار ہوتی سرہانے رکھے گلاب کے سرخ سرخ پھولوں کی طرف متوجہ ہوئی تھی، ایک خاکی لفافہ اور ساتھ ایک کارڈ بھی موجود تھا۔

"مجھے محبت کے سوئے رہنے پر اور سوتے ہی رہنے پر کوئی اعتراض نہیں، اندیشہ ہے تو بس یہ کہ یہ جب بیدار ہو گی تو اپنے ساتھ کتنے فتنے لے کر بیدار ہو گی۔"

ہپی ویلنٹائن کے سنہری خوبصورت کارڈ پر موجود تحریر نے اس کے لبوں پر مسکراہٹ بکھیر دی تھی، ذہن میں پہلی سوچ یہی آئی تھی کہ اب اسے اپنے سونے اور جاگنے کے اوقات درست کر لینے چاہئیں۔ تجسس کے ساتھ جب اس نے لفافہ اٹھایا تو اس میں موجود مخملی باکس نے چونکایا تھا، جگر جگر کرتی چوڑیوں نے اسے انوکھی خوشی اور کچھ حیرت سے دوچار کر دیا تھا۔

ناشتے کے لیے جب وہ نیچے پہنچی تو ملازمہ نے اسے باج کا پیغام دے دیا تھا، اس کی واپسی شام تک ہونے کا امکان تھا۔ صبح سے ہی آسمان سے ہلکی پھواریں برسنے کا سلسلہ جاری تھا، ونڈو کے قریب ہی کرسی پر بیٹھی وہ ابر آلود آسمان تلے پھیلے نظارے دیکھ رہی تھی، ہاتھ میں موجود ایک بار پھر اس نے دیکھا تھا۔

گنگناتی ہوا
بارش کی جل تھل
دھنک رنگ موسم
دائمی مسکراہٹیں
کھلتے گلاب
ایک میرا کاسۂ دل
اس ویلنٹائن پر
یہ سب ہی کچھ تمہارے لیے
اور تم میرے لیے

پہلی بار خود کو سنوارنا اچھا لگ رہا تھا انتظار کرنا اچھا لگ رہا تھا، شام کی چائے کے لیے خاص اہتمام کرنے کی ہدایت دے کر وہ باہر آئی تو کھلے آسمان پر ساتوں رنگ نمایاں تھے، سفید پھولوں سے بھرے اونچے جھاڑ تلے موجود لکڑی کی بینچ اس کی پسندیدہ جگہ تھی، سوندھی مٹی کی مہک میں بسی ہوا، لہلہاتا سبزہ، اودے بادل، ان سب میں وہ جیسے گم تھی، ہوا سے جھڑتے پھولوں کو ہاتھوں کے پیالے میں جمع کرتی وہ باج کی موجودگی سے بے خبر تھی، اس کے رخساروں پر بکھرے رنگ، لبوں پر سجی مسکراہٹ، چہرے پر چمکتی زندگی کی تازگی نے باج کو سرشار کر دیا تھا، یہ صرف خالص ماحول کا ہی اثر نہ تھا، وہ جانتا تھا کہ اس کی چاہت، لگن اور سچائی کا بھی بہت عمل دخل ہے، چونک کر اس نے کچھ فاصلے پر بیٹھے باج کو دیکھا تھا اور پھر اپنی گود میں گرے پھول سمیٹنے لگی تھی۔

"خاموش کیفیت......" مسکراتی نظروں سے باج نے اسے دیکھا تھا جو بے ساختہ مسکرائی تھی۔

"آج تمہاری وجہ سے سب ہی کچھ مکمل ہو گیا ہے اور واپسی کے انتظامات بھی۔" باج کے کہنے پر وہ سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی تھی۔

"میں جانتا ہوں۔ تمہارے لیے یہ کٹھن ہو گا، مگر ہمیں اپنا ایک گھر بھی تو بنانا ہے۔" اس کی آنکھوں میں دیکھتا وہ گہرے لہجے میں بولا تھا، اور پھر اس کے ہاتھ میں موجود چوڑیوں کو دیکھا تھا۔

"تمہارے لیے ان چوڑیوں سے زیادہ قیمتی تحفہ میرے پاس اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔"

"مگر یہ تمہارے کسی کام نہ آ سکیں۔" وہ بولی تھی۔

"یہ صرف تمہارا خیال ہے، میں ان کو کسی قیمت پر تمہارے علاوہ کسی اور کے حوالے نہیں کرسکتا تھا۔" ہاج کے کہنے پر وہ خاموش رہی تھی۔

"ایک سوال روز اول سے ہی پوچھنا چاہ رہا تھا، تم نے سر سے میرے بارے میں بات کی تھی؟"

"اس کی ضرورت ہی نہیں تھی، وہ میرے باپ تھے، مجھے، مجھ سے زیادہ جانتے تھے، اپنے آخری وقت میں وہ بس یہ چاہتے تھے کہ تم تک ان کی بیماری کی اطلاع پہنچ جائے، میں کوشش کرتی رہی اور ان سے جھوٹ کہہ کر یہ تسلی دیتی رہی کہ تم چھٹیاں لینے کی کوشش کررہے ہو، تمہیں گئے چند ماہ ہی تو ہوئے تھے۔"

"شفق! مجھے ہمیشہ اس بات کا قلق رہے گا کہ وہ جو ہر مشکل میں میرے ساتھ ساتھ رہے ان کے آخری وقت میں، میں ان کے قریب بھی نہ رہ سکا۔" بجھے لہجے میں اعتراف کرتے ہوئے اس نے شفق کے سوگوار تاثرات دیکھے تھے۔

"شفق! کیا اب بھی تمہارے دل میں میرے لیے کچھ نہیں ہے؟" چند لمحوں کی خاموشی کے بعد ہاج نے بغور اسے دیکھا۔

"بہت خوبصورت لگتا ہے کسی کی خوشیوں میں، دعاؤں میں، دل میں اور زندگی میں شامل رہنا، تم نے جب ہر جگہ مجھے فوقیت دی ہے، تو پھر پھر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ جذبے دوبارہ نہ جاگیں، چاہتیں نئے سرے سے سر نہ اٹھائیں، محبت بیدار نہ ہو اور فتنے بھی......"

آخر میں اس کے جتانے والے لہجے پر ہاج بے ساختہ ہنسا تھا جب کہ وہ مسکراتے ہوئے اٹھی تھی۔

"چائے تیار ہوگی، آجاؤ لگتا ہے تیز بارش ہونے والی ہے۔" آسمان کے بدلتے تیوروں پر وہ بولی تھی، ہاج نے حکم کی تعمیل کی تھی۔

"سنو! اب آج کے بعد میری موجودگی میں تم کم سوؤ گی اور باتیں زیادہ کروگی۔" چلتے ہوئے اس کا ہاتھ اپنے بازو میں لپیٹا وہ اسے مسکرانے پر مجبور کرگیا تھا۔

"آج تم میری نیند سے پریشان ہو کل اگر زیادہ باتیں کرنے پر بھی پریشان ہوئے تو۔"

"کم از کم تم اتنی باتیں تو بالکل نہیں کرسکتیں جتنی کہ میں کرتا ہوں، تمہاری خاموشی توڑنے کے لیے میں نے زندگی میں کبھی اتنی بے تکان باتیں کسی سے نہیں کیں۔"

"پھر تو تمہیں میری پریشانی کا اندازہ ہونا چاہیے۔" شفق نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

"ہاں، تمہارا اسٹیمنا غضب کا ہے، بے جا اور بے تحاشہ بولنے والی بیوی کو شوہر کسی نہ کسی طرح برداشت کر ہی لیتا ہے، مگر تم قابل ستائش اس لیے بھی ہو کہ تم میری بے تحاشہ باتوں کے ساتھ مجھے بھی برداشت کرتی رہی ہو۔" ہاج کے بہت سنجیدہ انداز پر شفق حیرت سے اسے دیکھتی بے ساختہ ہی ہنسی تھی، چاہت سے لبریز نگاہوں سے ہاج نے اس کی جھلملاتی آنکھوں میں اپنا عکس دیکھا تھا، جس طرح سورج کی حرارت گلیشیر کو پگھلا دیتی ہے، اس سے زیادہ حدت ان جذبوں میں ہوتی ہے، جو دل پر جمی برف کی سخت سے سخت تہہ کو بھی پگھلنے پر مجبور کردیتے ہیں، ہاج کے ہم قدم اس کا بازو تھامے پھولوں کے کنج کے قریب سے گزرتے ہوئے شفق کی توجہ پھولوں پر منڈلاتی تتلیوں نے کھینچ لی تھی، سچ تو ہے رابطے تعلق کو تقویت اور مضبوطی دیتے ہیں، قربتیں محبت کو نکھار دیتی ہیں اور یہ سب زندگی کے راستوں کو پھولوں سے سجا دیتا، یہ بھی ان میں سے ایک راستہ تھا جس پر وہ اس انسان کے ہم راہ تھی جو قدر کرنا جانتا تھا، تعلق کی بھی اور محبت کی بھی۔

......☆......

ثمینہ فیاض

افسانہ

بدگمانی

سردیوں کی آمد آمد تھی اس لیے دوپہر میں بھی دھوپ اتنی تیز نہیں تھی۔ ایسے موسم کا خوش گوار احساس اس کے موڈ کو بھی بہت ہلکا پھلکا کر گیا تھا۔ امتحانوں سے فارغ ہونے کا آج آخری دن تھا۔ دل ودماغ



ے ایک بوجھ اتر گیا تھا اور ایسے اچھے موسم کے اثرات اسے فریش کر گئے تھے۔ وہ سوچ رہی تھی آج گھر جا کر آمنہ اور سب گھر والوں کے ساتھ پکنک کا پروگرام بنائے گی مگر مریم کالج سے گھر واپس آئی تو آج پھر ایک طوفان گھر میں مچا ہوا تھا۔ پھوپھو نے سارے گھر کو رو رو کر سر پر اٹھا رکھا تھا۔

''ہمارے تو نصیب ہی خراب ہیں۔ قسمت میں تمہاری باتیں ہی سننے کو لکھی ہیں۔ آج پھر بے عزتی ہوگئی ہم تو اپنی بات کہہ کر خود ہی بے عزت ہوتے ہیں اور دیکھو بد قسمت بھی اتنے ہیں بے غیرت بھی اتنے ہیں کہ اس کے باوجود یہیں پڑے ہیں کہیں جا بھی نہیں سکتے، کسی خیراتی ادارے میں جائیں تو بھی آپ کی ہی ناک کٹے گی اس کا پاس بھی تو ہمیں ہی رکھنا ہے کسی غیر کو تھوڑی اس بات کی پرواہ ہوگی۔''

ان کے طنزیہ جملوں کا ہر اشارہ امی کی جانب تھا گویا توپوں کا رخ آج پھر امی کی طرف تھا۔

وہ پھوپھو کی آہ وزاری دیکھ کر سمجھ گئی کہ بس امی کی شامت آگئی۔ آج پھر وہ پھوپھو کو دالان میں بیٹھا اور



یوں چیختا دیکھ کر انہیں سلام کر کے امی کے پاس ان کے کمرے میں چلی گئی۔ کتابیں اور بیگ بیڈ پر رکھتے ہوئے وہ خود بھی بیٹھ گئی اور ماں کو روتا دیکھ کر ان کے پاس ہو کر ان کے آنسو صاف کرنے لگی۔

"کیا ہو گیا امی؟"

ماں بھی اپنے آنسو پونچھ کر بولیں۔ "کچھ نہیں بیٹا! بس ایسے ہی چھوٹی سی بات کا بتنگڑ بن گیا۔" مریم بھی جانتی تھی کہ ہر مرتبہ کی طرح آج بھی کوئی خاص بات نہیں ہوگی۔ پھوپھو چاہیں تو مسئلہ آسانی سے حل ہو سکتا ہے لیکن پھوپھو کو تو جانے کیا بیر تھا جو آئے دن گھر میں ایک طوفان کھڑا رکھتی تھیں۔ شاید انہیں اس سے بہت سکون ملتا ہوگا۔ وہ اپنے خیالات کو جھٹکتے ہوئے ایک بار پھر ماں کی جانب متوجہ ہوئی۔ مریم کے لہجے میں تشویش اور پریشانی صاف جھلک رہی تھی۔

"آج ایسا کیا ہو گیا صبح جب گھر سے گئی تھی، تو سب ٹھیک تھا۔ یہ چند گھنٹوں میں کون سی مصیبت آ گئی؟" امی بھی درد کو دبا رہی تھیں شاید ان کا سر درد سے پھٹا جا رہا تھا۔

"وہ تمہاری ریحانہ پھوپھو، آمنہ کے لئے جوڑے کا کہہ رہی تھی کہ اس کے لئے سردیوں کے جوڑے بنانے ہیں اور وہ بھی کل ہی جانا ہے۔ میرے منہ سے نکل گیا کہ آج پچیس تاریخ ہو گئی ہے ان کی تنخواہ آجائے تو اگلے ہفتے جا کر لے آئیے گا مگر وہ تو آپے سے ہی باہر ہو گئیں۔"

"تم سے پوچھا کس نے ہے' میرے بھائی کی کمائی ہے میں تو اپنے بھائی سے بات کر رہی ہوں۔"

"تمہارے ابو نے بھی میری بات کی تائید کر دی کہ ہاں باجی انجم ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہے اگلے ہفتے لے آئیے گا۔ بس بھیا مصیبت کھڑی ہو گئی کہ تم تو جورو کے غلام ہو گئے ہو بیوی کے آگے نہ بہن دکھتی ہے اور نہ ہی اس کی معصوم بیٹی ہماری تو کوئی وقعت کوئی حیثیت ہی نہیں اس گھر میں......" امی ذرا دیر کو رکیں اپنے گھٹنے دباتے ہوئے بولیں۔

"اور بس تب سے ہی آمنہ اور آپا دونوں منہ پھلا کر صبح سے کمرے میں خود کو بند کیے بیٹھی ہیں۔ سارے گھر کا کام کر کے کھانا بنا کر ابھی بیٹھی ہوں کچھ کہہ بھی نہیں سکتی کہ ابھی میری کہی گئی کوئی بھی بات پیٹرول پر تیلی کا کام کرے گی۔ بیٹا میں بہت تھک گئی ہوں تم ذرا کپڑے بدل کر روٹی ڈال دو۔"

"جی امی۔" مریم فوراً کھڑی ہو گئی۔

کھانا دسترخوان پر لگانے کے بعد وہ ریحانہ پھوپھو اور ان کی بیٹی آمنہ کو کھانے کے لیے بلانے چلی گئی اور ہمیشہ کی طرح ڈھیروں باتیں سننے کے بعد جب پھوپھو کے دل کی بھڑاس نکل گئی تو وہ انہیں منانے بیٹھ گئی۔

"ارے پھوپھو! آپ کیوں غصہ کرتی ہیں دیکھیں میری اتنی پیاری سی پھوپھو آپ غصہ کریں گی تو آپ کے چہرے پر جھریاں پڑ جائیں گی۔ میری تو ساری سہیلیاں کہتی ہیں کہ آپ میری بڑی بہن لگتی ہیں۔ اتنی پیاری سی میری ایک ہی تو پھوپھو ہیں آپ کو پتہ ہے آج میں نے آپ کے لیے خاص امی سے فرمائش کر کے بینگن کا بھرتہ اور بیسن کی روٹی بنوائی ہے آپ کی فیورٹ ہے نا، ساتھ اچار اور پودینے کی چٹنی بھی ہے۔" مریم منہ سے چٹخارے کی آوازیں نکالتے ہوئے کہہ رہی تھی جیسے منہ میں پانی آ گیا ہو۔

پھوپھو روٹھے انداز میں بولیں۔ "بس بند کرو مکھن لگانا امی کی چمچی۔" مریم بھی ان ہی کی بھتیجی تھی اتنی آسانی سے کیسے مان جاتی۔

"ویسے ایک بات کہوں پھوپھو! آپ روٹھ کر اور بھی پیاری لگتی ہیں سچی میں۔" پھوپھو کا غصہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا تھا۔

"آئے یہ تو میری بچی کی محبت ہے جو میں تجھے پیاری لگتی ہوں ورنہ لوگ تو مجھے ایک سنٹ کو بھی

برداشت نہیں کرتے۔" ان کا اشارہ ایک بار پھر انجم آراء بیگم کی طرف تھا۔

مریم رسانیت سے نرم لہجے میں بولی۔ "نہیں پھوپھو! ایسی بھی کوئی بات نہیں۔ آپ سے تو سب ہی پیار کرتے ہیں سب سے زیادہ میں، چلیں ابھی چلتے ہیں بازار کیا، مگر کھانا تو کھا لیں۔" ریحانہ پھوپھو بھی اڑ گئی تھیں۔

"اب نہیں جاؤں گی میں۔"

"ارے پھوپھو! امی نے تو بس ایسے ہی کہہ دیا تھا ابو کی تنخواہ آجائے گی تو آمنہ کے ساتھ آپ بھی اپنے لیے کچھ لے آئیے گا۔ ابھی پیسے کم ہیں نا اور پانچ دن بھی باقی ہیں۔" مریم بڑے پیار سے پھوپھو کو پچکار رہی تھی۔

"ویسے بھی یہ سب کچھ آپ کا ہی تو ہے۔ چھوڑیں یہ سب۔" مریم جھٹ سے بیڈ سے اتر گئی اور اپنے پیروں سے پھوپھو کی چپل ان کے پاس کرتے ہوئے بولی۔

"چلیں کر کھانا کھاتے ہیں، بہت زور کی بھوک لگ رہی ہے اور آمنہ تم بھی جلدی سے آجاؤ۔" آمنہ جو منہ بسورے بیڈ پر بیٹھی تھی مریم نے اسے بھی چلنے کی دعوت دے ہی دی اور وہ بھی بھوک سے پریشان ہو کر اس کے ساتھ چل پڑی تو پھوپھو کو بھی ساتھ چلنا ہی پڑا لیکن پھر بھی وہ بڑبڑاتی رہیں۔ "ہمارے لیے کیا بنایا ہوگا اپنا دل چاہ رہا ہوگا۔"

☆......☆

ریحانہ شادی ہو کر گئیں تو بہت چاہ سے انہیں اپنایا گیا تھا۔ ان کے استقبال میں کوئی کمی نہیں رکھی گئی تھی روایتی انداز کی اس شادی میں دل کھول کر خرچ کیا گیا تھا۔ یہ شادی ان کے سسرال کی پہلی شادی تھی اور شاید آخری بھی کیونکہ ان کی ایک نند تھی جو امجد سے عمر میں کافی بڑی تھیں۔ ان کی شادی کی عمر گزر چکی تھی اور کوئی مناسب رشتہ ملنے کی کوئی امید بھی نہیں تھی اور ایک ساس تھیں، امجد مزاج کے بہت سیدھے سادے سے تھے۔ کچے دماغ کے ہونے کی وجہ سے جلد ہر ایک کی باتوں میں آجاتے تھے۔ بیوقوفی کی حد تک ماں اور بہن کی باتوں پر یقین کرتے تھے اسی لیے اپنی ماں اور بہن کی ہر بات یوں پوری کرتے جیسے پتھر پر لکیر ہو۔ شادی کو تین دن بھی نہیں گزرے تھے کہ ریحانہ کو کام پر لگا دیا گیا۔ نئی نویلی دلہن سارے گھر کا کام کرتیں، گھر میں ماسی کام کرتی تھی لیکن ریحانہ کے جانے کے بعد اسے نکال دیا گیا تھا کہ اب بہو آ گئی ہے اس لیے ماسی کی کوئی ضرورت نہیں۔ گویا ریحانہ کی ایک نہیں دو دو ساسیں تھیں اور دونوں ایک ہو جاتیں اور شادی کے چند دن بعد سے ہی ریحانہ کا جینا دوبھر کر دیا گیا تھا۔ ریحانہ کی نند اور ساس کا خیال تھا کہ اکلوتی بیٹی کو اس کے گھر والے بہت جہیز سے نوازیں گے لیکن ان کی توقعات سے کافی کم جہیز ملنے پر ان دونوں کے رویوں میں بہت فرق آ گیا تھا۔ ریحانہ کے سونے جاگنے اور کھانے پینے ہر چیز پر نظر رکھی جاتی، شدید گرمی کے موسم میں وہ اپنے جہیز کے چار جنٹ کے جوڑے پہنا کرتیں، گرمی سے برا حال ہو جاتا، پسینے پسینے ہو جاتیں لیکن نہانے میں صابن خرچ ہوگا اس لیے تین دن بعد نہانے کی اجازت ملتی۔ ایک دن ریحانہ کے سسرال ان کی ساس کی ایک سہیلی چلی آئیں، جنہیں دیکھ کر ساس بہت گھبرائیں کہ ہم نے اپنی بہو کا یہ حال کیا ہوا ہے اب یہ دوسری جگہ جا کر ہمارے بارے میں کیا کچھ کہیں گی، اپنی شرمندگی مٹانے کے لیے سب کے سامنے بہو کو بہت ڈانٹا۔

"تم نہاتی کیوں نہیں ہو کیا حال بنا کر رکھا ہوا ہے گھر آئے مہمان کیا سوچیں گے تمہاری وجہ سے بے عزتی ہوتی ہے۔" ریحانہ ابھی منہ کھولنے ہی والی تھیں کہ انہیں موقع ہی نہ دیا گیا۔

ان مہمانوں کے سامنے نند صاحبہ بڑے غصے سے

اس پر برس پڑیں۔
"جاؤ اور پہلے جا کر نہاؤ بعد میں بات کرنا۔ کتنی بار کہا ہے صاف ستھری رہا کرو۔ پر ہے ہی گندی تین تین دن نہاتی نہیں ہے، ہم تو پریشان ہو گئے ہیں گھر والوں نے کچھ سکھایا ہی نہیں ہے۔" ریحانہ وہیں چپ رہ گئیں ان کا بس نہیں چل رہا تھا زمین پھٹ جائے اور وہ اس میں گڑ جائیں۔ لوگوں کے سامنے ان کو بہت بد سلیقہ، بدتمیز اور بے انتہا گندی کے القابات سے نوازا جاتا۔ مارے شرمندگی کے ان کا دل چاہتا کہیں ڈوب مریں لیکن کیا کرتیں خودکشی بھی حرام ہے شروع میں انہوں نے زبان کھولنے کی کوشش کی، لیکن وہ حال کیا گیا کہ اگلی بار ان کی ہمت ہی نہ ہوئی انہیں مہمانوں کے جاتے ہی دو تھپڑ مارے
۔
"اب کھولو گی زبان اگر زبان کھلی تو اپنے گھر کا رستہ دیکھنا بی بی۔" ایک بہت بڑی سی تلوار طلاق کے نام کی ان کے سر پر ہر وقت ٹنگی رہتی۔ وہ یہی سوچ کر چپ رہیں کہ اپنا گھر بنالوں سب کے دلوں میں جگہ کرلوں، اپنے بھائی تک کو کوئی خبر نہ ہونے دی کہ ان کے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ انہیں یاد تھا کہ ان کی رشتے کی خالہ نے کہا تھا۔
"تمہارے ماں باپ مر چکے ہیں اور بھائی اب شادی شدہ ہے دھیان رہے اب تمہاری شادی ہو رہی ہے مر کر ہی اس گھر سے نکلو، مر جانا رگڑ جانا لیکن اس گھر کو ہی اپنا گھر سمجھنا۔" پھر وہ جب میکے جاتیں امجد ان کے ساتھ بیٹھے رہتے کہ کہیں یہ کسی سے کچھ کہہ نہ دے اور اپنے ساتھ ہی واپس لے کر آتے ریحانہ کے ماں باپ کا تو پہلے ہی انتقال ہو چکا تھا۔ انعام بھائی اور انجم آرا بھابی سب یہی سمجھتے رہے کہ وہ بہت خوش ہیں اپنے گھر میں امجد کے سامنے وہ سب سے بڑھا چڑھا کر بیان کرتیں کہ میرا سب بہت خیال رکھتے ہیں، میرے ناز نخرے اٹھائے جاتے ہیں۔ نند تو نند نہیں سہیلی ہے میری، میرے بغیر دل نہیں لگتا اب اس گھر میں، لیکن سچ تو کچھ اور ہی تھا سارے گھر کا کام کرنے کے بعد اپنی نند اور ساس کے پیر تک دباتیں، اپنے طور پر ریحانہ نے جان توڑ کوشش کر لی تھی کہ اپنی نند اور ساس کا دل جیت سکیں، لیکن اس کے برعکس معاملات خراب ہوتے چلے گئے۔
ایک دن گھر میں کھانا بنانے کے دوران ان کے ہاتھ سے تیل کا برتن گر گیا، جس کی وجہ سے اس میں کوئی دو تین چمچ تیل ضائع ہو گیا۔ نند نے اتنی برے طریقے سے ہاتھ موڑا کہ چار دن تک شدید تکلیف رہی، کبھی روٹی کے جل جانے پر تو کبھی کھانا دیر سے پکنے پر گھر کی ٹھیک سے صفائی نہ ہونے پر تو کبھی کسی اور بات پر غرض ان کی نند نے چھوٹی چھوٹی باتوں پر ان پر ہاتھ بھی اٹھانا شروع کر دیا تھا اور ریحانہ اپنے شوہر امجد سے اس بارے میں کچھ کہنے کی کوشش کرتیں تو وہ تو مٹی کے مادھو تھے۔ کبھی کچھ بولتے ہی نہ تھے، ان کا صرف ایک جواب ہوتا۔
"میں کیا کر سکتا ہوں تم الجھنے کی کوشش نہ کرو ان سے۔" اور ریحانہ امجد کی شکل دیکھتی رہ جاتیں تھیں۔ اپنی لاکھ کوششوں کے باوجود وہ اس گھر میں اور امجد کے دل میں اپنا مقام بنانے میں ناکام رہیں تھیں سارا دن کولہو کے بیل کی طرح محنت کرتیں۔ اوپر سے آنے والی اولاد کی وجہ سے طبیعت بھی انیس بیس ہی رہا کرتی تھی، ایسی گری پڑی حالت میں ان کا کوئی خیال کرنے والا نہ تھا، غذا کا خیال رکھنے کے بجائے ان کو زیادہ نہ کھانے کی نصیحت کی جاتی کہ موٹی ہو جاؤ گی، بچہ صحت مند ہوا تو تمہیں ہی پریشانی ہوگی وغیرہ وغیرہ۔ کھانے کو صرف آدھی روٹی دی جاتی اور وہ بھی پتلی دال یا شوربے کے ساتھ جس میں گوشت کا کوئی نام و نشان نہ ہوتا تھا، جب کہ ہنڈیا وہی پکاتیں تھیں مگر کھانا نند نکال کر دیتیں۔
"بس تمہارے لیے اتنا کافی ہے۔" اپنی بھوک

مارنے کے لیے پانی پیتیں تو کہا جاتا۔
"یہ منرل واٹر ہے ساری بوتل پی جاؤ گی تو ہم کیا پئیں گے، بی بی یہ پانی فری میں نہیں آتا اس کے بھی پیسے دینے پڑتے ہیں تمہارے جہیز میں تمہارے باوا نے لاکھوں روپے نہیں دیے تھے جو بہا رہی ہو۔" وہ چھپ چھپ کر نل سے پانی پینے لگتیں تو اس پر بھی انہیں سننے کو ملتیں کہ بیمار ہو گئی تو کون اس کا خرچ برداشت کرے گا، غرض ہر بات پر اعتراض ہوا کرتا وہ خاموشی سے سب سہتیں گئیں، سارا دن کام وہ کرتیں اور دکھاوا کرنے کے لیے نند امجد کے آفس سے آنے سے پہلے اس سے کہتیں۔
"تم تھک گئی ہو گی اب آرام کر لو جاؤ کمرے میں۔" اور وہ خود بلاوجہ کچن کے سارے ڈبے نکال کر بیٹھ جاتیں امجد کو کہتیں۔
"سارا دن ہو گیا کام کرتے کرتے تمہاری بیوی تو کمرے سے ہی نہیں نکلتی۔" کبھی اگر جلدی کام ختم ہو جاتا اور وہ لیٹنا چاہتیں تو ساس صاحبہ اپنے اور بیٹی کے پرانے کپڑے لے آتیں انہیں کاٹ کر آنے والے بچے کے لیے کپڑے سیو۔ وہ حیرت سے دیکھتی رہ جاتی کہ انہیں آنے والے یا والی کی بھی کوئی خوشی نہیں، وہ یہ پرانے کپڑے پہنے گا مگر صبر کرتیں پوری پوری دوپہر وہ سلائی کرتی رہتیں اور تھکن سے ان کے سارے جسم میں درد ہونے لگتا۔ کمر میں ایسے درد ہوتا کہ برداشت سے باہر ہو جاتا لیکن خوف ریحانہ کے حواسوں پر ایسا سوار تھا کہ اس زمانے میں بے قصور ہوتے ہوئے پٹتیں تھیں اور ان کے چہرے پر پڑے ہوئے نشانات کو بھی امجد ان دیکھا کر دیا کرتے، کیونکہ انہیں پہلے ہی کوئی ایسی کہانی سنادی جاتی کہ وہ ریحانہ کے وہم و گمان میں بھی نہ ہوتی، دونوں میاں بیوی میں محبت و انسیت کی کوئی بات بن ہی نہیں پائی، دوریاں بڑھتی ہی چلی گئیں۔ اس خوبصورت کم عمر لڑکی کی عمر دوگنی لگنے لگی۔ چہرے پر چھائیاں آنکھوں کے نیچے پڑے سیاہ حلقے کمزوری اور کم خوراک کی وجہ سے بے انتہا دبلی پتلی ہو گئیں تھیں۔ اس سب کی وجہ ریحانہ اپنی نند کی حاکمانہ نیچر اور تیز طراری گردانتی اور امجد کے گھر میں قدم رکھتے ہی اپنی نند کے کیے جانے والے ہر ڈرامے کو بڑے غور سے دیکھتیں۔ ان کی نند ہر چھوٹی چھوٹی بات کا بھتنگڑ بنا کر بھائی کے سامنے یوں رکھتی کہ ان کی بہن پر بہت ظلم ہو رہا ہے اور جب ساس اماں، اپنی بیٹی کی حمایت میں ہاں میں ہاں ملاتی تو گویا جلتی پر تیل کا کام پورا ہو جاتا۔ امجد میاں تن پھن کرتے کمرے میں آتے اور بے بھاؤ کی سناتے کہ ریحانہ ششدر انہیں تکتی رہ جاتیں کہ ایسا کیا ہو گیا یہ کب ہوا مگر وضاحت دینے کے لیے نہ ان کے پاس کوئی الفاظ ہوتے اور نہ ہی اس اچانک لگنے والے جھوٹے اور بے بنیاد الزامات کو غلط ثابت کرنے کے لیے کوئی ثبوت ہوتا، وہ بس ٹکر ٹکر امجد میاں کو دیکھے جاتیں اور آنسو بہاتی جاتیں۔ انہیں یہ سمجھ نہیں آتا تھا کہ جس شخص کے ساتھ وہ شادی ہو کر اس گھر میں آئی ہیں۔ اس نے ایک بار بھی ان سے سچ سننے کی کوئی کوشش نہ کی تھی۔ ان کے جسم اور چہرے پر پڑنے والے نیل بھی اس بات کو ثابت نہ کر سکے تھے کہ وہ مظلوم ہیں۔ نتیجہ وہ اب نند اور ساس سے پٹنے کے بعد شوہر کے زدوکوب کا شکار بھی ہونے لگیں۔ اس ٹینشن مار پیٹ اور خوراک کا صحیح طور پر نہ ملنے کے نتیجے میں وہ اپنی رہی سہی طاقت بھی کھوتی جا رہی تھیں اور ایک دن اچانک گھر میں کام کرتے کرتے بے ہوش ہو گئیں۔ ساس کو یہ ڈر ہوا کہ کہیں مر ہی نہ جائے تو جھٹ بیٹے کو آفس سے بلا بھیجا اور ریحانہ کو ٹیکسی میں ڈال کر ان کے میکے چھوڑ گئیں۔ انعام صاحب، ریحانہ کے بھائی ہی ان کو اسپتال میں لے کر گئے، بار بار فون کرنے کے باوجود امجد میاں اسپتال نہیں آئے، تو بھائی نے ریحانہ سے ساری بات کے بارے میں

بہت زور دے کر پوچھا۔ جس پر ریحانہ نے اپنے اوپر گزری ساری مشکلات بھائی کو بتا دیں۔ بیٹی کی خبر سنتے ہی تحفے میں طلاق کے کاغذات ان کے سسرال سے آ گئے، جسے انعام صاحب نے ریحانہ کی حالت کے پیش نظر چھپا دیا اور کوئی ایک مہینے بعد جب ریحانہ کی امید ٹوٹنے لگی کہ ان کے سسرال سے یا ان کا شوہر ان کی بچی کو دیکھنے کوئی نہیں آیا تو ریحانہ نے واپس جانے کی کوشش کی، جس پر انعام صاحب نے وہ کاغذات ان کے حوالے کر دیے۔ ریحانہ کو جیسے سکتہ ہو گیا تھا۔ کئی مہینے وہ گم صم سی بیٹھی رہتیں تھیں، کسی سے کچھ نہ کہتیں تھیں کبھی اچانک ہنسنے لگتیں اور کبھی اچانک رونے لگتیں۔ بھوک پیاس سب ختم ہو چکی تھی زندگی ایک خار دار جھاڑی کی طرح انہیں نوچے ڈال رہی تھی۔ ان کی حالت پر انعام صاحب اور انجم آرا بہت کڑھتے پھر آمنہ جب ان کو اپنی جانب متوجہ کرتی، اپنی توتلی زبان سے مما کہہ کر بلاتی تو کبھی تو اسے زور سے جھڑک دیتیں اور کبھی کبھی مارنا بھی شروع کر دیتیں۔

"سب تیری وجہ سے ہوا ہے نہ تو پیدا ہوتی نہ میرا گھر ٹوٹتا۔" پھر چند لمحے وہ اسے تکتی رہتی اور سوچتی کہ اس کے ہونے نہ ہونے سے کیا فرق پڑتا ہے وہ گھر میرا تھا ہی کب، پھر اسے اٹھا کر پیار کرتیں۔

"میری بچی تیرا نصیب اچھا ہو تجھے نیک ساتھی ملے۔" دعائیں ان کے آنسوؤں کی صورت عرش تک پہنچتیں وقت کا پہیا گھوم رہا تھا۔

انعام بھائی نے بہت چاہا کہ ان کی دوسری شادی کر دیں لیکن وہ کسی طور شادی کو تیار نہ تھیں شادی لفظ سے جیسے انہیں نفرت ہو گئی تھی۔ ہر بار بھڑک جاتیں یہاں تک کہ خودکشی کی دھمکی بھی دے دی تو انعام بھائی بھی چپ ہو کر بیٹھ گئے۔

مریم کی پیدائش آمنہ کے دو سال بعد ہوئی۔ آمنہ تھی تو مریم کی کزن لیکن بہنوں کی طرح دونوں میں پیار تھا، ساتھ لڑتیں تو تھوڑی دیر بعد ایک ساتھ کھیلنے بھی لگتیں۔ ریحانہ بھی کبھی خفا ہو جاتیں اور بچوں کی لڑائی میں انجم آرا کو بہت باتیں سننے کو ملتیں۔ انعام صاحب بھی اکثر بہن کا ساتھ ہی دیتے، ایسے میں ریحانہ اس بات کی دھیرے دھیرے قائل ہو گئیں کہ اگر اس گھر میں رہنا ہے تو انجم آرا بیگم کو دبا کر رکھنا ہوگا اور پھر ریحانہ ہر بات کا بتنگڑ اسی طرح بنانے لگیں جو انہوں نے اپنے سسرال کا حال دیکھا تھا۔ وقت کے ساتھ ساتھ ان کا یہ چڑچڑا پن بڑھتا ہی گیا اور ایک عادت کی شکل اختیار کر گیا۔ انعام صاحب اپنی بہن کو ان کے صدمے سے نکالنے کے لیے ان کی ہر بات مانتے چلے گئے اور انجم آرا شوہر کے آگے مجبور ہو کر جوانی کی حدود میں داخل ہو گئیں اب نہ جانے کیوں پھوپھو کو ہر وقت آمنہ کی شادی کی فکر لگی رہتی تھی۔ وہ شادی کے نام سے ہولنے لگتیں تو دوسری طرف بیٹی کی شادی نہ ہوئی تو کیا ہوگا اس بات کی بھی ٹینشن تھی۔ اس لیے کچھ زیادہ ہی چڑچڑی ہو گئی تھیں اور ان کے سارے الزامات سارا غصہ رہ رہ کر انجم آرا پر نکلتا۔ ریحانہ اپنے مزاج کے اعتبار سے نرم تو تھیں لیکن خود کو کچھ اس طرح بنا لیا تھا کہ سوچ کر بیٹھیں تھیں۔

"اگر میں اپنی بھابھی یعنی انجم آرا سے دب گئی تو کہیں میرا سسرال جیسا حشر نہ ہو جائے۔" اسی لیے ان کی زبان کی دھار کچھ زیادہ ہی تیز ہو گئی تھی، جب وہ خوش ہوتیں تو دنیا کی ہر شے وارنے کو تیار ہو جاتیں اور ناراض ہوتیں تو دنیا کو آگ لگا دیں، ایسی حالت ہو جاتی بچپن سے جوانی تک آمنہ اور مریم اس گھر میں ساتھ پلی بڑی ہوئیں لیکن آج بھی ریحانہ کے دل میں کہیں یہ بات چھپی بیٹھی تھی کہ بھابھی میری بیٹی سے زیادہ اپنی بیٹی کو چاہتی ہیں۔ ظاہر ہے ہر ماں اپنی اولاد کو سب سے زیادہ ہی چاہتی ہے۔ آمنہ بی اے کر کے فارغ تھی جب کہ مریم بی ایس سی فائنل ایئر کے امتحانات دے رہی تھی۔ دونوں بچیوں کے لیے رشتے

آنے شروع ہو گئے تھے، اسی دوران انعام صاحب کے دفتر میں کام کرنے والے ایک کولیگ نے اپنے چھوٹے بھائی اور اپنے چچا زاد بھائی کے رشتہ کی تلاش کا ذکر کیا اور ساتھ ہی یہ بھی بتایا کہ چونکہ ان کے چچا کا بہت پہلے انتقال ہو گیا ہے اس لیے اپنے چچا زاد کے لیے بھی لڑکی وہ ہی ڈھونڈ رہے ہیں اور انعام صاحب کے گھر آنے کی خواہش کا اظہار کیا، جسے انعام صاحب نے بخوشی قبول کیا اور آنے کے لیے دو دن بعد اتوار کا دن مقرر کیا گیا۔ انعام صاحب نے جب گھر آ کر سب کو بتایا تو سب خوش تھے۔ خصوصاً ریحانہ آپا لیکن بے چینی بھی تھی لڑکے کیا کرتے ہیں کیسے دکھتے ہیں ان کی نوکری ہے یا کاروبار کرتے ہیں؟ وغیرہ وغیرہ سوالات کا ایک انبار تھا جو ان کے اندر رہ کر باہر آ رہا تھا۔ خیر یہ دو دن بھی صفائی ستھرائی اور تیاریوں میں گزر گئے آمنہ اور مریم دونوں ہی شکل وصورت کے اعتبار سے خوبصورت تھیں لڑکے والے ان دونوں کو پسند کر گئے اور کہہ کر گئے۔

"ہمیں آپ کی دونوں بیٹیاں پسند ہیں اب آپ ہمارے بیٹے دیکھ لیں، گھر بار بھی دیکھیں۔" لڑکے بھی ریحانہ، انجم آرا اور انعام صاحب کو بہت پسند آئے ان کی تعلیم، شکل وصورت، نوکری ہر اعتبار سے اچھے تھے۔ ان کا چھوٹا بھائی آمدنی کے اعتبار سے دوسرے کزن سے کم تھا اور شکل کے اعتبار سے بھی کزن زیادہ بہتر تھا۔ گھر آنے کے بعد یہ فیصلہ کرنا تھا کہ کس کی شادی کس سے کی جائے، رات زیادہ ہو گئی تھی اس لیے صبح بات کرنے کا کہہ کر انعام صاحب اپنے کمرے میں چلے گئے۔ جب کہ ریحانہ انجم آرا کو زیادہ اہمیت نہیں دیتیں تھیں تو ان سے کیا بات کرتیں۔ اس لیے وہ بھی اپنے کمرے میں چلی گئیں، رات بھر وہ یہی سوچتی رہیں کہ یقیناً انجم آرا اپنی بیٹی کے لیے شاہد صاحب کے کزن کو پسند کریں گی، کیوں کہ وہ ہر اعتبار سے ان کے چھوٹے بھائی سے بہتر ہے دل ہی دل میں کھولتی اور کڑھتی رہیں کہ صبح تک تو انجم آرا انعام کے دل میں کیا کیا ڈال دیں گی۔ نہ جانے کیا کیا پٹیاں پڑھائیں گی میری بچی رہ جائے گی، مگر کچھ بھی ہو جائے میں آمنہ کی شادی شاہد کے کزن سے ہی کروں گی اسی کرب اور بدگمانی میں وہ ساری رات کروٹیں لیتی رہیں۔

فجر کی اذانیں ہونی شروع ہو گئیں تھیں۔ ریحانہ نے نماز ادا کی اور اپنی بچیوں کے اچھے نصیبوں کی دعا کی اور فوراً بھائی کے کمرے کی جانب رخ کیا، ساری رات اتنا منفی سوچتے سوچتے ان کے اعصاب پر اثر پڑا تھا اور جب تک بات نہ ہو جاتی چین ہی نہ پڑتا لیکن جیسے ہی وہ انعام صاحب کے کمرے کے پاس پہنچیں۔

انہیں اندر سے انجم آرا کی آواز سنائی دی جو انعام صاحب سے کہہ رہیں تھیں۔

"ہمیں آمنہ کی شادی شاہد کے کزن سے کرنی چاہیے، وہ زیادہ مناسب رہے گا ایسا نہ ہو کہ آپا کہ دل میں کوئی بات آئے کہ ان کی بچی کو دوسرا درجہ دیا اور اپنی بیٹی کے لیے اچھا بر چن لیا۔ آپ آپا سے بات کریں کہ محمود شاہد کا کزن زیادہ اچھی نوکری اور شکل وصورت کے اعتبار سے بہتر ہے۔ ہماری بچی تو ان کے بھائی کے ساتھ بھی خوش رہے گی، اس کا مزاج ہی ایسا ہے یہ دونوں بچیاں ہماری ہی تو ہیں فرق کیسا۔" اور انعام صاحب بھی بیگم کی بات سے متفق تھے وہ بھی بات کرنے کے لیے باہر آ رہے تھے کہ ریحانہ کو دروازے پر روتا دیکھ کر ٹھٹک گئے۔

"کیا ہوا آپا! آپ کو کسی نے کچھ کہا ہے سب خیر ہے آپ رو کیوں رہی ہیں۔" انعام بھائی کی اتنی پریشانی دیکھ کر وہ اور زور سے رونے لگیں، انجم آرا گھبرا گئیں کہ اب کیا ہو گیا انعام آپا کو پکڑ کر اپنے کمرے میں لے گئے اور انہیں بٹھایا جب کہ انجم آرا بھاگ کر پانی لے آئیں۔

''ہمیں معاف کرنا انجم! ہم نے ہمیشہ ہی تمہیں غلط سمجھا، تمہاری تذلیل کی، تمہیں دوسرے درجہ کا مقام دیا اور اس گھر پر انعام پر ہمیشہ خود ہی راج کرنے کی کوشش کی اتنی تکلیف کو برداشت کرنے کے بعد بھی آج میری بیٹی کی بھلائی سوچ رہی ہو۔''

آج ریحانہ دل سے شرمندہ تھیں اور بڑے روہانسے انداز میں اپنی کی گئی تمام تلخ کلامی اور طنزیہ فقروں پر آبدیدہ ہو رہی تھیں۔ ان کا خیال غلط ثابت ہوا تھا کہ جس کی لاٹھی اس کی بھینس کے ذریعے ہی اچھی زندگی گزاری جاسکتی ہے۔ کئی سال پہلے جو کچھ کھیل ان چند مہینوں میں وہ اس گھر میں سیکھ کر آئیں تھیں، وہ یہاں بیس بائیس سال کھیلتی رہیں، محض اپنی بدگمانی میں جس عورت کو وہ آج تک غلط سمجھتی رہیں وہی ان سے سچی مخلص نکلی، انجم آرا ہمیشہ کی طرح اپنی مصلحت جوئی سے معاملے کو سلجھانے کی کوشش کر رہی تھیں۔

''کیسی باتیں کر رہی ہیں آپا! آمنہ میری بھی بیٹی ہے۔'' اور انجم آرا نے بڑھ کر ریحانہ آپا کو گلے لگا لیا۔

شادی کی تیاریاں زور و شور سے شروع ہو گئیں گھر مہمانوں کی آمد اور رونق سے بھرا بھرا لگ رہا تھا اور جہیز میں جو چیز آمنہ کے لیے لی گئی تھی، وہی مریم کے لیے رکھی گئی تھی کسی قسم کا کوئی فرق نہ تھا۔ ہر طرف خوشی اور شادمانی محو رقص تھی۔ آج ریحانہ پھوپھو اپنی بیٹی اور بھتیجی کو سمجھا رہی تھیں۔

''کبھی کسی سے بدگمانی نہ کرنا، ہر گھر جسے تم اپنا سمجھو وہ تمہارا نہیں، یہاں تک کہ قبر بھی تمہاری نہ ہوگی، وہاں سے بھی قیامت کے دن ستر مردے اٹھائے جائیں گے، بس میری یہ بات یاد رکھنا اور سدا خوش رہنا۔ ہم سب تمہارے ساتھ ہیں اور ہماری دعائیں بھی ایک دوسرے کا خیال رکھنا اور اس گھر کو اپنا گھر سمجھنا۔'' بڑے پیار سے دونوں بچیوں کو گلے لگا کر بیٹھی تھیں۔

......☆......

قمروش شہک

سلسلہ وار ناول

قسط نمبر 16

تیرے پیار کی خوشبو

لاروش اغولان نے اس کے بیڈروم میں قدم رکھا اور پورا کمرہ بغور دیکھنے لگی تھی۔

''یا اللہ! صفائی کی شروعات کہاں سے کروں' اتنا پھیلا ہوا ہو رہا ہے یہ کمرہ تو۔'' وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑائی تھی



پھر نظر تھری ڈور الماری کی سمت جا ٹھہری تھی' جس کے تینوں دروازے کھلے ہوئے تھے اور کوئی ایسا سوٹ نہیں تھا جو اس کے اندر طریقے سے رکھا ہوا ہو۔ الماری سے سارے ہینگر نیچے کارپٹ پر بے دردی سے پڑے ہوئے تھے اور اس کی بے شمار ٹی شرٹ بھی اپنی بے دردی پر ماتم کدہ تھیں۔ یہی حال حنین آفریدی کی جینز کا تھا ساری کی ساری الماری سے باہر کچھ صوفے پر لٹکی پڑی تھیں اور کچھ کانچ کی ٹیبل پر' گو کہ کمرہ بہت بڑا اور کشادہ تھا مگر کوئی بھی شے اپنی جگہ پر نہیں تھی اور سب سے بڑھ کر پورے کمرے میں کلون اور پرفیوم کی ملی جلی مہک نے اس کے دماغ پر اثر کیا تھا' یہ خوشبو نتھنوں سے گزرتی اس کے دماغ پر لگ رہی تھی' جس سے اس کے سر میں ہلکا ہلکا سا درد بھی اٹھنا شروع ہو گیا تھا' اس لئے اس نے سب سے پہلے یہ کام کیا کہ باہر کی جانب کھلتی گلاس ڈور کو کھولا تا کہ یہ خوشبو ہوا کے ذریعے باہر جائے' اس کے علاوہ پنکھے کی اسپیڈ بھی تیز کر دی تھی۔ کمرے کی حالت تو یہی بتا رہی تھی کہ سالوں سے صفائی ستھرائی نہیں ہوئی ہے۔



اب صفائی کی ذمہ داری تو اس کے سر ہو ہی گئی تھی' اس لیے اس نے کمر کس لی' سب سے پہلے اپنا بڑا سا دوپٹہ اتار کے ایک سائیڈ پر رکھا اور الماری کی سمت بڑھی تھی' جو کپڑے تہہ کرنے والے تھے وہ سب تہہ کرکے طریقے اور سلیقے سے الماری میں رکھتی چلی گئی اور جو استری کرنے کے لئے تھے وہ سب آئرن اسٹینڈ پر رکھے تھے۔

کوئی دو گھنٹے میں الماری کے کپڑوں کی سیٹنگ تو ہو گئی تھی' اب باری تھی کمرے کی صفائی کی۔

''لگتا ہے کھانے پینے کا حد درجہ شوقین ہے۔''

لا روش اغولالان نے ڈھیر سارے چپس' چاکلیٹ کے ریپرز اٹھا کے ایک بڑی سی شاپر میں ڈالے پھر جو بے ترتیب حالت ہو رہی تھی' چیزوں کی وہ صحیح کرنے لگی۔

''جانے یہ کمرے کو استعمال کرتا ہے یا کمرے کی ان چیزوں سے فائٹنگ کرتا ہے۔''

کتنے ہی گھنٹوں کے بعد کمرے کی اچھی خاصی شکل نکل آئی تھی' اس نے ایک شکرانے کا سانس بھرا اور منہ ہاتھ دھونے کے لئے واش روم کی سمت بڑھی تھی' اس نے دروازہ کھولا اور اپنا سر پکڑ لیا تھا۔

''اوہ نو......''

خوبصورت سا ٹائیل اور ماربل سے مزین واش روم تک پھیلا کے رکھا ہوا تھا۔

☆......☆

زوباریہ ایدھی سینٹر سے ہوتی ہوئی اسپتال آئی تھیں' زرمیل کی عیادت کو ان کا ڈرائیور ہاتھ میں بے شمار الگ الگ قسم کے فروٹس اور مختلف قسم کے جوس کے فلیور کا شاپر لئے ان کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔

ریسپشن سے پتہ کرتی وہ وہاں اسپیشل روم میں پہنچی تھیں' دروازے کو ناک کیا تو حرا نے ہی دروازہ کھولا تھا۔

''السلام علیکم!'' حرا نے سلام کیا تھا مگر وہ انہیں پہچانی نہیں تھی۔

''وعلیکم السلام!'' زوباریہ نے نرمی سے جواب دیا تھا۔

وہ اندر آ گئی تھیں سامنے ہی چیئر پر آسیہ بیٹھی تھیں' وہ زوباریہ کو دیکھ کر کھڑی ہو گئی تھیں۔

''السلام علیکم!''

''وعلیکم السلام' کیسی ہیں آپ؟''

''میں اپنے اکلوتے بیٹے کو ایسی حالت میں دیکھ دیکھ کے جی رہی ہوں۔''

وہ ممتا سے چور آنکھیں ابھی تک خشک نہیں ہوئی تھیں' سب کے اتنا سمجھانے پر دل پر سل تو رکھ لی تھی' مگر وہ ایک ماں تھیں جس کا اکلوتا لخت جگر زخموں سے چور پلاسٹر پٹیوں میں جکڑا بے سود پلنگ پر لیٹا تھا۔

''صبر کیجئے انشاء اللہ، اللہ بہتر کرے گا' بہت جلد زرمیل پھر سے اپنے پیروں پر کھڑے ہوں گے بالکل صحت و تندرست ہو کر اٹھیں گے۔''

زوباریہ نے آسیہ کو خود سے لگا لیا تھا اور زوباریہ کا سہارا پا کر آسیہ پھر سے بکھر گئی تھیں' بلک بلک کر رونے لگی تھیں۔ آسیہ کی بکھرتی حالت دیکھ کر حرا قریب آئی تھی۔

''ممی پلیز! مت روئیے ورنہ پھر سے آپ کی طبیعت خراب ہو جائے گی۔''

حرا نے آسیہ کے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا اور بڑی مضبوطی سے خود کو سنبھالا ہوا تھا' ورنہ اپنے چہیتے بھائی

زرمیل کو اس حالت میں دیکھ کر تو دل اس کا بھی خون خون ہوتا تھا' بہت دل کرتا کہ پھوٹ پھوٹ کے رو دے مگر آسیہ کے خیال سے خود پر پتھر باندھ لیتی تھی۔

''آسیہ بری بات اس طرح نہیں روتے آپ تو بہت بہادر اور ہمت والی ہیں۔ اگر آپ ہی ہمت ہار دیں گی تو زرمیل کو کیسے سنبھالیں گی۔'' زوباریہ نے ہولے ہولے سے ان کی پشت کو سہلایا تھا جو سنبھل ہی نہیں رہی تھیں۔

''اچھا ادھر دیکھئے میری طرف۔'' زوباریہ نے آسیہ کو دونوں شانوں سے تھام کر آہستگی سے خود سے الگ کرکے اپنے مقابل کیا تھا۔ آسیہ نے روتی ہوئی آنکھوں سے ان کو دیکھا تھا۔

''آپ کمزور تو نہیں ہیں نا' میں یہ بھی جانتی ہوں کہ اکلوتا لخت جگر' نور نظر جوان جہان بیٹا جب اسپتال کے بیڈ پر پٹیوں میں جکڑا پڑا ہو تو ماں کے دل پر کیا گزرتی ہے' اس کا دل کیسے ٹکڑے ٹکڑے ہوتا ہے' آنکھیں خون کے آنسو روتی ہیں' مگر آسیہ اس وقت آپ کو خود کو بہادر اور مضبوط ہونا ہوگا۔ اپنے بیٹے کے لیے دعا کریں کہ وہ جلد از جلد صحت یاب ہو کر گھر جائیں' اس طرح رونے سے تو نہ صرف آپ کی اپنی طبیعت خراب ہو گی بلکہ آپ کے اپنے اردگرد آپ کو چاہنے والے بھی پریشان ہو جائیں گے۔'' بڑی نرم و ملائم لب و لہجے میں وہ آسیہ کو سمجھا رہی تھیں کہ سامنے کھڑی حرا ان کو دیکھتی کی دیکھتی رہ گئی تھی۔

''میں ٹھیک کہہ رہی ہوں نا۔'' انہوں نے آسیہ کے مرجھائے چہرے کو دیکھا تھا۔

''ہوں!'' آسیہ صرف سر ہی ہلا کر رہ گئی تھیں۔

''چلیں شاباش۔ اب رونا بالکل بھی نہیں ہے۔'' زوباریہ نے اپنے رومال سے آسیہ کی بھیگی آنکھیں اور بھیگا چہرہ خشک کیا تھا۔

''آپ پلیز بیٹھیے نا۔'' آسیہ کو جب احساس ہوا کہ وہ اب تک کھڑی ہیں اور ان کی وجہ سے پریشان بھی ہیں' تو شرمندگی چہرے سے جھلکنے لگی تھی۔

''بیٹھ جاؤں گی اور آپ بھی بیٹھیے۔'' زوباریہ نے آسیہ کے چہرے کی شرمندگی بھانپ لی تھی' مگر وہ انہیں شرمندہ نہیں دیکھنا چاہتی تھیں' اس لئے انہیں لئے وہیں چیئرز پر براجمان ہو گئی تھیں دونوں۔

''ارے.....'' زوباریہ کی نظر سائیڈ میں کھڑے فروٹس اور جوس کے شاپر ہاتھ میں لئے اپنے ڈرائیور پر پڑی تھی۔

''حرا بیٹا ان سے یہ سارے فروٹس اور جوس کے شاپرز لے لیں۔''

حرا جو ابھی تک ان کے لب و لہجے کے سحر میں کھوئی ہوئی تھی یکدم سے چونک کر ان کو دیکھنے لگی تھی۔

''جی!'' حرا نے ڈرائیور سے وہ سارے شاپرز لئے اور بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیئے تھے۔

''ان سب کی کیا ضرورت تھی زوباریہ؟'' آسیہ ویسے ہی شرمندگی کا شکار تھیں مزید اتنے فروٹس اور جوس کے شاپرز دیکھ کر بولنے لگی تھیں۔

''ہمارے بیٹے زرمیل کو ضرورت ہے۔'' زوباریہ ہولے سے مسکرا کے بیڈ پر بے خبر سوتے زرمیل کو دیکھنے لگی تھیں اور اس کی سلامتی اور صحت یابی کی دل سے دعا گو تھیں۔

☆......☆

زرمیل اسپتال سے گھر آ چکا تھا۔ ژالے نے اوپر ریلنگ کے پیچھے سے اس طرح جھانک کے دیکھا کہ

وہ کسی کو نظر ہی نہ آسکے' زرمیل کی حالت دیکھ کر اس نے اپنا دل تھام لیا تھا' سبز آنکھیں سمندر سے بھرنے لگی تھیں' ایسا تو اس نے کبھی نہیں چاہا تھا یا سوچا تھا کہ وہ زرمیل کو کبھی ایسی حالت میں بھی دیکھے گی۔

زرمیل وہیل چیئر پر بیٹھا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھوں پیروں میں پلاسٹر چڑھا ہوا تھا' سر پر سفید پٹی بندھی ہوئی تھی حرا نے بتایا تھا کہ زرمیل کے سینے پر کانچ کے باریک باریک ٹکڑے گھسنے کی وجہ سے وہاں کافی زخم آئے ہیں یہاں تک کہ اتنا جان لیوا ایکسیڈنٹ تھا کہ ریڑھ کی ہڈی بری طرح متاثر ہوئی ہے' جانے کب تک اسے بیڈ ریسٹ کرنا پڑے گا اسٹک استعمال کرنی پڑے گی فی الحال تو وہ ابھی چلنے پھرنے سے ہی معذور رہے گا۔ ژالے نے بغور اس کے چہرے کو دیکھا' ان چند ہفتوں میں ہی اس کی رنگت بالکل سفید پڑ گئی تھی' جیسے جسم میں خون کا ایک قطرہ بھی نہ ہو۔ سرمئی کانچ میں ایک جہاں کی جو اس نے چمک دیکھی تھی وہ بالکل ماند پڑ چکی تھی' ژالے سے تادیر زرمیل کی یہ حالت دیکھی ہی نہیں گئی وہ اپنی سسکیاں دباتی اپنے ہونٹوں پر ہاتھ رکھتی تیزی سے اپنے بیڈروم میں بھاگی تھی اور دروازہ اندر سے لاکڈ کر کے زاروقطار بلک بلک کر رونے لگی تھی۔

عارفین اس کی وہیل چیئر گھسیٹتا ہوا اس کے بیڈروم تک لایا تھا اور نہایت ہی آرام سے زرمیل کو چیئر سے اٹھا کے اس کے بستر پر لٹا دیا تھا اور بلینکٹ اس کے سینے تک ڈال دیا تھا۔

''میری جان! کچھ دن اور اسپتال میں رک جاتے تو بہتر ٹریٹمنٹ ہو جاتی۔'' آسیہ نے بڑی مشکل سے اپنے دل کو سنبھالا ہوا تھا۔

''نہیں ممی! میں زیادہ ایزی فیل گھر میں کروں گا۔''

''ویسے زرمیل! بڑی ماں کچھ غلط بھی نہیں کہہ رہی ہیں مگر تم اپنی ضد کے آگے کسی کی بھی نہیں چلنے دیتے ہو۔'' عارفین نے آسیہ کی بات کی تائید کی تھی۔ زرمیل نے کچھ نہیں کہا بلکہ خاموشی سے آنکھیں موند لیں۔ ہونٹوں کو آپس میں سختی سے بھینچ لیا تھا' شاید اسے تکلیف زیادہ ہو رہی تھی جو عارفین نے فوراً نوٹ کر لیا تھا۔

''زرمیل زیادہ درد ہو رہا ہے تو ڈاکٹر کو یہیں بلوا لوں؟'' عارفین نے جھک کر پوچھا۔

''نہیں۔ میں ٹھیک ہوں۔'' زرمیل نے اپنی تکلیف کو دبا دیا تھا۔

''ایسا ہے زرمیل کچھ پہلے سوپ پی لو پھر یہ دوائی میں خود کھلا دوں گا۔'' ارشد' زرمیل کے پاس ہی جگہ بنا کے بیٹھ گیا تھا۔

''نہیں اس وقت میرا کسی چیز کو کھانے پینے کا دل نہیں چاہ رہا ہے۔'' زرمیل نے صاف انکار کر دیا تھا۔

''مگر یار! یہ دوائی کھانی بھی تو ضروری ہے۔'' ارشد نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا تھا۔

''تائی ممی! آپ سوپ لے کر آئیں میں خود زرمیل کو پلاتا ہوں' ورنہ یہ تو یونہی انکار کرتا رہے گا۔'' ارشد نے پاس کھڑی آسیہ سے کہا جو فوراً باہر نکلی تھیں کیونکہ وہ بھی چاہ رہی تھیں کہ زرمیل کچھ کھالے تو دوائی لے کر سکون کی نیند سوئے۔

عارفین نے بغور ارشد کو دیکھا تھا' وہ ایسا ہی تھا غصہ کا جتنا تیز اور جذباتی صحیح مگر دل کا بہت صاف و شفاف تھا اپنی غلطی فوراً تسلیم کر لیا کرتا تھا اور سب سے اچھی بات کہ غلطی مان کر معافی بھی مانگ لیا کرتا تھا۔ سب ہی اس کی جذباتی عادت سے واقف تھے زرمیل سے اب تک وہ ہزار بار تو معافی مانگ ہی چکا ہوگا۔

''یار زرمیل! تم نے مجھے ابھی تک معاف نہیں کیا نا؟''

''کیوں مجھے شرمندہ کرتے ہو بار بار جو ہونا تھا وہ تو ہو گیا اور ہمیں وہی ملتا ہے جو ہماری قسمت میں لکھا ہوتا ہے۔ میرے نصیب میں یہ تکلیفیں لکھی تھیں' سو مجھے مل گئی ہیں۔'' اس نے زبردستی کی مسکراہٹ ہونٹوں پر سجائی تھی۔ تکلیف کی شدت اس قدر تھی کہ نہ تو بولا جا رہا تھا نہ ہی مسکرانے کی سکت تھی۔

اور اسے شکایت کسی سے تھی بھی نہیں سوائے ژالے کے وہ اس سے سخت ناراض تھا کہ اس کی شکل بھی دیکھنے کا روادار نہیں تھا' بے شک اگر وہ سامنے آبھی جاتی تو اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا اس لئے اس کی بہتری اسی میں تھی کہ وہ اس کے سامنے ہی نہ آئے۔

اسی دوران آسیہ سوپ لے آئی تھیں عارفین اور ارشد نے زبردستی اسے سارا سوپ پلا دیا تھا اور دوائی کھلا کے چہرہ صاف کر کے آرام سے لٹا دیا تھا کچھ ہی دیر میں زرمیل سکون کی گہری نیند میں سو چکا تھا' وہ تینوں اٹھے اور کمرے کی لائٹ آف کر کے باہر نکل گئے تھے۔

☆......☆

''السلام علیکم!'' رابعہ ٹی وی لاؤنج میں بیٹھی T.V دیکھ رہی تھیں کہ اچانک کسی کے سلام کرنے پر انہوں نے پلٹ کر دیکھا تھا۔ وہاں کوئی لڑکی کھڑی تھی رابعہ نے بغور اس لڑکی کا چہرہ دیکھا تھا ایسا لگ رہا تھا جیسے پہلے بھی اسے کہیں دیکھا ہے مگر کہاں...... کچھ یاد نہیں آ رہا تھا۔

''وعلیکم السلام!'' رابعہ نے T.V کا والیم آف کر دیا تھا۔

''آپ نے شاید مجھے پہچانا نہیں' میں سوی ہوں مقسوم کی بیسٹ فرینڈ۔''

''سوی......!''

رابعہ اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی تھیں۔

''تم وہی ہو نا جسے میں نے......'' انہوں نے جان کر جملہ ادھورا چھوڑ دیا تھا۔

''جی ہاں' میں وہی سوی ہوں' جسے آپ نے اپنے بیٹے کے لئے پسند کیا تھا' مگر سوری آنٹی میں یہ شادی نہیں کرنا چاہتی تھی کیونکہ میں کسی اور کو پسند کرتی تھی' اس لئے اپنی جگہ مقسوم کو بٹھا کے خود گھر چھوڑ کے چلی گئی تھی۔'' شرمندگی سے اس کی نگاہیں جھک گئی تھیں۔

''تو اب یہاں کیا لینے آئی ہو؟'' انہیں سوی کا یہاں آنا کچھ خاص پسند نہیں آیا تھا جو سوی نے نوٹ بھی کر لیا تھا۔

''میں آپ سب سے معافی مانگنے آئی ہوں۔''

''معافی تو تمہیں مقسوم سے مانگنی چاہیے' جسے تم نے نہ صرف دھوکا دیا ہے بلکہ تمہاری والدہ نے بھی یہاں آ کر نہ صرف اس پر الزام تراشیاں کی ہیں' بلکہ مارنے اور بے عزتی کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی ہے۔ ایسے ایسے رکیک الفاظ اس کے کردار کے لئے استعمال کئے تھے جو ہم جیسے پڑھے لکھے تہذیب یافتہ لوگوں پر سوٹ نہیں کرتے۔'' نرم و ملائم لب و لہجے میں انہوں نے اپنے دل کی بھڑاس نکال دی تھی۔

''آئی نو آنٹی! اور اسی لئے میری ممی آپ لوگوں سے ملنے آنا چاہ رہی ہیں۔''

''ملنے آنا چاہ رہی ہیں مگر وہ کس لئے؟''

''کیونکہ انہوں نے جو کیا وہ میری وجہ سے ہی کیا تھا' میں اس شادی کے لئے قطعی طور پر راضی نہیں تھی مگر

ممی میری ایک سننے کو تیار نہیں تھیں وہ میری شادی زبردستی عارفین سے کرنا چاہتی تھیں اور میں جانتی تھی کہ اس شادی سے نہ تو میں خوش رہتی اور نہ ہی عارفین کو خوش رکھ سکتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ مجھے یہ انتہائی قدم اٹھانا پڑا تھا۔''

''اور تمہارے اس انتہائی قدم کی وجہ سے کسی کی خودداری اس کی انا کا کتنا بڑا نقصان ہوا ہے کچھ علم ہے تمہیں؟''

''جی۔'' سومی نے شرمندگی کے مارے سر جھکالیا تھا۔ رابعہ نے اس کی شرمندگی کو خاموشی سے دیکھا تھا۔

''بہرحال جو ہوا سو ہوا مقسوم کو میں نے اسی دن اپنی بہو تسلیم کرلیا تھا' جس دن اس نے میرے گھر میں میرے عارفین کے حوالے سے قدم رکھا تھا' وہ میری بہو ہی نہیں بیٹی بھی ہے اور اپنے عارفین کے حوالے سے بہت عزیز بھی ہے۔''

''اس کی مجھے بہت خوشی ہے آنٹی کہ مقسوم یہاں خوش ہے سکون و مطمئن ہے۔''

سومی خوشی سے مسکرادی تھی اس کا دل پرسکون ہوگیا تھا' مقسوم کی طرف سے اور رابعہ آنٹی سے مل کر تو اور خوشی ہوئی تھی اور بے فکر بھی کہ مقسوم کا مستقبل مضبوط ہے۔ اب وہ جلد از جلد مقسوم سے ملنا چاہتی تھی۔

''ہاں! مقسوم بہت پیاری اور معصوم بچی ہے ان چند ہی ماہ میں اس نے ہم سب کا دل جیت لیا ہے۔ عارفین بہت خوش ہے میں بہت خوش ہوں اور اللہ نے ان دونوں کا جوڑ یونہی لکھا تھا اللہ کی مرضی کے بغیر کوئی فیصلہ نہیں ہوتا' وہ جو چاہتا ہے ہمارے بھلے اور بہتری کے لئے ہی کرتا ہے۔''

''تم مقسوم کی بیسٹ فرینڈ ہو اور پہلی بار آئی ہو تو ایسے مت جانا۔''

رابعہ کو سومی سے کوئی شکایت نہیں تھی وہ بھی یہی سوچنے لگی تھیں اگر خدانخواستہ سومی کی شادی زبردستی ہی عارفین سے ہوجاتی تو شاید آج جو حالات ہیں وہ سومی کے یہاں آنے سے نہیں ہوتے۔

''اور یہ......'' رابعہ کی نظر پیچھے سائیڈ میں کھڑے چپ چاپ اس شخص پر پڑی جو سومی کے ساتھ ہی آیا تھا۔

''یہ میرے ہسبینڈ ہیں اعظم۔'' سومی کی نظر اپنے پیچھے کھڑے اعظم پر پڑی' مگر وہ نظر جیسے پتھرا کے رہ گئی تھی کیونکہ اعظم کے پیچھے ہی مقسوم کھڑی تھی اور اس کے سرخ چہرے اور بھیگی آنکھوں سے پتہ چل رہا تھا کہ وہ ان کی ساری باتیں سن چکی ہے۔ رابعہ کی بھی سومی کے ساتھ ہی مقسوم پر نظر آپڑی تھی۔

''مقسوم!'' سومی نے دھیرے سے پکارا تھا۔

مقسوم کی آنکھیں نمی سے بھری ہوئی تھیں' اسے بہت بڑا دھچکا پہنچا تھا دل ٹوٹ کے چکنا چور ہوا تھا اس کا اعتماد' مان' بھروسہ سب کانچ کے ٹکڑوں کی طرح ریزہ ریزہ ہوکر چاروں طرف بکھرتا چلا گیا تھا' وہ لڑکھڑاتے قدموں سے چلتی ہوئی آئی اور سومی کے مقابل آٹھہری تھی' اس نے خاموشی سے اسے دیکھا تھا اور پھر اس کا ہاتھ اٹھا سومی کے رخسار پر۔

مگر سومی نے یا رابعہ اور پیچھے کھڑے اعظم نے ایک لفظ نہیں کہا تھا' کیونکہ مقسوم کا غصہ بجا تھا وہ بھی اپنی جگہ بالکل ٹھیک تھی' وہ جانتے تھے کہ اگر مقسوم کو حقیقت معلوم ہوگی تو وہ بہت ہرٹ ہوگی' اس لئے مقسوم کے ہر رویے کے لئے وہ خود کو پہلے ہی تیار کرچکی تھی۔

''اتنا بڑا دھوکا اتنا بڑا فریب یہ تو سراسر ناانصافی ہے نا' بیسٹ فرینڈ ایسی تو نہیں ہوتی ہیں۔'' وہ بری طرح رو دی تھی سیاہ آنکھوں سے پانی کسی جھرنے کی طرح بہہ رہے تھے' سومی نے جو کیا بہت غلط کیا یہ وہ

نہیں جانتی تھی مگر وہ عارفین سے اس کی کتنی وکالت کرتی اس کے خاطر لڑتی جھگڑتی کتنی باتیں سنادیتی اس کا بعض اوقات دل بھی دکھادیتی اور جس کے لئے وہ یہ سب کرتی اس دوست نے تو خود اسے اندھیرے میں رکھا تھا۔ اسے دھوکا دیا تھا اب کس منہ سے وہ عارفین کا سامنا کرے گی۔

''عارفین تو یہی کہے گا نا کہ بہت مان تھا بھروسہ تھا اپنی دوست پر جو تمہیں ہی دھوکا دے گئی کیسے وہ عارفین کی کڑوی کسیلی باتیں اس کی چبھتی نظروں کا سامنا کرے گی اس سے نظر ملائے گی' اس سے یہ سب کیسے برداشت ہوگا۔'' یہی سب سے بڑا سچ سوچ سوچ کر اس کا دل ہولا جارہا تھا اور خوب رونا بھی آرہا تھا۔

''مقسوم میری بات تو سنو!'' سومی سے مقسوم کا یوں رونا دیکھا نہیں جارہا تھا اس کا تھپڑ مارنا ذرا بھی برا نہیں لگا تھا' اس نے مقسوم کو پکڑنا چاہا تھا۔

''نہیں سننی مجھے تمہاری کوئی بھی بات۔'' مقسوم نے بری طرح سومی کا بڑھتا ہوا ہاتھ جھڑکا تھا۔

''تم بہت بری دوست ہو تم نے میرا بھروسہ توڑا ہے' میرا اعتماد میری خودداری کو چوٹ پہنچائی ہے' میرا بھرم ٹوٹ گیا ہے۔'' عارفین جو بہت دیر سے دروازے کے پیچھے کھڑا سب سن رہا تھا مگر مقسوم کا یوں ہچکیوں سے بلک بلک کر رونا تکلیف دے رہا تھا وہ کہاں دیکھ سکتا تھا اس کی آنکھوں میں آنسو' جہاں وہ ایک جہاں آباد کرنا چاہتا تھا خوشیاں بکھیرنا چاہتا تھا۔ اپنے پیار کی لو جلانا چاہتا تھا وہاں غم یا آنسو نہیں دیکھ سکتا تھا۔ وہ دروازے کے پیچھے سے نکلا اور اندر آیا تھا۔

''مقسوم!'' عارفین نے ہولے سے پکارا تھا۔

عارفین کی پکار پر مقسوم نے پلٹ کر دیکھا عارفین آرام آرام سے چلتا ہوا اس کے پاس آٹھہرا تھا' عارفین نے ایک نظر سومی کو دیکھا' جس کی آنکھیں بھی شدت غم سے آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں اس نے ایک سرد سانس لی اور پھر مقسوم کی سمندر سے بھری آنکھوں میں جھانکا تھا۔

''سومی نے جو کیا وہ طریقہ غلط تھا اس نے بے شک صرف اپنا مفاد سوچا اپنے بارے میں سوچا' یہ سوچ اور جانے بغیر کے اس کے چلے جانے کے بعد کیا حالات پیدا ہوسکتے ہیں' مگر یہ بات بھی کچھ غلط نہیں کہ اللہ کو بھی یہ ہی منظور تھا کہ ہمارا ساتھ اسی طرح ملے ہمارا جوڑ اس نے وہاں آسمان پر پہلے بنادیا تھا' ہاں زمین پر اس طرح ملیں گے یہ کوئی نہیں جانتا تھا۔

''مقسوم بہن! عارفین ٹھیک بول رہے ہیں بے شک ہمارا طریقہ غلط تھا مگر آپ یہ بھی تو سوچیے سومی کی ممی جو کرنے جارہی تھیں وہ سراسر غلط تھا اگر یہ ہوجاتا تو تین زندگی برباد ہوتیں۔ عارفین کی سومی اور میری' سومی عارفین کے ساتھ کبھی خوش نہیں رہتی اور نہ ہی عارفین کو کوئی خوشی دے سکتی تھی اور میں اور سومی ایک دوسرے کے بغیر زندگی گزارنے کا تصور بھی نہیں کرسکتے۔ میں تو شاید خود کو ختم ہی کرلیتا۔'' بہت دیر بعد چپ چاپ سنتا اعظم بھی آگے بڑھا اور نرمی سے مقسوم کو سمجھایا تھا۔

''آپ نے اپنے بارے میں تو سب کہہ دیا اور میں...... میری کوئی وقعت نہیں کوئی حیثیت نہیں۔'' بھیگی آنکھوں سمیت اس نے شکوہ کیا تھا۔

''اب یہ تو تم میرے دل سے پوچھو کہ تمہاری میرے دل میں کتنی وقعت ہے اور کیا حیثیت ہے' جسے تم نے اول روز سے ہی نظرانداز کیا ہے۔'' عارفین نے ماحول کی کثافت کو دور کرنے کے لئے اپنے دل کی حکایت سنائی تھی۔

اور مقسوم...... اسے تو عارفین سے ایسے کسی جملے کی قطعی امید نہیں تھی کم از کم وہ ان لوگوں کا تو ہی لحاظ کر لیتا مگر نہیں وہ بھی عارفین تھا۔

وہ بری طرح جھینپ کر رہ گئی تھی' بھیگی پلکوں کی گھنیری باڑ سجدہ ریز ہو گئی تھیں۔

سومی بھی چہرہ نیچے کیئے بھیگی آنکھوں سمیت مسکرانے لگی۔ اعظم نے بھی اپنا رخ موڑ لیا تھا' جبکہ عارفین وہ مقسوم کا بلش ہوتا چہرہ والہانہ نظروں سے تکنے لگا تھا۔

رابعہ نے عارفین کے دمکتے چہرے کو دیکھا تھا اور جاں نثار نظروں سے مقسوم کے معصوم چہرے کو دیکھا تھا' وہ چلتی ہوئی آئیں اور مسکرا کے مقسوم کو اپنے سینے میں چھپا لیا تھا۔

''ماما آپ کو نہیں لگتا یہ فرض مجھے ادا کرنا تھا۔'' عارفین نے بے باک نظروں سے رابعہ کے سینے میں چھپے مقسوم کے چہرے کو تکا تھا۔

مقسوم کا تو دل بری طرح دھڑک گیا تھا' عارفین کی زبان لگ رہا تھا اس وقت بالکل کنٹرول میں نہیں تھی۔

رابعہ نے پیار سے عارفین کو گھورا تھا۔

''خبردار! جو میری بہو کو ذرا بھی تنگ کیا ہو تو اور ویسے بھی مقسوم میری بہو ہی نہیں میری بیٹی ہے۔ میری نظر میں اس گھر میں اس گھر کے رہنے والوں کے سبھی افراد کے دلوں میں مقسوم کی بہت جگہ ہے عزت و قدر ہے۔'' رابعہ نے محبت و چاہ سے مقسوم کے ماتھے پر بوسہ لیا تھا۔

''اور سومی بے شک میں نے تمہیں عارفین کے لئے پسند کیا تھا' مگر مقسوم نے میرے گھر میں آ کر میرے گھر کو روشن کر دیا ہے۔ ایک بیٹی کی کمی پوری کر دی ہے' مقسوم مجھے عارفین سے بڑھ کر عزیز ہو گئی ہے۔''

مقسوم رابعہ کی اتنی محبت و چاہت دیکھ کر نہال ہو گئی تھی اس کے دل میں رابعہ کے لئے مزید عزت بڑھ گئی تھی آنسو بے اختیار ہی چھلک پڑے تھے' اس نے رابعہ کو نہایت عزت و قدر کی نظروں سے دیکھا تھا' سومی اور اعظم نے بھی بہت احترام سے رابعہ کو دیکھا تھا بلکہ دل ہی دل میں ان کے مٹھاس بھرے لب و لہجے کے گرویدہ ہو گئے تھے۔ مقسوم کی قسمت پر رشک آ رہا تھا کہ بہت چاہنے والے اس کی قسمت میں آئے ہیں' عارفین جیسا پیار و محبت چاہت لٹانے والا شخص اس کی زندگی کا حصہ تھا۔

''نہیں خبردار! اب رونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ غموں کے جتنے بادل تھے سب چھٹ گئے غلط فہمیوں کی جتنی دیواریں تھیں سب گر چکی ہیں' تم اپنا دل وسیع کرو اور کھلے دل سے اپنی بیسٹ فرینڈ کو ویلکم کہو پہلی بار سومی اپنے ہسبینڈ کے ساتھ ہمارے گھر تم سے ملنے آئی ہے۔ خوب خاطر مدارت کرو اور میں جانتی ہوں کہ میری بیٹی کا دل بہت بڑا ہے' وہ نہایت اعلیٰ ظرف کی مالک ہے اس لئے سب شکوے و شکایت دور کرو اور سومی کو گلے لگا کر معاف کرو... بلکہ میں تو سومی کا یوں بھی شکریہ ادا کرنا چاہوں گی کہ آج اسی کی بدولت تم میرے پاس ہو۔'' رابعہ نے دونوں شانوں سے مقسوم کو تھام کر خود کے سامنے کیا تھا۔

مقسوم کیا کہتی جب آنکھوں سے دھند صاف ہوئی تو سارا منظر صاف و شفاف دکھائی دینے لگا تھا۔

سومی آگے بڑھی اور مقسوم کو اپنے گلے سے لگا لیا تھا' کیونکہ سارے شکوے و گلے دلوں کی کدورتیں غلط فہمیاں مٹ چکی تھیں۔

''تھینکس مقسوم!''

''محترمہ سب کے ہی گلے سے لگ رہی ہیں اس معصوم و بیچارے کا نمبر بھی آئے گا۔'' سرگوشی نہایت

دھیمی اور جان لیوا تھی جو سومی اور مقسوم کی سماعت سے محفوظ نہیں رہ سکی تھی' سومی مسکرا کے مقسوم سے الگ ہوئی اور عارفین کو دیکھنے لگی تھی۔

''عارفین! مقسوم میری بہ نسبت نہایت ہی شرمیلی اور مکمل حیا کا پیکر ہے بلکہ میں تو بعض اوقات اس قدر حیران ہو جاتی ہوں کہ لندن جیسے آزاد شہر میں یہ رہ کیسے لی اس نے وہاں زندگی کیسے گزار لی؟''

''سچ پوچھو سومی! تو میں بھی اتنا ہی حیران رہ جاتا ہوں۔''

مگر اس بار مقسوم کے چہرے پر کوئی لالی کوئی شرمیلی مسکراہٹ نہیں تھی ایک ڈر و خوف کا سایہ لہرایا تھا' ایک کرب و درد کا رنگ ابھرا تھا اذیت کی ایک تحریر رقم ہوئی تھی جو عارفین جیسے زیرک نظر رکھنے والے شخص سے پوشیدہ نہیں رہ سکی تھی اور یہ کوئی پہلی بار نہیں ہوا تھا اکثر وہ جب بھی اس سے لندن کا ذکر چھیڑتا تھا اس کی رنگت بدل جاتی تھی' اس کی آنکھوں سے دہشت و وحشت ٹپکنے لگتی تھی اور کبھی اس کی وجہ معلوم کرنے کی کوشش کرتا بھی تو کوئی نہ کوئی بہانہ کر کے رہ جاتی جان چھڑا کے بھاگ جاتی تھی' جسے پہلے تو وہ وہم سمجھ کر جھٹلا جاتا تھا' مگر اب شک کے بیچ میں یقین کی دراڑ پڑنے لگی تھی۔

کچھ تو غلط ہے جو وہ عارفین سے چھپا رہی ہے کچھ ایسا ہے جو اسے ہمہ وقت پریشان کرتا ہے' کسی آنے والے وقت سے اس کی نظریں سہمی اور ڈرتی ہیں' اتنا تو وہ جان ہی گیا تھا کہ وہ آنے والا وقت کچھ صحیح نہیں ہے اس کے لئے بغور خود پر گھورتی دو نظروں نے مقسوم کو مزید ہراساں کر دیا تھا' وہ ان دو نظروں سے اپنی نظر چرانے لگی تھی۔ اپنی سوچوں پر بندھ باندھنے لگی تھی' کیونکہ وہ جانتی تھی کہ عارفین مقسوم کی سوچوں کو پڑھنے کا فن جانتا تھا۔

''تو مقسوم بہن! میں یقین کر لوں کہ آپ نے ہمیں دل سے معاف کر دیا ہے؟

اچانک ہی اعظم نے بے یقین نظروں سے مقسوم کو دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

''جی!'' مقسوم اپنی گہری سوچوں سے بری طرح چونک کر رہ گئی تھی۔

''جی ہاں اعظم صاحب! ہماری مقسوم نے آپ لوگوں کو معاف کر دیا ہے' بلکہ آج کا ڈنر آپ ہمارے ساتھ کر رہے ہیں۔''

عارفین نے مقسوم کو مشکل سے نکالا تھا۔ مقسوم نے نظر اٹھا کے عارفین کو دیکھا جو ابھی بھی اسے ہی دیکھ رہا تھا' مقسوم نے گڑبڑا کے نگاہیں جھکائی تھیں کہ مبادا وہ آنکھوں سے کچھ پڑھ ہی نہ لے مگر عارفین نے تہیہ کر لیا تھا کہ وہ ہر صورت میں مقسوم سے اس کی پریشانی اس سے اگلوا کے ہی رہے گا۔

کتنی ہی دیر تک سومی اور اعظم وہاں رکے رہے اچھے ماحول میں کھانا کھایا گیا' بے شک مقسوم سب کے ساتھ ہی باتیں کر رہی تھی کھانا کھا رہی تھی ہنس رہی تھی مگر اس کے دھیان کے دھاگے کسی ایک بات سے ضرور جڑے ہوئے تھے' کبھی کبھی اس کے چہرے پر پریشانی کے گھبراہٹ کے واضح رنگ نمایاں ہو جاتے تھے' جو صرف اور صرف عارفین ہی دیکھ سکتا تھا اور اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ ضرور اس سے پوچھ کے رہے گا۔

☆......☆

لاروش اغولان صوفے پر بیٹھی کوئی میگزین دیکھ رہی تھی' باہر سے آتی آوازوں پر اس نے سر اس جانب اٹھایا تھا' حسین آفریدی اور اس کے پہلو سے لگی اس کے بازو میں اپنا عریاں بازو ڈالے خوب ہنس ہنس کے

باتیں کرتی کوئی حسین دوشیزہ ساتھ چلی آرہی تھی' ٹائٹ وائٹ کلری جینز پر ریڈ چھوٹی سی بغیر آستین کی ٹی شرٹ پہنے تھی' بلاشبہ وہ واقعی بہت حسین وجمیل تھی مگر کیا اپنے جسم کی یوں نمائش کرنا اور کسی غیر محرم کے ساتھ اس طرح کھلے عام ہنس ہنس کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالنا کسی مشرقی لڑکے یا لڑکی کو زیب دیتا ہے' ہمارا اسلام اس چیز کو پسند نہیں کرتا' مگر سب سے بڑی بات سوچنے کی یہ بھی تھی کہ آخر وہ حسینہ کون ہے؟ حنین آفریدی کے ساتھ کیوں ہے؟ وہ بھی اس حالت میں حنین آفریدی کا اس لڑکی سے کیا رشتہ ہے؟ ان سارے سوالوں میں لاروش اغولان الجھ گئی تھی اور جانے کیوں ایک حاسدانہ معمولی سی تپش میں جھلس بھی گئی تھی۔

''اوہ ڈارلنگ! تم بہت جوک کرتے ہو اب ساری باتوں کو چھوڑو اور جلدی سے فریش اپ ہو کر آؤ میں جب تک تمہارا یہیں ویٹ کرتی ہوں۔'' سمعیہ زیدی نے اس کے بازو سے اپنا عریاں بازو نکالا تھا۔

''تو ایک کام کرو یہاں کیوں بیٹھ کے بور ہوگی چلو میرے ساتھ میرے بیڈ روم میں وہیں بیٹھ جانا۔'' حنین آفریدی نے اس کے شولڈر کٹ گولڈن بالوں کی ایک لٹ کو ہلکے سے کھینچا تھا۔

''مجھے تو کوئی اعتراض نہیں ہے' مگر اگر تمہاری بی جان نے دیکھ لیا تو اسلام پر ایک لمبا لیکچر سننے کو مل جائے گا اور میں اپنا موڈ قطعی خراب کرنا نہیں چاہتی۔'' کس قدر ڈھٹائی سے اس نے قہقہہ لگایا تھا' جیسے بی جان کا مذاق اڑا رہی ہو' جس کا حنین آفریدی کا تو معلوم نہیں مگر لاروش اغولان کو بہت ہی برا لگا تھا اس نے نہایت گھور کے اس چلتے پھرتے ہنستے بولتے شو پیس کو دیکھا تھا۔

''ارے یار! تم ان کی باتوں کا برا مت منایا کرو' اچھی لی وہ مجھ سے بہت پیار کرتی ہیں اور مجھے یقین ہے کہ بہت جلد وہ تم کو بھی پیار کرنے لگیں گی۔''

''امید تو نہیں لگتی مگر خیر یہ تو بعد کی بات ہے اور ویسے بھی مجھے اس سے کوئی فرق بھی نہیں پڑنے والا کہ تمہاری بی جان مجھے پسند کریں یا نہ کریں۔ لیکن تمہاری موم بہت سویٹ ہیں اور اب ہمیں بہت دیر ہو رہی ہے تانیہ! دراصل ہمارا ویٹ کر رہے ہوں گے مجھے لگتا ہے کہ اب ان کا فون آنے ہی والا ہے۔''

''یو رائٹ! بس تم پانچ منٹ ویٹ کرو میں ابھی ریڈی ہو کر آتا ہوں۔'' حنین آفریدی تیزی سے اوپر کی سمت بڑھ گیا تھا جبکہ سمعیہ زیدی اپنے شولڈر کٹ بالوں کو جھٹکتی ہوئی صوفے کی جانب بڑھی تھی۔

لاروش اغولان کو حنین آفریدی کا یہ نیا روپ دیکھ کر کس قدر حیرت ہوئی تھی' وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ وہ ایسا بھی ہو سکتا ہے' وہ سامنے ہی تو بیٹھی تھی جس پر ایک نگاہ غلط ڈالنا بھی شاید اس نے اپنی شان کے خلاف سمجھا تھا۔ اپنا یوں نظر انداز کئے جانا اور اس لڑکی کو یوں اہمیت دینا جہاں اس کو دکھ پہنچا گیا تھا' وہیں سمعیہ زیدی کے لئے جلن کا ایک احساس بھی جاگا تھا۔

سمعیہ زیدی تفاخر سے غرور کی چال چلتی ہوئی صوفے سیٹ کی سمت بڑھی تھی' اتنے عرصے میں سمعیہ زیدی کی نظر اب لاروش اغولان پر پڑی تھی اور جب وہ حنین آفریدی کے ساتھ ہوتی تھی تو کسی تیسرے کی گنجائش ہوتی ہی کب تھی جو لاروش اغولان پر نظر ٹھہرتی۔

مگر لاروش اغولان کو ایک نظر دیکھنے کے بعد اس نے بغور اس کو ایک نظر دیکھا بھی ضرور تھا۔

بڑے سے بلیو اینڈ فیروزی امتزاج کے دوپٹے میں خود کو اچھی طرح ڈھانپے اس کا چھپا ہوشربا حسن اپنے ہونے کا چیخ چیخ کے اعلان کر رہا تھا' زندگی میں پہلی بار سمعیہ زیدی کسی سے یوں متاثر ہوئی تھی' مگر یہ متاثر ہونے کی مدت چند سیکنڈ کی ہی تھی' کیونکہ وہ ٹھہری غرور کی چادر میں لپٹی ایک مغرور حسینہ اپنے سامنے وہ بھلا

کسی کو خاطر میں لاتی ہی کب تھی' پوزیٹو پہلو تو بہت ہی کم زیادہ تر نیگیٹو پہلو ہی کسی نہ کسی طرح وہ ڈھونڈ نکالتی تھی۔

اس لڑکی کے ڈھیلے ڈھالے کپڑے اور اوپر سے بڑے سے دوپٹے میں خود کو لپیٹے سمعیہ زیدی کو کوفت کا شدید احساس ہوا تھا' بلکہ اندر باہر ایک گھٹن سی بھی ہوئی تھی' اس نے لاروش اغولان کو بری طرح نظر انداز کیا اور ٹیبل پر پڑے ریموٹ کو اٹھا کے T.V آن کر لیا تھا' جتانے کا انداز یہی تھا کہ وہ اس گھر کی مالکہ ہے اس کے اس گھر پر اس کی چیزوں پر پورا پورا حق ہے' لاروش اغولان سمجھ گئی تھی کہ سامنے بیٹھی یہ مغرور حسینہ اپنے سامنے ہر کسی کو حقیر سمجھتی ہے' سوائے حنین آفریدی کے' لاروش اغولان نے بھی کوئی رسپانس نہیں دیا' اسے تو وہ ویسے بھی پسند نہیں کرتی تھی' اس لئے اپنا میگزین دوبارہ سے پڑھنے لگی تھی' جیسے اس کے یہاں ہونے نہ ہونے سے کوئی فرق ہی نہیں پڑتا۔

کوئی آدھے گھنٹے بعد خوشبوؤں میں بسا تک سک سا تیار ہوا حنین آفریدی نیچے اتر رہا تھا۔

''چلیں!'' حنین آفریدی چلتا ہوا سمعیہ زیدی کے چند قدم کے فاصلے پر آ ٹھہرا تھا۔

''اوہ یو گڈ لوکنگ سویٹی!''

سمعیہ زیدی نے ریموٹ میز پر رکھا اور کھڑی ہوئی کھلے لفظوں میں حنین آفریدی کی تیاری کو خراج تحسین بخشا تھا اور یہ خراج تحسین سامنے بیٹھی لاروش اغولان کو جیسے انگاروں پر لے گیا تھا' کتنی بے حیائی اور بے شرمی سے سمعیہ زیدی اٹھی اور حنین آفریدی کے گال سے اپنا رخسار ٹچ کیا تھا۔

''تھینکس۔'' حنین آفریدی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا تھا اور اسی وقت اس کی نظر لاروش اغولان پر پڑی تھی' جو اپنا میگزین چھوڑے سرخ آنکھوں سے حنین آفریدی کو دیکھ رہی تھی۔

''ارے تم بھی یہاں بیٹھی ہو۔'' حنین آفریدی کا یہ جملہ لاروش اغولان کو مزید سلگا گیا تھا۔

''سمعیہ ان سے ملو یہ ہیں لاروش اغولان کوئٹہ سے آئی ہیں۔''

سمعیہ زیدی نے حنین آفریدی کے کہنے پر اب دوسری نظر لاروش اغولان پر ڈالی تھی' حنین آفریدی کا بس اتنا ہی تعارف کرانا کافی تھا۔

''اور لاروش! یہ ہے سمعیہ زیدی مائی گرل فرینڈ!'' حنین آفریدی کے انداز میں اس قدر فخر بول رہا تھا' جیسے سمعیہ زیدی پر ہی اس کی دنیا ختم ہو گئی ہو' حنین آفریدی کے گرل فرینڈ کہنے پر لاروش اغولان کے اندر بہت کچھ چھناکے سے ٹوٹا تھا شاید اس کا دل اس کا بھرم۔

''اچھا تو یہ کوئٹہ سے آئی ہیں مگر یہ ہیں کون؟''

پتہ نہیں سمعیہ زیدی نے کیوں یہ سوال کیا تھا۔

''یار! مہمان ہیں ہماری۔'' سمعیہ زیدی نے عجیب سی نظروں سے لاروش اغولان کو دیکھا تھا جیسے کہہ رہی ہو کہ تمہاری یہی اہمیت ہے۔

''اینی ویز ان ساری فضول باتوں کو چھوڑو ہمیں ویسے ہی بہت دیر ہو گئی ہے اب نکلنا چاہئے۔''

سمعیہ زیدی نے زیادہ بات کرنا گوارا ہی نہیں سمجھا تھا۔

''اوکے اوکے جانو! چلتے ہیں پہلے تم یہ بتاؤ تم نے کچھ کھایا پیا۔''

''بھئی تمہاری مہمان صاحبہ کو مینرز نہیں ہیں کہ گھر آئے مہمانوں سے کیسے بی ہیو کرتے ہیں۔'' سمعیہ

زیدی نے ڈائریکٹ اس کی ذات پر چوٹ کی تھی۔

''لاروش! تم نے سمعیہ سے ٹھنڈا گرم کا کچھ نہیں پوچھا؟'' حنین آفریدی نے نہایت ناگوار نظروں سے لاروش اغولان کو دیکھا تھا' جیسے خدانخواستہ اس نے سمعیہ زیدی کی شان میں کوئی گستاخی کر دی ہو۔

''مجھے تم سے اس قدر بے پروائی کی امید نہیں تھی۔

''ارے ڈیئر! جانے دو نا شاید کوئٹہ کے لوگوں کو مہمان نوازی کے آداب نہیں آتے اور ویسے بھی ہم باہر ہی تو چل رہے ہیں' اس لئے تم مجھے آئسکریم کھلا دینا پھر ارسل کے گھر چلتے ہیں آج ساری پارٹی اس کے گھر جمع ہے۔''

''آل رائٹ۔'' حنین آفریدی نے مسکرا کے سمعیہ زیدی کو دیکھا اور پھر لاروش اغولان کو۔

''لاروش! آئندہ سے ایسا نہیں ہونا چاہیے مجھے تمہاری آج کی یہ حرکت قطعی پسند نہیں آئی۔'' حنین آفریدی نے سختی سے تنبیہہ کی تھی اسے اپنی گرل فرینڈ کے ساتھ مہمان نوازی کا برا سلوک مارے دے رہا تھا۔ جبکہ اپنی اتنی عقل بھی استعمال نہیں کر رہا تھا کہ خود تو اپنی گرل فرینڈ سے اس کا مہمان کی حیثیت سے تعارف کرا رہا تھا اور خود ہی میزبان کے فرائض انجام نہ دینے پر خفا بھی ہو رہا تھا۔

اور پھر جس طرح وہ ہاتھ میں ہاتھ ڈالے آئے تھے اسی طرح ہاتھ میں ہاتھ ڈالے نکلتے بھی چلے گئے تھے' مگر جس طرح لاروش اغولان کو سمعیہ زیدی کے ساتھ مل کر بے عزت کر کے گیا تھا اس سے اس کا چھوٹا سا نازک دل بہت دکھا تھا اور یہ دکھن یہ جلن اس کی ہرنی آنکھوں سے بہہ کر اپنی اس گھر میں اوقات اس کی حیثیت جتا گیا تھا۔

''لاروش۔''

اسی اثناء میں وہاں زوباریہ چلی آئی تھیں۔

لاروش اغولان نے بری طرح چونک کر زوباریہ کو دیکھا تھا۔

''لاروش!'' زوباریہ نے اس کی ہرنی آنکھوں میں تیرتے آنسو دیکھ لئے تھے وہ تیزی سے اس کے پاس آئی تھیں۔

''کیا ہوا جان کیوں رو رہی ہو؟'' وہ بڑی بے صبری سے اس کے قریب بیٹھ کے پوچھنے لگی تھیں۔

''نہیں تو ماما!'' لاروش اغولان نے تیزی سے اپنے ڈوپٹے کے پلو سے اپنا چہرہ خشک کیا تھا اور چہرہ جھکا گئی تھی۔

''ادھر دیکھو میری طرف۔'' زوباریہ نے اس کی جھکی ٹھوڑی پکڑ کے اس کا پژمردہ چہرہ اوپر اٹھایا تھا۔

''میں نے ابھی اپنے کمرے کی کھڑکی سے حنین کی گاڑی جاتی ہوئی دیکھی ہے اس کے ساتھ سمعیہ زیدی بھی تھی کہیں حنین نے تو تم کو کچھ نہیں کہا؟'' زوباریہ نے شک بھری نظروں سے اس کا چہرہ جانچا تھا۔

''ارے نہیں تو ماما!'' وہ صاف جھوٹ بول گئی تھی۔

''سچ بول رہی ہو؟'' زوباریہ نے بے یقین نظروں سے اسے دیکھا۔

''بالکل سچ۔'' مسکرانے کی ناکام ایکٹنگ تھی جو زوباریہ جیسی سیدھی سادھی ماں سمجھ نہیں سکی تھیں۔

''او کے مان لیا مگر پھر یہ ان پیاری سی آنکھوں میں آنسو کیسے ہیں؟'' زوباریہ نے اس کے سرخ و سفید رخسار پر ٹھہرا آنسو اپنی انگلی میں جذب کیا تھا۔ جو جانے کیسے آنکھ سے نکل کر رخسار پر آ ٹھہرا تھا۔

''بس یونہی دادو کی یاد آ گئی تھی۔'' یہ تو اس نے سچ ہی کہا تھا۔ حنین آفریدی کی بے حسی پر دادو ہی یاد آئی تھیں۔

''ہم سے کوئی شکایت ہے؟''

''یہ آپ نے کیوں سوچا؟'' لاروش اغولان کو ان کی اس طرح فکر کرنے پر جہاں شرمندگی ہوئی تھی' وہیں خود پر غصہ بھی آیا تھا بھلا یہ کہاں کی عقلمندی ہے کہ حنین آفریدی کی بے حسی اور اپنے درد میں ان کی بےلوث شفقت سے بھری محبت کو نظر انداز کر رہی ہے۔

''تمہاری ان آنکھوں میں تیرتے آنسوؤں نے مجھے بہت تکلیف دی ہے اور یہ سوچنے پر مجبور بھی کیا ہے کہ شاید ہمارے پیار میں کوئی کمی رہ گئی ہے۔''

''ایسا بالکل بھی نہیں ہے آپ کی محبت و چاہت میں مجھے کوئی کمی نہیں لگی ہے۔'' اس نے نہایت ہی عقیدت و احترام سے زوباریہ کا ہاتھ پکڑ کے چوما تھا' زوباریہ لاروش اغولان کے اس پیار پر مسکرا دیں' لاروش اغولان نے ان کی زندگی میں ایک بیٹی کی کمی پوری کر دی تھی۔

''تو پھر آج سے میری ایک بات مانو گی۔''

''آپ حکم کیجئے۔''

''آج کے بعد میں تمہاری ان خوبصورت آنکھوں میں نہ تو کوئی آنسو دیکھوں اور نہ ہی اداسی۔''

''او کے ڈن آپ کا حکم سر آنکھوں پر جس کی خلاف ورزی نہیں ہوگی۔''

''گڈ گرل!'' زوباریہ نے لاروش اغولان کا چہرہ اپنے ہاتھ کے پیالے میں بھر کے اس کی چمکتی پیشانی پر بوسہ لیا تھا۔

☆......☆

''ہنی!'' سمعیہ زیدی ونڈ واسکرین کو پرسوچ نظروں سے گھورتی ہوئی بولی تھی۔

''ہوں!'' حنین آفریدی نے اسٹیئرنگ گھمایا۔

''تمہارے گھر میں جو یہ لڑکی ہے کون ہے یہ؟''

''کون؟'' حنین آفریدی تو یکسر بھول ہی چکا تھا' اسے تو یہ تک یاد نہیں تھا کہ لاروش اغولان سے نکاح کر کے وہ خود اسے اپنے گھر لایا ہے۔ ''ارے بھئی وہ جو تمہارے گھر میں صوفے پر بیٹھی تھی۔''

سمعیہ زیدی زچ ہوگئی تھی' وہ ایسی ہی تھی اپنی بات کا جواب نہ ملنے پر فوراً جھنجلا جاتی تھی' اس کی یہ جھنجلاہٹ حنین آفریدی نے نوٹ تو کی مگر کچھ کہا نہیں۔

''اچھا وہ..... تم شاید لاروش اغولان کی بات کر رہی ہو' مگر تمہیں بتایا تو تھا کہ وہ ہمارے گھر مہمان ہے۔''

''اور یہ تمہاری مہمان یہاں کب تک کے لیے ہے؟''

جانے کیوں سمعیہ زیدی کا دل کھٹکا تھا' حالانکہ وہ ایسی تھی نہیں کسی کو خاطر میں لانے والی نہیں تھی' مگر لاروش اغولان کو دیکھ کر اس کا دل انجانے انداز میں دھڑکا ضرور تھا۔

''ارے یار! تمہیں کیا ہوا ہے جو ایسے فضول سوالات کر رہی ہو۔''

''ہنی! میرے سوال کا جواب مجھے ابھی تک نہیں ملا ہے۔'' سمعیہ زیدی نے ہلکا سا حنین آفریدی کو گھورا تھا۔

''او کے غصہ کیوں کرتی ہو؟ لاروش اغولان یہاں مہمان ہے اور چلی جائے گی جب اس کی مرضی ہوگی تو۔ ویسے ایک بات تو بتاؤ یہ تمہیں لاروش اغولان کی اتنی فکر کیوں کر لگ گئی' کہیں اس کی خوبصورتی سے متاثر

تو نہیں ہو گئی ہو۔'' حنین آفریدی نے صرف مذاق کیا تھا' جو سمعیہ زیدی کو خاص پسند نہیں آیا تھا۔

''اس کا مطلب ہے تم نے لاروش اغولان کو بہت غور سے دیکھا ہے۔'' اس کے دل میں شک کا معمولی سا بیج پھوٹا تھا۔

''ارے یار! میں تو ہر خوبصورت چیز کو بہت غور سے دیکھتا ہوں۔'' سمعیہ زیدی کے برعکس وہ مکمل مذاق کے موڈ میں تھا۔

''مگر سمعیہ زیدی سے زیادہ کوئی خوبصورت چیز نہیں ہو سکتی یہ بات ہمیشہ یاد رکھنا۔''

سمعیہ زیدی نے نہایت غرور سے گردن اکڑا کے حنین آفریدی کو دیکھا تھا۔

''جانو! اس بات سے انکار بھی کون کافر کرتا ہے؟'' حنین آفریدی نے اس کا خوبصورت چہرہ بغور دیکھا تھا' بلاشبہ اس نے ایک سے بڑھ کے ایک حسین و خوبصورت لڑکی سے دوستی کی' مگر سمعیہ زیدی کا چہرہ ہر خوبصورت چہرے سے بڑھ کر تھا' اس میں ایک ایسی کشش تھی کہ حنین آفریدی جھکتا چلا گیا تھا' اور اب ان کی سوچ یہی تھی کہ سمعیہ زیدی کو کھونا نہیں چاہتا تھا۔

''ایک بات بتاؤ۔'' بہت دیر کی خاموشی کے بعد وہ بولی تھی۔

''ہاں پوچھو۔'' حنین آفریدی نے کہا۔

''تم کیا لاروش اغولان سے بات کرتے ہو؟'' سمعیہ زیدی کی آنکھوں کی پتلیوں پر پھر سے لاروش اغولان کا خوبصورت چہرہ جھلملایا تھا۔

''ارے یار! تمہاری سوئی ابھی بھی لاروش اغولان میں اٹکی ہوئی ہے۔''

''بتاؤ نا کیا تم لاروش اغولان سے بات کرتے ہو؟'' حنین آفریدی نے اسنوپی بار کے آگے گاڑی روک دی تھی اور رخ موڑ کے اس کے چہرے کو دیکھنے لگا تھا۔

''تم سے فرصت ملے تو کسی اور چہرے کی طرف دیکھوں بھی۔'' شاعرانہ انداز میں کہتے ہوئے حنین آفریدی نے سمعیہ زیدی کے شولڈر کٹ بالوں میں انگلیاں پھیری تھیں۔ جب سے سمعیہ زیدی نے حنین آفریدی سے دوستی کی تھی وہ اسے چاہنے لگی تھی اور یہ چاہت اس کی اس قدر جنون میں بدل گئی تھی کہ حنین آفریدی پر صرف اپنا حق سمجھتی تھی وہ کسی تیسرے وجود کی طرف دیکھے کسی کو امپورٹنس بھی دے یہ سمعیہ زیدی سے قطعی گوارا نہیں تھا مگر آج جانے کیوں لاروش اغولان کو دیکھ کر اس کا دل انجانی سے پر دھڑ کا تھا' حالانکہ وہ ایک نظر سرسری سی تھی مگر وہ ایک لمحے کے لیے لاروش اغولان سے متاثر ضرور ہوئی تھی اور تشویش کی بات یہ بھی تھی کہ وہ حنین آفریدی کے گھر میں تھی اور ایسا تو ممکن ہی نہیں کہ ان دونوں کا آمنا سامنا نہ ہو بات چیت نہ ہو۔

''کہاں چلی گئی ہو کن سوچوں میں کھو گئی ہو؟'' حنین آفریدی نے اس کے پرسوچ چہرے کے آگے ہاتھ لہرایا تھا سمعیہ زیدی نے حنین آفریدی کو دیکھا۔

''اگر تم لاروش اغولان کے بارے میں سوچ رہی ہو تو میں کہوں گا یہ بے وقوفی ہے کیونکہ میرے دل میں صرف تمہارا قبضہ ہے۔ اس دل پر صرف تم راج کرتی ہو اور اب تو یہ ناممکن ہے کہ کسی کی گنجائش بھی نکلے۔''

حنین آفریدی نے سمعیہ زیدی کا خوبصورت ہاتھ تھام کر اپنے دل پر رکھا تھا۔

''تم کہتے ہو تو میں مان لیتی ہوں' مگر یاد رکھنا اگر کبھی تم نے مجھے دھوکا دیا تو میں تمہیں جان سے ماردوں

گی اور تم جانتے ہو میں جو کہتی ہوں وہ کر کے رہتی ہوں۔'' سمعیہ زیدی نے اپنا دوسرا ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھا تھا۔ اور یہ تمہارا مجرم پیچھے نہیں ہٹے گا۔'' حنین آفریدی دلکشی سے مسکرایا تھا۔

''اب اگر مادام کی اجازت ہو تو آئسکریم کا آرڈر دیں۔''

''آف کورس کیونکہ اب مجھے سخت طلب ہو رہی ہے ٹھنڈا کھانے کی۔'' سمعیہ زیدی نے اس کا دلکش چہرہ دیکھتے ہوئے اپنے دونوں ہاتھ اس کے سینے سے ہٹائے اور اپنا بیگ کھول کے لپ اسٹک نکال کے مرر پر دیکھ کر اپنے ہونٹوں پر ہلکا سا ٹچ دیا۔

دس منٹ میں دونوں نے آئسکریم کھائی اور ارسل کے گھر کی طرف روانہ ہو گئے' جہاں ساری ینگ پارٹی انہی دونوں کا انتظار کر رہی تھی۔

☆......☆

آج پندرہ دن سے زیادہ ہو گئے تھے مگر وہ ابھی تک شرمندگی کے باعث نیچے نہیں آئی تھی' سب نے ہی تقریباً ژالے کو فورس کیا تھا کہ اسے زرمیل سے ملنے جانا چاہیے' نجمہ نے عارفین نے رابعہ نے یہاں تک کہ حرا نے تو اس کی اتنی منتیں کی تھیں مگر وہ بھی ٹس سے مس نہیں ہوئی تھی' ابھی بھی وہ اپنے کمرے میں گم صم بیٹھی سوچوں میں منہمک تھی کہ نجمہ اس کے کمرے میں آئی تھیں ان کے ہاتھ میں ایک ٹرے تھی۔

''ژالے!'' نجمہ نے ہولے سے اسے آواز دی تھی۔

''آں...... ہاں......!'' ژالے بری طرح چونکی تھی اور سامنے دیکھا جہاں نجمہ کھڑی تھیں۔

''جی ماما!'' کھڑی ہو اور یہ سوپ نیچے زرمیل کو دے کر آؤ۔ انہوں نے ذرا نرمی نہیں دکھائی تھی۔

''ماما میں......!'' ژالے نے ان کے ہاتھ میں ٹرے دیکھی جس میں شیشے کے باؤل میں سوپ تھا۔

''ہاں تم اور میں کوئی بات نہیں سنوں گی آگے سے اس لئے جلدی سے کھڑی ہو اور یہ سوپ زرمیل کے لئے لے جاؤ' جانتی ہو اس وقت زرمیل کس قدر تکلیف میں ہے' اذیت میں ہے زرمیل کو اس وقت تمہاری کتنی ضرورت ہے' مگر تمہیں اس بات کا کوئی احساس ہی نہیں ہے۔'' انہوں نے ژالے کی اچھی خاصی کلاس لے لی تھی اور ژالے کو آگے سے کچھ بھی بولنے نے بغیر اس کے ہاتھ میں ٹرے تھمائی اور کمرے سے باہر نکالا تھا۔ وہ جانتی تھیں اگر انہوں نے ذرا سی بھی نرمی دکھائی' ژالے کبھی نہیں مانے گی اور ویسے بھی پندرہ دن سے اس کی حرکتیں دیکھ رہی تھیں' برداشت کر رہی تھیں سوچ رہی تھیں' وہ خود جائے گی مگر اس کی ڈھٹائی نے انہیں غصہ دلا دیا تھا۔

ژالے' نجمہ کے ڈانٹنے پر نیچے آ تو گئی تھی مگر اندر ہی اندر یہ احساس بھی مارے دے رہا تھا کہ وہ کیسے زرمیل کا سامنا کرے' اس کی طبیعت پوچھے اس لئے ارادہ کیا کہ یہ چکن سوپ آسیہ کو دے کر فوراً اوپر بھاگ جائے گی مگر دل نے ایک صدا یہ بھی دی کہ اس دشمن جان کی ایک ہلکی سی جھلک تو دیکھ لے۔ اسی شش و پنج میں کھڑی سوچ رہی تھی کہ اندر سے حرا نکلی۔

''ماشاءاللہ! آج تو ہمارے نصیب ہی جاگ گئے ہیں۔'' حرا کو ژالے کی آنے کی بہت خوشی ہوئی تھی۔

''حرا! میں یہ چکن سوپ ان کے لئے لائی تھی تم پلیز ان کو دے آؤ۔'' ژالے نے حرا کی خوشی کا کوئی نوٹس ہی نہیں لیا تھا۔

(جاری ہے)

ردا کی ڈائری

سیدہ فرزانہ حبیب فرزین کی ڈائری سے

ایک چاہت بھری نظم

میری چاہت تھا، وہ میری انا بھی تھا
میرے خاموش لبوں کی وہ ایک صدا بھی تھا
رہتا تھا صبح وشام وہ میرے وجود میں
میری آواز، میرا لہجہ، وہ میری ادا بھی تھا
دیتا تھا مجھ کو زخم وہ بے حساب مگر
ہمدرد بھی تھا میرا وہ میری وفا بھی تھا
اب اس کے ذکر پر اکثر خاموش رہتا ہوں
کبھی میری محبت کی وہ انتہا بھی تھا
عجب کشمکش تھی میری زندگی میں غالب
پوجتا اسے بھی تھا اور دل میں خدا بھی تھا

ریما نور رضوان کی ڈائری سے

نازیہ کنول نازی کی خوب صورت نظم

اب تو خواہش ہے یہ
درد ایسا ملے
سانس لینے کی حسرت میں مر جائیں ہم
اب تو خواہش ہے یہ ایسی آندھی چلے
جس میں پتوں کی مانند بکھر جائیں ہم
اب تو خواہش ہے یہ دنیا والوں کا غم
ایسی ٹھوکر لگائے کہ جی نہ سکیں
ایسی الجھیں یہ سینے میں سانس کہ بس
ہم دوا پینا چاہیں تو نہ پی سکیں
کوئی ہمدم نہ راہی نہ راحت ملے
اک پل کا سہارا نہ چاہت ملے
اب تو خواہش ہے یہ
وشت ہی دشت ہو ننگے پاؤں چلیں
ہم سر بزم شمع کی مانند جلیں
جس کو چاہیں اس کو پھر نہ پائیں کبھی
چھوڑ جائیں یوں چپ چاپ یہ دنیا کہ پھر
دل یہ چاہے بھی تو ہم نہ آئیں کبھی
اب تو خواہش ہے یہ
کوئی صحرا قلعہ یا بیابان ہو
جس میں سالوں تلک قید ہی قید ہو
اپنے خالق و مالک سے میں نے جو کی
بے وفائی...... وہاں پر وہ ناپید ہو
اب تو خواہش ہے یہ
روئے جاؤں تو چپ نہ کرائے کوئی
دور جنگل میں یا پھر کسی وشت میں
ہاتھ پکڑے میرا چھوڑ آئے کوئی
اب تو خواہش ہے یہ

سعدیہ عابد کی ڈائری سے

قتیل شفائی کی نظم

تمہیں معلوم ہے جاناں!
کہ تم بھی ایک قاتل ہو
میرے اندر کا اک ہنستا ہوا
انسان تم نے مار ڈالا ہے
بھلا ہم اس قدر لاچار کب تھے

دانیہ آفرین کی ڈائری سے

نازیہ کنول نازی کی غزل

یوں اپنے آپ سے بےزار کب تھے
سر محفل جو رسوا کر چکے ہیں
وہ سب اپنے ہی تھے اغیار کب تھے
یوں ہی خوشیاں لٹا بیٹھے وفا میں
وگرنہ دکھ سے ہم دوچار کب تھے
ہوا مشکل ہے جن پر آج چلنا
وہ رستے اتنے بھی دشوار کب تھے
دلوں میں کفر اور منہ پر محبت
یہ انسان اتنے پراسرار کب تھے
ہمیں گھائل جو اتنا کر چکے ہیں
قسم سے پھول ہی تھے خار کب تھے
کوئی تو زخم دل کو چاٹا ہے
وگرنہ زیست سے بےزار کب تھے
ابھی پچھلے برس تو قربتیں تھیں
وہ یوں ہم سے سمندر پار کب تھے
تیری چاہ میں گنوا بیٹھے ہیں خود کو
ہم پہلے اتنے بھی لاچار کب تھے

مہوش جواد کی ڈائری سے

ایک نظم

تمہاری آنکھیں
صحراؤں اور نخلستان کے درمیان
سفر کرتی تمہاری آنکھیں
اک آرزو اور تمنا میں، یہ عالم بے خوابی ہے
کسی کو نیند نہیں آتی کوئی آرام نہیں کرتا
تمہارے سیاہ مژگاں
ایفائے عہد کے منتظر کو بلاتے ہی نہیں
اور میں تمہارے عشق نے مجھے
فردوس بریں کا مکین بنا دیا ہے
میں وہاں شہد کے دریاؤں سے
مجھے زمانوں کی محبت ملی
اور میں راتوں کو بے خواب رہتا ہوں
تمہاری خاطر
اور اس دنیا کے لوگ
راتوں کے بیت جانے کے منتظر ہیں
میں صحرا کی مسافتوں اور نخلستان کے درمیان
واپس آتا ہوں
میں رات کو صدا دیتا ہوں
اور ہر محبتی کے لیے رات ہی تو ہوتی ہے
اے ہمارا مقدر، ہماری جنت
یہ کون آیا ہے اور کس نے ہمارے نام کی
صدا لگائی ہے یہ ہمارے جانشینوں اور
ہمارے ہاتھوں
پرورش پانے والوں میں سے
کون آیا ہے گلاب کے پھولوں کے لیے
اس لمحے سے ہم ساتھ ساتھ تھے
وفور جذبات میں سخت گیری ہے
میں صحراؤں اور نخلستانوں کے
سفر سے لوٹ آیا ہوں
اور اب تمہاری آنکھوں میں سما گیا ہوں

......☆......

اشعار

ملالہ اسلم.................خانیوال
بڑا زعم تھا مجھے اپنی چاہت پر مگر
ٹوٹ کر بکھیر دیا کیونکہ وہ اپنے اختیار میں تھا
☆
آنکھ جھپکنا بھول گئی سانسیں تھم گئیں
یاد رہا تو صرف تیرا پاگل کردینے والا حسن

ثناء کنول اللہ دتہ.............لودھراں
پچھلے سال کا سورج ڈھلا تو اس امید کے ساتھ ثناء
کہ شاید تم مجھے اس نئے سال مل جاؤ

ریما نور رضوان.............کراچی
میرے مولا کرم کردے تو ایسا کر بھی سکتا ہے
میرے ہاتھوں کی جانب دیکھا نہیں تو بھر بھی سکتا ہے

راؤ تہذیب حسین تہذیب...رحیم یار خان
صبح نو ہے کہ ہے صبح بہار
ہر طرف ہے رحمتِ حق کی پھوار
ہم گناہ گاروں پہ بارش فضل کی
مہربانی ہے کس قدر پروردگار

سہاس گل.............رحیم یار خان
سچ کو سچ اور جھوٹ کو جھوٹ کون کہے گا؟
حق کے لیے آواز اٹھایا کون کرے گا؟
یہ نہ سوچو کتنے زخم اٹھانے ہیں؟
یہ سوچو کہ آن سے جیا کون کرے گا؟

نوشین مدثر.............لاہور
غم زندگی تیری راہ میں شب آرزو تیری چاہ میں
جو اجڑ گیا وہ بسا نہیں جو بچھڑ گیا وہ ملا نہیں

امبرین حیدر.............اسلام آباد
اک فسانہ ہے زندگی لیکن
کتنے عنوان ہیں اس فسانے میں
چاک داماں کی خیر ہو یارب
ہاتھ گستاخ ہیں زمانے کے

دھنک نازک.............کراچی
جانے کیوں ہر امتحان کے لیے
زندگی کو ہمارا پتہ یاد ہے

عانیہ نیازی.............ربوہ
میری آنکھوں میں ایک مدت سے
قافلے رتجگوں کے ٹھہرے ہیں

ثناء حیات.............کراچی
میں پتھر ہوں مگر سچ بولتا ہوں
وہ آئینہ ہے اور سچا نہیں ہے
صراطِ عشق پر مڑ کر نہ دیکھو
پلٹنے کا کوئی رستہ نہیں ہے

حنا.............ملتان
سب کو خوشیاں مل جاتی ہیں
میرا حصہ کیوں کھو جاتا ہے

نگہت توقیر.............چیچہ وطنی
اونچے پیڑ کیسے ہیں
تمہیں سایہ نہیں کرتے
بہت اجڑے ہوئے گھر پر
بہت سوچا نہیں کرتے
......☆......

اس ماہ میں

اس ماہ کا اقتباس

پکی نشانی

آفاق میاں نے گھر اپنا ایسی جگہ لیا ہے کہ اس کے آگے پیچھے، دائیں بائیں اور اوپر نیچے سڑکیں ہیں۔ ہم نے کئی بار اس خیال سے کہ کبھی تنہا بھی آنا پڑ جاتا ہے اس گھر کے نواحات کی کوئی نشانی مقرر کرنے کی کوشش کی۔

پہلے روز ہم نے یہ یاد رکھا کہ گلی کے سرے پر ایک ٹھیلے پر تربوزوں کا ڈھیر ہے اور اس کے پاس ایک گھوڑا گاڑی کھڑی ہے دوسرے روز اس کی تلاش میں ہم آدھ فرلانگ کا غچہ کھا گئے۔ تربوز والے نے محض ہمیں بھٹکانے کے لیے اگلے روز ٹھیلا کہیں جا کھڑا کیا۔ رہی سہی حرکت گھوڑا گاڑی والے نے کی۔

آفاق نے کہا۔ "ایسی چلتی پھرتی چیزوں کی نشانی تو ملا نصیر الدین مقرر کیا کرتے تھے۔ انہوں نے ریگستان میں ایک جگہ روپے دبا دیے تھے اور نشانی یہ رکھی کہ عین اس جگہ پر بادل کا سایہ تھا۔ اگلے روز دیکھا کہ نہ بادل ہے نہ اس کا سایہ اور نہ دبے ہیں۔ پکی چیز کی نشانی رکھو۔"

ہم نے یہ بات گرہ میں باندھ لی۔ عین گھر کے سامنے ایک دکان پر پیپسی کولا کا اشتہار لگا تھا۔ پکا دیوار میں جڑا ہوا لیکن شام تک پیپسی کولا والوں نے اس قسم کے اشتہار شہر میں جا بجا ہزاروں جگہ پر جڑ دیے آفاق میاں کا کہنا ہے کہ یہ پہلے سے جڑے ہیں۔ آپ کی آمد سے اس کا کچھ تعلق نہیں۔ ایسا ہی ہوگا علاقے کا نام بھی کچھ ٹیڑھا سا ہے ہم نے بہت یاد رکھنے کی کوشش کی لیکن حافظے سے پھسل پھسل جاتا تھا۔

(دنیا گول ہے" ابن انشاء)
نوشین مدثر۔لاہور

اس ماہ کا شعر

نہ جانے کیا ہوا ہے سال بھر میں
دیا روشن کہ مدھم ہو گیا ہے
ہمیں معلوم ہے اتنا کہ ایک سال
ہماری عمر سے کم ہو گیا ہے

اریشہ۔کمالیہ

اس ماہ کا فلسفہ

خیال رکھیے گا ان لوگوں کا جنہوں نے آپ کی جیت کے راستے میں اپنا بہت کچھ ہار دیا ہے اور یاد رکھیے گا اس ذات پاک کو جس نے آپ کے لیے سے بڑھ کر سوچا اور آپ کی سوچوں سے بڑھ کر نوازا ہے۔

نور بانو۔کوئٹہ

اس ماہ کی ہری مرچیں

☆ ناجائز خواہشات ناجائز آمدنی سے ہی پوری ہو سکتی ہیں۔
☆ آپ سینما دیکھ کر اتنا خوش نہیں ہوتے جتنا ایک عورت پڑوس کے گھر میں جھانک کر خوش ہوتی ہے۔
☆ خواتین فارغ اوقات میں بچوں کی جوئیں

نکالتی ہیں چاہے ہوں نہ ہوں۔

☆ عورت کے نزدیک سب سے حسین عورت وہ ہے جو اسے آئینے کے سامنے دکھائی دے۔

☆ شوہر جب زیادہ محبت جتائے تو سمجھ لیں کہیں اور بڑی ہونے کی اطلاعی گھنٹی بج گئی۔

دھنک ناز۔کراچی

اس ماہ کی مزاحیہ غزل

میری محبت کو اپنے دل میں ڈھونڈ لینا
اور ہاں آٹے کو بھی اچھی طرح گوندھ لینا
مل جائے اگر پیار تو کھونا نہیں
پیاز کاٹتے وقت رونا نہیں
مجھ سے روٹھ جانے کا بہانہ اچھا ہے
تھوڑا سا کھلا دو اگر کھانا اچھا ہے
پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ
بچے دو ہی اچھے بیویاں بے شک چار رکھ
آپ کی کشش سرفروش ہے
آپ کا نشہ مدھوش ہے
کیا کہیں تم سے اے دوست
جس کتے نے تم کو کاٹا وہ اب تک بے ہوش ہے

ایس امتیاز احمد۔کراچی

اس ماہ کی اچھی بات

جو لوگ دکھ، تکلیف، درد کو سمجھتے ہیں، وہ لوگ کبھی بھی اس کی وجہ نہیں بنتے۔

ملالہ اسلم۔خانیوال

اس ماہ کی غزل

چار دن اس حسنِ مطلق کی رفاقت میں کٹے
اور اس کے بعد سب دن اس کی حسرت میں کٹے
اس جگہ رہنا ہی کیوں ان شہریوں کے درمیان
وقت سارا جس جگہ بے جا مروت میں کٹے
اک قیام دلربا رستے میں ہم کو چاہیے
چاہے پھر باقی سفر راہ مصیبت میں کٹے
چاند پیڑوں سے پرے ہو رک گئی ہوں بارشیں
کاش وہ لمحہ کبھی اس بت کی صحبت میں کٹے
اک مثال بے مثال اب تک ہیں اپنے درمیاں
جن کے بازو جسم و دل حق کی شہادت میں کٹے
کاٹنا مشکل بہت تھا ہجر کی شب کو منیر
جیسے ساری زندگی غم کی حفاظت میں کٹے

شاعر: منیر نیازی

انتخاب: نور بانو۔کوئٹہ

اس ماہ کچھ خاص

☆ رشتے اور رستے زندگی کے دو پہلو ہیں۔ کبھی کبھی رشتے نبھاتے نبھاتے راستے کھو جاتے ہیں اور کبھی کبھی راستوں پر چلتے چلتے رشتے بن جاتے ہیں۔ کسی کو رشتے راس آجاتے ہیں تو کسی کو راستے، فرق صرف اتنا ہے راستوں کے دکھ برداشت ہو جاتے ہیں مگر رشتوں کے نہیں ہوتے۔

☆ انسان محبت ایک بار ہی کرتا ہے اور باقی محبتیں اس محبت کو بھلانے کے لیے کرتا ہے۔

☆ محبت اور نفرت دونوں اگر حد سے بڑھ جائیں تو جنون کی حد میں داخل ہو جاتی ہیں۔

☆ دکھ کی دراڑیں چہروں سے تو رخصت ہو جاتی ہیں مگر دل کے نہاں خانوں میں جا کر کسی ایک گوشے کو ویران کر دیتی ہیں اور یہ کسی مخصوص شخص کے لیے ہوتا ہے۔

☆ خود غرضی میں انسان پاگل ہو جاتا ہے۔

☆ جن میں خوبی ہوتی ہے وہ باتیں نہیں کرتے اور جن میں خوبی نہیں ہوتی وہ باتیں کرتے ہیں۔

☆ ہم خیال لوگ ہم سفر ہو جائیں تو زندگی آسان ہو جاتی ہے۔

☆ زبان کو شکوہ سے روکو خوشی کی زندگی عطا ہو گی۔

عانیہ نیازی۔ربوہ

☆

ملاقات

ایف ایم 95 پنجاب رنگ کے پریزنٹر

R.J یوسف پنجابی



یوسف پنجابی ایف ایم 95 پنجاب رنگ لاہور سے ''نور رنگ'' اور ''پنجابی کلاسک ٹائم'' کر رہے ہیں۔ یوسف پنجابی خوب صورت لب و لہجے کے مالک ہیں، جب شو کرتے ہیں تو پورے پاکستان سے لوگ ان کا شو سنتے ہیں کہ ایف ایم 95 کے شوز نیٹ پر بھی سنے جا سکتے ہیں۔ یوسف پنجابی، پنجابی سنگت لاہور کے سیکریٹری بھی ہیں۔ یوسف پنجابی کا تفصیلی انٹرویو ردا کے قارئین کے لیے پیش ہے:۔

☆ کیسے ہیں آپ؟

◆ مزے میں اے ون۔

☆ تعلیمی قابلیت؟

◆ ایم اے۔

☆ ایف ایم پر کس نام سے شوز کرتے ہیں؟

◆ یوسف پنجابی کے نام سے۔

☆ تاریخ پیدائش؟

◆ 4 فروری 1972ء۔

☆ بچپن کیسا گزرا؟

◆ بچپن بہت شاہانہ گزرا ماں باپ کا اکلوتا تھا۔

☆ ایف ایم پر کس نے متعارف کروایا؟

◆ اصل میں، میں ایک ادبی ماحول میں بڑا ہوا۔ اداکاری اور گیت سے بھی تعلق تھا۔ ایف ایم پر میں خود ہی آیا تھا ایف ایم پر آنا شوق بھی تھا۔ ایف ایم کے ذریعے اپنے مقاصد کو زیادہ پہنچایا جا سکتا ہے۔ بہت سے لوگ سنتے ہیں۔

☆ پہلا پروگرام کون سا تھا؟

◆ پہلا پروگرام ڈرائیو ٹائم شو تھا۔

☆ آج کل کون سے شوز کر رہے ہیں؟

◆ نور رنگ اور پنجابی کلاسک ٹائم۔

☆ پریزنٹر بننے کے لیے کن صلاحیتوں کا ہونا ضروری ہے؟

◆ سب سے زیادہ آپ کے پاس نالج ہونی چاہیے۔ بنیادی چیز اپنے اردگرد کی نالج ہو کس طرح موضوع کے حساب سے گرفت ہونی چاہیے۔ آپ کا لوگوں سے میل جول زیادہ سے زیادہ ہو دوستوں سے بھی دوسری اہم بات آپ کی قدرتی طور پر آواز اچھی ہو۔

☆ جب پہلا شو کیا تو کیسا لگا؟

◆ نئی بات تھی میرے لیے خوشی ہوئی۔ میرے پہلے پروگرام میں کالز آگئیں جو کہ خاص کالر اور رائٹرز تھے بہت اچھا لگا۔

☆کامیاب ترین پروگرام؟
♦کامیاب ترین پروگرام جب میں نے کچھ آرٹسٹ کے انٹرویز کیے۔
☆کس ساتھی پریزینٹر کے ساتھ شو کرتے ہیں؟
♦کسی کے ساتھ نہیں، میں سولو شو کرتا ہوں۔ ویسے تو بہت آر جے کے ساتھ کیا۔ لیکن اپنی گرفت ہوتی ہے۔ اپنی سوچ ہو تو مزا اس میں آتا ہے۔
☆لسنرز کا فیڈ بیک کیسا ہے؟
♦لسنرز کا فیڈ بیک بہت اچھا ہوتا ہے۔ بہت کم پروگرام ایسے ہوتے ہیں جو ٹاپک کے ساتھ میں کرتا ہوں زیادہ کالرز آن لائن ہی بات کرتے ہیں۔
☆ایک پریزینٹر دوسرے کی نقل کرتا ہے؟
♦میرے خیال میں کسی سے انسپائر ہو کر ہی آتے ہیں کسی کی سوچ میں کوئی آئیڈیل بھی ہوتا ہے۔ لیکن میرا اپنا ہی خاص انداز ہے۔
☆آج کے دور میں ریڈیو کی اہمیت؟
♦آج کے دور میں بھی ریڈیو کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ گاڑی میں ریڈیو، کھانا بناتے ہوئے ریڈیو سنا جاتا ہے۔ سیر کرتے ہوئے ریڈیو۔ موبائل میں بھی ریڈیو آ گیا جب چاہو جہاں چاہو سنا جاسکتا ہے۔ الیکٹرونک میڈیا میں ایف ایم سب سے زیادہ سننے والا میڈیا ہے۔
☆پروگرام کرنے کو دل نہ چاہ رہا ہو لیکن پروگرام کیا ہو؟
♦ہاں، کئی بار ایسا ہوتا ہے۔
☆ایف ایم کے علاوہ؟
♦بزنس کرتا ہوں جنرل سیکریٹری ہوں پنجابی سنگت کا۔ ادبی تنظیموں کا ممبر اور عہدیدار ہوں اور میں اپنے عہدے کو زیادہ ترجیح دیتا ہوں۔
☆چاندنی راتیں کیسی لگتی ہیں؟
♦چاندنی رات کا منظر بہت اچھا لگتا ہے۔ سکون کا روشنی کا استعارہ۔
☆کن لوگوں پر رشک آتا ہے؟
♦جو اپنے نظریہ پر قائم رہیں۔
☆جب بارش برستی ہے تو کیسا لگتا ہے؟
♦بارش اداس کر دیتی ہے۔ اچھی لگتی ہے خوشگوار سرمایہ دارانہ موسم ہے، جو اس کو خوب انجوائے کرتے ہیں۔ جن لوگوں کے گھروں میں پانی آجائے، کیچڑ ہو جائے وہ بھلا کیسے مزے لے سکتے ہیں؟
☆کیسا میوزک پسند ہے؟
♦میڈیم اور فوک پسند ہے۔
☆دل پسند منظر؟
♦زیادہ سیر و سیاحت میں اور سفر میں مری میں رات کا منظر اچھا لگتا ہے۔ جیسے تاروں بھرا آسمان زمین پر اتر آیا ہو۔ دریا کے کنارے ہوا چل رہی ہو۔ ہرے بھرے درخت ہوں۔
☆چھپی ہوئی خواہش؟
♦برملا ہے دھرتی میرا پنجاب اس کو دیکھنا چاہتا ہوں۔ بھائی چارہ، کلچرل، پنجاب میں امن کا راج ہو۔
☆کون سا وقت اچھا لگتا ہے؟
♦مجھے صبح کا جب سورج طلوع ہوتا ہے۔
☆وہ لمحہ جس نے قوس و قزاح کے رنگ بکھیرے؟
♦جسے چاہتا تھا اس کی چاہت کا اظہار ہوا۔ وہ لمحہ بہت زبردست تھا لگا زندگی کے تمام رنگ سمٹ آئے ہوں۔
☆غصہ آتا ہے تو؟
♦کالج و یونیورسٹی میں مجھے غصہ آتا تھا تو غصے کا اظہار کر دیتا تھا۔ آپے سے باہر ہو جاتا تھا۔ اب غصہ آتا ہے تو خاموش رہتا ہوں۔
☆کیا اچھا لگتا ہے دن یا رات؟
♦رات۔
☆عام بولنے اور ایف ایم میں بولنے میں فرق ہے؟
♦ایف ایم پر خاص طرح کا ربط رکھنا پڑتا ہے۔ جو عام بولنے میں نہیں آتا۔

☆اس فیلڈ میں جو آنا چاہتے ہیں؟
♦کوئی بھی اس فیلڈ میں آنا چاہے اسے ایف ایم کے متعلق زیادہ سے زیادہ معلومات ہونی چاہیے۔ جنرل نالج زیادہ سے زیادہ ہو۔ اس فیلڈ سے متعلقہ لوگوں سے ملنا چاہیے۔
☆ایس ایم ایس کرنا اچھا لگتا ہے یا فون کال؟
♦ایس ایم ایس کرتا ہوں۔ موقع کی مناسبت سے کال بھی کر لیتا ہوں۔
☆آپ شاعری بھی کرتے ہیں؟
♦شاعری بھی کرتا ہوں ڈرامے بھی لکھے ہیں اور ترجمہ بھی کرتا ہوں۔
☆اسٹار کون سا ہے؟ ستاروں کے علم پر یقین رکھتے ہیں؟
♦کوئی خاص نہیں۔ کبھی ایسے ہی پڑھ لیتا ہوں۔
☆کسی کے خلوص کا کیسے جواب دیتے ہیں؟
♦جس طرح کا خلوص اسی طرح کا جواب بلکہ اس سے بڑھ کر بھی کہ میں کسی کے کام آسکوں۔
☆کیا شادی ہو چکی؟
♦جی شادی ہو چکی ہے۔
☆دوستی آپ کے نزدیک کیا ہے؟
♦ایسا جذبہ جس میں اپنا ہی آپ ہو دوستی زندگی کا ایک حصہ ہے اور میں سوچ سمجھ کر دوست بناتا ہوں۔
☆سالگرہ کا دن کیا مناتے ہیں؟
♦4 فروری میری سالگرہ کا دن ہے۔ دوست منا لیتے ہیں خود بھی ارینج کر لیتا ہوں۔
☆مزاجاً کیسے ہیں؟
♦خاموش طبع۔ دھیمے لہجے کا۔
☆دل ٹوٹ جائے تو؟
♦دل ٹوٹ کے جڑ نہیں سکتا۔ دل کے ٹوٹنے کا احساس کئی بار لوگوں کی طرف سے ہوا جس سے توقع رکھیں اس طرف سے ٹوٹ جاتا ہے۔
☆کھانے میں کیا پسند ہے؟
♦چاول زیادہ پسند کرتا ہوں۔
☆گفٹ لینا اور دینا کیسا لگتا ہے؟
♦میں اس چیز کا قائل ہوں دینا خوشی ہوتی ہے۔ گفٹ لینا بھی اچھا لگتا ہے۔
☆شریک حیات میں کن خوبیوں کو دیکھتے ہیں؟
♦وہ مجھے اور آس پاس کے رشتوں کو سمجھ سکے۔
☆شدید اداسی کے عالم میں دل کیا چاہتا ہے؟
♦میرا دل بھر آتا ہے رونے کو چاہتا ہے۔ اکثر جب سورج غروب ہوتا ہے تب بھی کسی سے بات کرنے کو دل نہیں کرتا۔
☆اگلے پانچ سالوں میں اپنے آپ کو کہاں دیکھتے ہیں؟
♦اگر دیکھا جائے تو اگلے پانچ سالوں میں ملکی حالات کے بارے میں کچھ نہیں ہوتا۔ پلاننگ، ارادے دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں۔ اچھے حالات ہوں۔ میرے جو ٹارگٹ ہیں ان کو حاصل کر سکوں۔
☆اپنی شاعری سے کچھ؟
♦جندے نی
ٹھا من دا مندر
عمراں سنگھیاں بھگتی کر دیاں
فیر وی اودھ قلندر
جندے نی
ٹھا مند دا مندر۔
☆رداڈائجسٹ کے بارے میں آپ کی رائے؟
♦ڈائجسٹ لوگوں کی انفارمیشن اور انٹرٹیمنٹ ہوتی ہے اور ردا میں سب کچھ ہے جو ایک قاری کی طلب ہے۔
☆قارئین کے لیے پیغام؟
♦پڑھنے کی عادت ڈالیں اور سوچ بھی روشن رکھیں۔
بہت شکریہ یوسف پنجابی آپ نے رداڈائجسٹ کے لیے کچھ ٹائم نکالا۔
آپ کا بھی بہت شکریہ ردا کے لیے میرا انٹرویو کیا۔
......☆......



حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ اقرع بن حابس نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا حسنؓ کا بوسہ لے رہے تھے تو وہ بولا:

"یا رسول اللہ! میرے دس بچے ہیں۔ میں نے ان میں سے کسی کا بوسہ نہیں لیا۔" تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جو (بچوں، یتیموں، عاجزوں اور ضعیفوں پر) رحم نہ کرے اللہ تعالیٰ بھی اس پر رحم نہ کرے گا۔" (مسلم)

سیدہ نورین۔ کراچی

بھلائی اور نیکی

حسن بن سہل خلیفہ مامون کا وزیر بہت سخی تھا بے دھڑک لوگوں کو عطیات دیتا رہتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک اعرابی نے دیکھا۔

"اے حسن! یہ راستہ احسان کا نہیں جو تو نے اختیار کر رکھا ہے کیا تجھے معلوم نہیں کہ اسراف میں کوئی بھلائی نہیں۔"

حسن نے اعرابی کو جواب دیتے ہوئے کہا۔

"کیا تجھے نہیں معلوم کہ بھلائی اور نیکی میں اسراف ہوتا ہی نہیں۔"

عانیہ نیازی۔ ربوہ

شرط

اسکاٹ اپنی بیوی کے ساتھ فلائنگ کلب گیا۔ وہاں ایک پائلٹ نے اس سے سو ڈالر کی شرط لگائی کہ وہ ان دونوں کو جہاز میں بٹھا کر پورے شہر میں گھمائے گا اور اگر اس تمام عرصے میں وہ ایک لفظ بھی نہ بولے تو جیت جائیں گے اسکاٹ نے شرط مان لی۔ جہاز اڑاتے ہوئے پائلٹ نے بہت غوطے دیے کئی مرتبہ قلابازیاں کھلائیں لیکن وہ ان کی خاموشی کو نہ توڑ سکا۔ زمین پر اترنے کے بعد اس نے اسکاٹ سے کہا۔

"کمال ہے بھئی تم جیت گئے لیکن تمہاری بیوی کہاں ہے؟" تو اسکاٹ بولا۔

"وہ تو شکر ہے کہ میں نے اپنی بیوی پر نظر رکھی ہوئی تھی وہ جیسے ہی چیخنے لگی میں نے اسے جہاز سے نیچے گرا دیا۔"

نوشین مدثر۔ لاہور

وجہ

ایک بچے نے اپنے دوست کو گھر کھانے پر بلایا۔ بچے کی ماں نے جب اس کے دوست کو دسترخوان سے چمچہ صاف کرتے دیکھا تو اسے سمجھاتے ہوئے کہا:

"کیا تم اپنے گھر میں بھی دسترخوان سے چمچہ صاف کرتے ہو؟"

"نہیں تو اپنے گھر میں مجھے ہمیشہ صاف چمچے ملتے ہیں۔" بچے نے معصومیت سے جواب دیا۔

اریشہ۔ کمالیہ

حیا

مولوی اپنے 22 بچوں اور بیوی کے ساتھ کسی دعوت میں گیا۔ میزبان نے جب اتنے لوگ دیکھے تو غصے اور طنز سے بولا۔

"حیا نہیں آئی؟" مولوی صاحب ہنستے ہوئے بولے۔

"نہیں جناب! اس کے پیپر ہو رہے تھے اس لیے وہ نہیں آئی۔"

دھنک ناز۔ کراچی

لفظوں کی روشنی

☆ جو لوگ آپ سے اختلاف رکھتے ہیں ان کے بارے میں پریشان نہ ہوں۔ پریشان تو ان لوگوں کے بارے میں ہوں جو آپ سے اختلاف رکھتے ہیں لیکن یہ بتانے کی جرأت نہیں ہوتی۔

☆ یہ ہماری آنکھیں نہیں بلکہ دوسروں کی آنکھیں ہیں جو ہمیں برباد کرتی ہیں اگر سوائے آپ کے تمام دنیا کے لوگ اندھے ہوتے تو آپ بھی پھر عمدہ لباس اور خوش نما سامان کی پروا نہ کرتے۔

☆ جو کچھ بھی تمہارے پاس ہے وہ سب کسی نہ کسی دن بخش دیا جائے گا اس لیے ابھی بخشش کرو تاکہ بخشش کا موسم تمہارا رہے نہ کہ تمہارے وارثوں کا۔

ماہ نور۔ فیصل آباد

کنجوس

ایک لکھ پتی کے پاس کچھ لوگ چندہ لینے گئے۔ انہوں نے لکھ پتی سے کہا۔ وہ نیک مقاصد کے لیے کام کر رہے ہیں اس کے لیے انہیں چندہ دینا چاہیے۔ تو لکھ پتی کنجوس کہنے لگا۔

"میرا ایک بھائی ہے لیکن وہ کام نہیں کرتا کیا اس کی مدد کرنا اچھا مقصد نہیں؟ میری ایک ادھیڑ عمر کی غیر شادی شدہ بہن ہے وہ تیس سال سے کنواری بیٹھی ہے اس کی شادی کرنا اچھا کام نہیں ہے کیا؟ میرے باپ کی عمر 80 برس ہے ان کو کھانے پینے کی اشیاء فراہم کرنا نیک مقصد نہیں؟"

"یقیناً یہ سب کام کرنا اچھا اور نیک مقصد ہے" چندے کی اپیل کرنے والوں نے کہا۔

"جب میں یہ اتنے سارے نیک کام نہیں کرتا تو پھر تمہیں چندہ کیوں دوں؟"

ثناء حیات۔ کراچی

مہکتی کلیاں

◄ میں اپنے حریفوں پر اکثر اس لیے غالب آتا ہوں کہ وہ چار منٹ کی حقیقت نہیں سمجھتے لیکن میں اس تھوڑے وقت کی قدر و قیمت اور اہمیت سے بخوبی واقف ہوں۔ (نپولین)

◄ جس کے پاس مضبوط قوت ارادی ہے وہ دنیا کو اپنی مرضی کے مطابق بناتا ہے۔ (گوئٹے)

◄ آدمی کی زندگی کا بہتر حصہ وہ ہے جس میں اچھے کام کر کے بھول چکا ہے۔ (ورڈز ورتھ)

◄ ایک کنجوس آدمی کی ذخیرہ اندوزی کا وہی حال ہوتا ہے جو شہد کی مکھیوں کے چھتے کا، محنت وہ مکھیاں کرتی ہیں جب کہ شہد انسان حاصل کرتا ہے۔

◄ ماں کا دل ایک ایسا بینک ہے جہاں ہم اپنی تمام پریشانیاں اور دکھ جمع کرا دیتے ہیں۔ (ڈی وٹ تاچ)

ریما نور رضوان۔ کراچی

راس نہ آیا....

آپ نے اکثر سنا ہوگا کہ کسی کو گھر راس نہیں آیا، کسی کو موٹر راس نہیں آئی کسی کو اسکوٹر تو کسی لاری راس نہیں آئی اس لیے ان گاڑیوں کے حادثات ہوتے ہیں اور کوئی زخمی ہوتا ہے تو کوئی مرجاتا ہے یا مالک کو نقصان ہوتا ہے۔ کسی کو گھر راس آجاتا ہے تو کہتے ہیں، اس کو آفس میں پیسہ مل رہا ہے۔ اس لیے

خوش ہے اس کی بیوی بچے بھی صحت مند ہیں۔ مختصر یہ ہے کہ لوگ آپس میں باتیں کرتے ہیں یا ایک دوسرے کے گلے شکوے میں لگے رہتے ہیں لیکن آج کل ہم یہ بھی دیکھ رہے ہیں کہ کسی کو بیوی راس آ رہی ہے اور کسی کو دلہن راس نہیں آ رہی ہے۔ دلہن کے گھر میں قدم رکھتے ہی نحوست لگ گئی یعنی شادی کے چند ماہ بعد ہی دونوں میں ان بن شروع ہوتی ہے اور طلاق کی نوبت بھی آجاتی ہے۔ اس کو دیکھ کر لوگ کہتے ہیں کہ بے چارے کی شادی ہوئی مگر بیوی راس نہیں آئی۔ بعد میں معلوم ہوتا ہے کہ دونوں میں طلاق بھی ہوگئی۔ طلاق نام سنتے ہی حساس لوگ غمگین ہوجاتے ہیں اس لیے کہ ایک خاندان علیحدہ ہوگیا اس کے پھول جیسے بچوں کا کیا ہوگا جو معصوم ہیں جن کو یہ بھی نہیں معلوم کہ کیا ہوگیا نہ صرف دو زندگیاں تباہ ہوگئیں بلکہ بچوں کی زندگیاں بھی ماں باپ کے پیار سے محروم ہوگئیں۔ بہرحال یہ دنیا ہے، یہاں بہت سے واقعات ہوتے رہتے ہیں اور بہت سے حادثات بھی وقوع پذیر ہوتے رہتے ہیں۔ ہم کہاں تک کسی کی غم زدہ کہانیاں سنتے رہیں۔ شادی کے بعد بھی جوڑے خوش قسمت ہوتے ہیں وہ ہمیشہ خوشگوار زندگی گزارتے ہیں اور ایک جان دو قالب کی طرح زندگی بھر خوش رہتے ہیں اور دوسروں کے لیے ایک مثال بن جاتے ہیں ان دونوں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ میاں، بیوی ایک دوسرے کو راس آگئے۔ کہنا یہ ہے کہ آج بھی بہت سی خواتین ایسے خیالات رکھتی ہیں، کہ نئی نویلی دلہن جب گھر آتی ہے اور چند دن بعد کوئی حادثہ ہوتا ہے، کسی کا انتقال ہوجاتا ہے، کسی کو کاروبار میں نقصان ہوجاتا ہے تو کہتے ہیں، بیوی کے قدم منحوس ہیں۔ بچارے شوہر کو بزنس میں نقصان ہو گیا۔ اگر شوہر کو سرکاری نوکری مل گئی یا ترقی ہوگئی تو لوگ کہتے ہیں، دلہن قسمت والی ہے اس کے قدم اچھے ہیں۔ اپنے ساتھ خوشی لائی اور اس کے شوہر کو شادی کے چند دن بعد ہی سرکاری نوکری مل گئی یا ترقی ہوجاتی ہے تو بھی دلہن کی تعریف ہوتی ہے۔ حالانکہ شوہر کو ترقی دلانے یا شوہر کو سرکاری نوکری دلانے میں بیوی کا ہاتھ نہیں ہوتا۔ خود آفس میں رشوت لیتے ہوئے پکڑا جاتا ہے اور معطل ہوجاتا ہے یا نوکری سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ اس کی سزا وہ اپنی بیوی پر گھڑتا ہے۔ یہ سب پرانے خیالات گھر کی بڑی خواتین ہی پیدا کرتی ہیں اور دوسروں کو یا شوہروں کو بیویوں سے شک وشبہ میں ڈال دیتی ہیں اور اچھی خاصی زندگیاں تباہ و برباد ہوجاتی ہیں۔ یہ پرانے عقائد ہمیں ذہن و دل سے نکال دینے چاہئیں اور یقین رکھنا چاہیے کہ جو بھی ہوتا ہے اس میں اللہ تعالیٰ کی کوئی مصلحت ہے، ہمیں کوئی نقصان پہنچا ہو تو اس میں ہمارے لیے کوئی نصیحت ہو اور آئندہ کوئی ایسے کام نہ کریں جس سے نقصان ہو۔ یوں سمجھیے کہ نقصان میں بھی فائدہ ہے اگر گھریلو عورتیں علم کی روشنی سے محروم ہیں تو پڑھی لکھی عورتیں ان کو سمجھائیں اور ان کی مدد کریں۔ اور دوبارہ ایسی بات نہ کہیں کہ بچارے کی شادی تو ہوگئی راس نہیں آئی۔

مرتب: ایس۔ امتیاز احمد۔ کراچی

لفظوں کی کرنیں

☆ لکھنا چاہتے ہو تو حق لکھو۔
☆ پڑھنا چاہتے ہو تو کلمہ پڑھو۔
☆ کہنا چاہتے ہو تو سچ کہو۔
☆ بچنا چاہتے ہو تو جھوٹ سے بچو۔
☆ عمل کرنا چاہتے ہو تو اسوہ حسنہ پر کرو۔
☆ خواہش کرنا چاہتے ہو تو جنت کی کرو۔
☆ کمانا چاہتے ہو تو نیکیاں کماؤ۔
☆ ڈرنا چاہتے ہو تو اللہ سے ڈرو۔
☆ سنوارنا چاہتے ہو تو آخرت سنوارو۔
☆ پڑھنا چاہتے ہو تو قرآن پڑھو۔

ثناء علی۔ ملتان

......☆......

ذرا ایسے کہنا

خزانے

یہ نگاہ جہاں جاری ہے خزانے ہی خزانے
یہ آسماں یہ زمیں ہے یہ بندے کے خزانے
یہ اللہ یہ بندہ یہ اللہ ہے یہ بندہ
یہ دنیا اسی کے لیے سجائی ہوئی ہے
یہ چاند ستارے یہ سجاوٹ اللہ کی
یہ روشنی سورج کی اللہ ہی نے بنائی
یہ اللہ کی محبت یہ حکم عبادت
ہر لمحہ شکر کرنا اللہ نے یہ سکھائی
یہ کنوئیں تالاب دریا اور سمندر
یہ نعمتیں بندے کے لیے ہی ہے لائیں

فرخ سلطانہ

نعت رسول مقبول ﷺ

کس قدر تلخ قیامت کا نظارہ ہوگا
ہم کسی کے نہ کوئی ہمارا ہوگا
کیوں نہ محبوب خدا کو میں وسیلہ کرلوں
حشر میں بھی تو اسی جانب اشارہ ہوگا
ہوگا ارشاد خدا کیا ہے رضا میرے حبیب
یہ دعا آقا کی امت کا سہارا ہوگا
ہے یہ فرمان نبیؐ کہیے کہ سبحان اللہ
باغ رضوان میں حسیں باغ تمہارا ہوگا
باوضو ہو کے بشارت نے عقیدت سے لکھا
پھر نہ کیوں نعت کا ہر شعر پیارا ہوگا

سید بشارت شاہ

سانحہ پشاور

دکھ بھی گریہ کناں ہے آج کی رات
ایسا ماتم بپا ہے آج کی رات
ننھے بچوں کی زیست قرباں ہوئی
حشر کا اک سماں ہے آج کی رات
کتنی ماؤں کی گودیں ہیں خالی ہوئیں
عرش بھی رو رہا ہے آج کی رات
ہم بے چارے غم کے وہ مارے ہیں گل
جن کا رونا لکھا ہے آج کی رات

سباس گل

زخم

گزرتے
وقت کے
ساتھ ساتھ
جسم پر لگے
زخم
تو پھر بھی
بھر ہی جاتے ہیں
لیکن!
ہمیشہ یاد رکھیے
روح
پر لگے
زخم

کبھی بھی نہیں
بھرتے
مدیحہ اعجاز حسین

تم میرے ہو

تمہیں میں نے جب سے چاہا
تو مجھے یہ احساس ہوتا ہے
ہم سفر جی تم میری سوچ ہو
تو کوئی......
تمہیں سوچے کیوں
زندگی جی تم میری چاہت ہو
تو کوئی......
تمہیں چاہے کیوں
میرے ہمراہی تم میرا آئینہ ہو
تو کوئی......
تمہیں دیکھے کیوں
میری زندگی، میری جان
میرا پیار، میرا مان
میرا اعتبار، میرا سہاگ
تم میری دعا ہو
تو کوئی......
تمہیں مانگے کیوں
رضوان جی تم فقط میرے ہو
تو میں تمہیں جتلاؤں نہ کیوں
ریما نور رضوان

یادیں

یہ اداس شامیں
بھیگی پلکیں
ویران دل
اجڑی آنکھیں
داستان سنا رہی ہیں

آج پھر کوئی بہت
ٹوٹ کے یاد آیا ہے
دانیہ آفرین

نظم

میرے درد کو جو زباں ملے
دل کو کچھ تو میرے قرار ملے
کیسے کہیں تم بن رہنا
کٹھن ہے بے حد
تھوڑا حوصلہ اور
وقتِ نجات ملے
افشاں آفتاب کاوش

نظم

تم کیا جانو کہ محبت کیا ہے
تم کیا جانو کہ عشق کسے کہتے ہیں
کسی کے لیے رات رات بھر تڑپنا کیا ہوتا ہے
کسی کو اپنے رب سے مانگتے کیسے ہیں
تم کیا جانو کہ میرے اس دل میں کون ہے
کون ہے وہ جس نے مجھے مجھ سے چھینا ہے
کون ہے وہ جس سے
میں بے حد و بے حساب
محبت کرتی ہوں
کون ہے وہ جسے میں اپنے رب سے مانگتی ہوں
کون ہے وہ جس کے ساتھ کے میں
خواب دیکھتی ہوں
تم کیا جانو
سنو آج میں تمہیں بتاتی ہوں اپنے دل کا راز
صرف تمہیں سناتی ہوں
وہ کوئی اور نہیں ہے پاگل وہ تو ہاں وہ تو
صرف تم ہو جو مجھے جان کر بھی انجان ہو مگر
میں کیا کروں تم میری رگوں میں

خون کی صورت دوڑتے ہو
میرے دل میں دھڑکن کی صورت دھڑکتے ہو
پتہ ہے پھر میں کیا سوچتی ہوں!
کیوں نا میں اپنے دل کی دھڑکن کو روک دوں
اور خود کو موت کے حوالے کر دوں
کیوں کہ میری زندگی تم ہو
تم نہیں تو کچھ بھی نہیں
ہاں
کچھ بھی نہیں!
ثناء کنول اللہ دتہ

نظم

تم کیا جانو
مسافت کا دکھ
مسافت بھی ایسی
کہ جس کی
نہ منزل کی خبر
نہ کوئی ہمسفر
بس اک خار دار رستہ
اور میں آبلہ پا......!
زینل آرزو

غزل

مرے دل پر زخم ستم ہے ترا
عنایت یہ تیری کرم ہے ترا
جو تاریخ الفت رقم کر گیا
وہ دلکش سا اسم صنم ہے ترا
مہک سی اٹھی ہے ابھی اس طرف
مری سمت شاید قدم ہے ترا
سنا تھا جو تم سے شب وصل میں
فسانہ وہ دل پہ رقم ہے ترا
جو عہد ملاقات تو نے کیا
مکر ہی نہ جاؤ یہ غم ہے ترا
مرے روبرو غیر کا ذکر ہے
یہ کیسا اصول ستم ہے ترا
عمران فائق

غزل

میں پھر رہا ہوں بھٹکتا سراب کی صورت
تمام عمر گزاری ہے خواب کی صورت
اسی کا حسن نمایاں ہے میرے چہرے پر
مہک رہا ہے جو دل میں گلاب کی صورت
ڈرا رہے ہیں مجھے آفتاب کے تیور
میں دیکھتا ہوں کسی انقلاب کی صورت
تمام عمر جسے ڈھونڈتا رہا ہوں میں
وہ میرے پاس رہا ہے حجاب کی صورت
کسی کی یاد نے سونے نہیں دیا شاید
اداس لگتی ہے مجھ کو جناب کی صورت
میں حرف حرف اسے یاد کر رہا ہوں حکیم
اتر رہا ہے جو دل پر کتاب کی صورت
حکیم خان حکیم

غزل

نئے دوست تھے نئے رنگ تھے
کیمپس کے دنوں میں
کچھ حسیں لوگ سنگ تھے
کیمپس کے دنوں میں
کینٹین پہ مستیاں یاروں کی بھول بھلیاں
سب انداز ہی الگ تھے
کیمپس کے دنوں میں
خود پہ کرتے فخر تھے کہ تیری منظور نظر تھے
سنجیدہ سے ہو گئے شریر ہنس مکھ تھے
کیمپس کے دنوں میں
دنیا کو بھول کر آنکھوں آنکھوں میں

ان سے کرتے پیار کی جنگ تھے
کیمپس کے دنوں میں
وہ میرا عشق ہے وہ میرا عشق تھا ساتھی
اس کی بدولت آباد شاعری کے فلک تھے
کیمپس کے دنوں میں

"ساتھی" زبیر پنہیار

غزل

کچھ بھی باقی بچا نہیں سنانے کو
مہرباں آئے تھے پھر منانے کو
ایک ہی پل میں بدل گیا سب کچھ
جانے اب کیا ہو گیا زمانے کو
جن سے اپنا رشتہ تھا کوئی
آئے تھے وہ بھی ہمدردیاں جتانے کو
تجھ سے کسی نے کہا پلٹ آنے کو
رہ گئیں دل میں پھر یادیں ستانے کو
دل تو جل کے راکھ ہو چکا جاوید
اور کیا رہ گیا بتا جلانے کو

محمد اسلم جاوید

نظم

مجھے ایسا شخص چاہیے
جسے دیکھ کر
میری زندگی میں امنگ ہو
جسے دیکھ کر میری زندگی تنگ نہ ہو
جسے دیکھ کر
روح سیر ہو جائے
جسے دیکھ کر دل دھڑک سا جائے
ایسا شخص چاہیے
جو خود میری تلاش میں ہو
وہ جو میرے انتظار میں ہو
جس نے میرے لیے
ہر رنگ کے پھول سجا کر رکھے ہوں
جس نے میرے لیے اپنا آپ بچا کر رکھا ہو
مجھے ایسا شخص چاہیے
جسے دیکھ کر میری زندگی میں امنگ ہو
وہ مجھ میں مجھ کو تلاش لے
وہ جو صرف مجھے ہی پیار دے
مجھے ایسا شخص چاہیے

کائنات غزل

سفر

تیری باتیں
خوب صورت حرفوں کا لباس پہنے
یادوں کا نشتر بن کر
میری زخمی روح کو تڑپاتی ہیں
میرے احساس کے دائرے تنگ ہو کر
میری دھڑکنوں کی رفتار روکنے لگتے ہیں
تو یہ سوچ کر
میں اپنے دل کو تسلی دے لیتی ہوں
ایک روز خوشبو بن کر میں بھی
اجنبی فضاؤں میں بس جاؤں گی
اور میری تحریر کا لمس
میرے وجود کی گواہی دیتا رہے گا
اور پھر میرے بعد
سلسلۂ سفر
یونہی جاری رہے گا

فرزانہ شوکت

نہیں وہ بات مجھ میں اب

سنو! مجھے اب کچھ نہیں کہنا
صرف اتنا ہی کہنا ہے
تمہارے اور میرے بیچ
قائم فاصلے جو ہیں

گھٹانا کیوں یہ چاہتے ہو؟
نہیں وہ بات مجھ میں اب
میری نس نس میں زہر گھول کر
کیا ڈھونڈتے ہو تم؟
نہیں وہ بات مجھ میں اب
تمہاری ذات کی خاطر، جو اپنا آپ کھویا تھا
ازالہ کر رہی ہوں میں
خود ہی کو جوڑ رہی ہوں اب
سو! مجھے اب مت پکارنا
نہیں وہ بات مجھ میں اب

زاہدہ راہی

ایک خوب صورت نظم

آج میری پیدائش کا دن تھا
جو گزر گیا
میری جھولی میں یادِ ماضی کا اک
اور سال دے گیا
کیک کٹا، موم بتیاں جلیں
رفتہ رفتہ میری عمر ڈھلی
آنکھوں نے سپنے بنانے کا آغاز کیا
دل بلاوجہ ہی بات بے بات
دھڑکنے لگا
رخسار گلاب ہوئے
آنکھوں میں حیا حجاب کے دیے جلے
تمناؤں وآرزوؤں کے کئی در کھلے
لبوں پر کلیوں سی مسکراہٹ کھلی
خوابوں کے ان دیکھے شہزادے کی چھیڑ خانی
خود ہی خود میں سمٹنے لگی
آج میری پیدائش کا دن تھا
جو گزر گیا
اور مجھے ڈھیروں خوشیوں کی نوید دے گیا
آنے والے خوب صورت لمحات کی
ایک جھلک دکھا گیا

ملالہ اسلم

نصیحت

یہ جو گناہوں لذتوں کے رستے ہیں
سزا کی منزلوں کو جاتے یہ
بظاہر بڑے ہموار لگتے ہیں
ان پر ایک قدم جو بڑھاؤ گے
ہزار راہیں کھلتی جائیں گی
احساس گناہ کی چوکھٹ پر
غفلت کی دھول چڑھتی جائے گی
تو تم رختِ سفر سے پہلے
یہ صلاح ذہن نشیں رکھنا
ان گناہوں کے پُرکشش رستوں پر
بڑھتے جانا سہل جتنا ہے
دشوار اتنا ہی واپس پلٹنا ہے
یہ جو نفس کی اندھی چاہت ہے
یہ آشفتہ سری کی خواہش ہے
جس کا حاصل عذابِ آتش ہے

حمیرا نضا

نظم

خبطی سی کچھ
کچھ دیوانی سی
کچھ ان دیکھی سی
کچھ انجانی سی
احساس سے پر
جذبات میں گندھی
میرے تخیل میں رہتی ہے
اک خاموش سی پری
کبھی آہستہ سے میرے پاس آئے

پاس آکے میرے پہلو میں
یونہی ہنستے ہنستے کہا تھے
تم کون سے دیس کے باسی ہو
کوئی گھر پتہ کہاں رہتے ہو
تم ہو کون کہاں سے آئے ہو
کس دیس کے تم باسی ہو
کس پربت کے پجاری ہو
پر اک بات کہوں ہے چھوٹی سی
تم مجھ کو اچھے لگتے ہو

مریم ماہ منیر

حسرت ناتمام

ردوں کے اس شہر میں ہر شخص سنگ اٹھائے پھرتا ہے
ہاں سچ ایک گالی ہے اور جھوٹ کا سکہ چلتا ہے
لمت کا ہے بازار گرم، شریف کی حرمت گھٹتی ہے
ہاں غریب کی عزت بکتی ہے اور امیر کی تجوری بھرتی ہے
بوڑھا حنا تقسیم کرتا ہے اس کی بیٹی کی ہتھیلی خشک رہتی ہے
ہاں مے خانے مہکتے ہیں اور غریب کی پونجی لٹتی ہے
ر روز حیات کی بولی لگتی ہے اور موت تماشہ دیکھتی ہے
ہاں جذبات مچلتے رہتے ہیں اور افلاس کی آنکھیں جھکتی ہے
ہ جیسے دیوانے لوگو! فرزانوں کی یہ بستی ہے
ہاں روٹی مہنگی اور جان ہر شے سے سستی ہے

سیدہ فرزین حبیب

نظم

اشتہار بن گئی ہے جرأت میری
کبھی ہم بھی تھے تم سب میں
جو پلٹ کے سر ادی تو جواباً مسکرائی
اب مسکرانے کے بھی فسانے بننے لگ گئے
کہا جو کچھ سنا کچھ اور ہی
تھی مجبوری جو کچھ میری
اب لگا دو اشتہار میری باتوں کا
کہ پرواہ نہیں ہمیں اب اپنی رسوائی کا

سحرش فاطمہ

عشق

عشق کا جب نصاب لکھو تو ہم پر اک کتاب لکھنا
محبت کی رنگینیاں دکھا کر ہجر کے سارے عذاب لکھنا
عشق کو میرے تم امر لکھنا، نفرتوں کو صدا مات لکھنا
وادی خزاں کے دامن میں یوں داستان گلاب لکھنا
شب وصل کے خواب سبھی آنکھوں میں سجا کے لکھنا
شب ہجر کی کیفیت میں اداسی کو شاداب لکھنا
یہ ہنر جانا ہے اب تلک بہتے پانی کی روانی سے
ہنسی لبوں پر سجا لینا ہر کرب کو صنم لاجواب لکھنا
گر ہو سکے صاحب تو ہم جیسے فقیروں پر بھی
کوئی داستان محبت لکھنا کچھ عشق کے باب لکھنا
اصول زمانہ ٹھہرا، ذات کی نفی کروا کر خود کو گنوا کر
تشنا دل ہو کر بھی اجڑی حالت کو اکثر سیراب لکھنا
ہجر کی کیفیت میں اضطراب کے عالم میں جاناں
کوچہ یار چلے جانا، پھر ذرے ذرے کو آفتاب لکھنا

ثناء ناز

نظم

تمہاری ایک نگاہ کو
میں دن بھر سجتی سنورتی رہی
اے ظالم! پھر بھی تو نے
نگاہ بھر کے نہ دیکھا
میں آئینہ سے پوچھتی رہی
کیسی لگ رہی ہوں
بس تم سے نہ پوچھا
کیسی لگ رہی ہوں؟

مبشرہ خالد

......☆......

افشاں علی............ کراچی

دھند میں لپٹے، سرد سے موسم میں افشاں علی کا گرم جوشی سے بھرپور پر خلوص سلام محبت قبول کیجیے، لیجیے جی سال نو کے ہمراہ سردی کا سفر بھی شروع ہو چلا۔ دھند کی چادر اوڑھے سر شام تاریکی میں ڈوبے جنوری میں سال نو نمبر ہمارے گھر کسی روشن شمع کی مانند اپنی خوب صورت تحریروں سے روشنی بکھیر گیا۔ جاتے سال ملک ایک بڑے سانحہ سے دوچار ہوا، ہر آنکھ اشک بار رہی، صالحہ آپی کی لکھی گئی نظم پڑھ کر دل پھر سے شدت غم سے بھر گیا۔ ''ردائے جنت'' میں سیرت طیبہ پڑھ کر دل و روح مشعل ہو گئی۔ آگے بڑھے تو صالحہ آپ کا نام ہمراہ افسانہ دیکھ کر چونک گئے۔ بھائی بہن کے لازوال پیار پر لکھا گیا افسانہ پڑھ کر دل خوش ہو گیا اور سب سے زیادہ تو اس میں لکھی گئی شاعری پسند آئی۔ اس بار کافی افسانے شامل ردا رہے۔ بلاشبہ سال نو کے حوالے سے اس بار ردا کو رائٹرز و اسٹاف نے بہت عمدگی سے سجایا۔ اس بار افسانے کمال کے رہے، اتنے سارے جانے پہچانے نام دیکھنے کو اور پڑھنے کو ملے۔ ''مشرق کی شہزادی''، ''ایک تھی ساحرہ''، ''سال کی آخری شام''، ''مجھ پر اعتراف ہوا''، جب ''اظہار محبت'' کیا تو ''محبت ابر کی صورت برسی'' ''ایک چھوٹی سی بات کہوں تو ''میں، تم اور سال نو'' ساتھ ساتھ ''میری کہانی'' پڑھی تو جانا ''وہ ادھورا خواب'' میرا اس میں ''وفا کیسی کہاں کا عشق'' اپنے ''آشیانہ'' میں جب ''اے دل نشین مسافر کا'' ذکر سنا تو ہم بہت روئے جب وہ یاد آیا اور ہم بے غم و بے مراد ہوئے فاطمہ خان کا مکمل ناول بہت اچھا رہا۔ وہیں سلمیٰ غزل نے بھی بہت خوب لکھا۔ ریما نور کا ''نیا سال سنگ سجنا'' کے پیار بھرا آہم آہم رہا (ہاہاہا)۔ سال کی آخری شام عائشہ ذوالفقار نے افسانے کے ذریعے سنی وہابی کے لیے ایک پیغام دیا۔ سحر مبین نے ٹھیک کہا ہے گم ہو کر ہم زندگی کو بہتر طریقے سے گزار سکتے ہیں۔ مہرین کنول نے بھی خوب لکھا۔ جب کہ پیاری ثناء کنول اور حنا کنول نے بھی اپنے افسانے کے ذریعے یہ واضح کیا کہ ہمیں امید سے زیادہ توقعات وابستہ نہیں کرنی چاہیے اور شادی کے بعد ہی وفا و عشق سچا و پاک ہوتا ہے۔ فرح ناز رفیق نے محبت کو ابر کی صورت بہت خوب صورت انداز میں پیش کیا۔ سب سے زیادہ تو مجھے آپ کے افسانے میں لکھے گئے نام بہت پسند آئے۔ مریم ماہ منیر نے بجا فرمایا ہر کامیابی، ناکامی الغرض ہر چھوٹے بڑے کے پیچھے اللہ کی پوشیدہ مصلحت ضرور ہوتی ہے۔ تبسم فیاض اور فریدہ فرید نے بھی بہت زبردست لکھا۔ اب بات ہو جائے ان افسانوں کی جن میں ایک اہم سبق پوشیدہ تھا۔ ''چھوٹی سی بات'' اہم اور BEST سبق آموز افسانہ رہا۔ نظیر فاطمہ آپ کی پہلی تحریر بہت عمدہ رہی ویل ڈن۔ ''ذرا پھر سے کہنا'' میں سب ہی کی شاعری پسند آئی۔ ثمینہ فیاض ویلکم! ''خوشبو'' اور ''اس ماہ میں'' ایس ایم امتیاز صاحب بازی لے گئے۔ اب بات ہو جائے ردا

کی محفل کی جان سندیسوں کی۔ صائمہ قریشی آپ کا ناول واقعی سراہے جانے کے قابل تھا، بہت اچھا ناول رہا اگلی تحریر کا انتظار ہے۔ نائلہ طارق آپ تو ویسے ہی ردا کی شان ہیں آپ کے ناول تو ہوتے ہی بہت عمدہ ہیں۔ پیاری رابعہ افضال پسندیدگی کے لیے بہت شکریہ۔ ملائکہ اسلم، مہرین کنول، زارا صدف قمر، ثناء کنول اللہ دتہ اور پیاری سی گیتی آراء آپ سب سے بھی سندیسے میں ملاقات کر کے اچھا لگا۔ پیاری دوست دانیہ عرف دانی یار ناراض تو نہ ہو۔ مصروفیت کے باعث میں پچھلے ماہ سندیسہ لکھ نہ پائی اب تو حاضر ہوں نا اچھا میرے گھر جب بھی آؤ چوڑیوں کا گفٹ پکا (ہاہاہا) اب تو مان جاؤ اپنی پسندیدگی کا بہت شکریہ ڈیئر۔ اچھی سی فریدہ فرید آپ نے بجا فرمایا سندیسے لکھتے وقت قلم رکتا ہی نہیں، (ہاہاہا) سراہنے کا شکریہ۔ سندیسے سے کہاں غائب ہو گئیں؟ شازیہ مصطفیٰ آپ کے سندیسے سے آپ کی مصروفیت کا اندازہ بخوبی ہوا ''دوستوں کے نام پیغام'' میں جہاں میرا پیغام شامل اشاعت رہا وہیں باقی پیغام پڑھ کر بہت اچھا لگا۔ امینہ روف، مصباح مسکان، ثناء کنول اللہ دتہ اور صباء عبدالغنی کا بہت بہت شکریہ۔ حیا قریشی آپ کو شادی کی ڈھیروں مبارک باد دعا ہے کہ آپ کا سال نو ماشاء اللہ ہمراہ سجنا کے سنگ یہ نیا سفر خوشیوں بھرا ہے۔ ردا بہت تیزی سے ترقی کی جانب گامزن ہے جس میں قارئین ورائٹرز کے علاوہ بلاشبہ صالحہ اپیا اور اسٹاف آپ لوگوں کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔ دعا ہے کہ یہ ترقی کی جانب سفر یوں ہی رواں دواں رہے۔ بہت ساری دعاؤں پیار دخلوص کے ہمراہ اپنی افشاں علی کو اجازت دیجیے اگلے ماہ پھر سے حاضر محفل ہوں گی انشاء اللہ۔

روشانے عبدالقیوم بونیری۔ کراچی

صالحہ آپی آپ اور تمام اسٹاف کو سلام۔ سیل فون میں بیلنس اور لون ختم ہوا تو آپ سے مزید بات نہ ہو سکی معذرت۔ گھر کا فون بھی ڈیڈ ہے آپ سے بات کر کے بہت اچھا لگا۔ بناوٹ یا تکبر سے پاک آپ کا پیارا لہجہ اور شیریں باتیں بہت پیاری لگیں، بالکل محسوس ہی نہ ہوا کہ میں ردا کی ایڈیٹر سے بات کر رہی ہوں۔ 97ء میں پیدا ہونے والی روشانے نے ردا کے لیے ''مشرق کی شہزادی'' لکھا اور ہر طرف سے اس تحریر کے ڈھونگرے اور تعریفیں سمیٹنے لگی۔ یہ میری نہیں بلکہ صالحہ محمود صاحبہ کی کامیابی ہے۔ خدا آپ کو عزت اور صحت کے ساتھ درازی عمر عطا کرے اور یوں ہی نئے لوگوں کی رہنمائی کرتی رہیں۔ میری ہر دعا میں آپ دل سے شامل رہتی ہیں۔ بہر حال ابو گاؤں سے آئے، امی بھی ان کے ساتھ گئی تھیں۔ دونوں کے آتے ہی میں نے بیگ کھولا اور یہ سردی کا سوٹ جو آپ پر بہت جچے گا آپ کے لیے منتخب کرلیا۔ ابو کو آرام بھی نہ کرنے دیا کہہ دیا کہ جب تک یہ ڈاک نہ بھجواؤں مجھے سکون نہیں آئے گا۔ صالحہ باجی کو میرا یہ تحفہ مل جائے تو میں سکون کا سانس لوں گی، سوات سے امی نے یہ سوٹ اور دیگر شاپنگ بھی کی ہے، اخروٹ وغیرہ نہیں بھجوا سکی (کہیں کوریئر والے خود ہی نہ دعوت اڑالیں اسی خوف سے نہیں بھیجے)۔ مشرق کی شہزادی کامیابی سے آگے بڑھ رہا ہے سوچا تھا کچھ منہ میٹھا کروانے کو بھی آپ اور تمام اسٹاف کے لیے بھجواؤں مگر پھر خیال آیا جب ناول اختتام پذیر ہوگا تو تب آپ سب کا منہ میٹھا کروا دوں گی۔ یہ سوٹ ضرور بنوائیں۔ آپ نے اپنے جس ناول کی بات کی تھی مجھے ضرور بھجوایئے گا۔ اپنے آٹو گراف کے ساتھ (آخر کو شو بھی تو مارنا ہے کہ ایڈیٹر صاحبہ نے دیا ہے۔ ہاہاہا!) اور پلیز مجھے بھی اپنی گڈ بک میں شامل کرلیں جیسے شازیہ مصطفیٰ اور نائلہ طارق وغیرہ۔ مجھے قلم اور کتاب سے محبت ہے اسی نسبت سے آپ میرے لیے بہت قیمتی ہیں بغیر دیکھے ہی مجھے آپ سے بے انتہا محبت و

عقیدت ہے۔ ہمیشہ ایسی ہی صاف اور سچی رہیے گا۔ ہمیں بھی اپنی محبتوں میں تھوڑی سی جگہ دیجیے گا، ذہن میں آج کل ایک اودھم مچا ہے دل چاہتا ہے دن رات بیٹھ کر لکھتی رہوں مگر وقت کی بات ہے میں دینی ادارے میں حفظ کی ٹیچر بھی ہوں اور تفسیر کی اسٹوڈنٹ بھی۔ پڑھنا پڑھانا لگا رہتا ہے صبح نماز اور ناشتے کے بعد ہی گاڑی لینے آجاتی ہے ابھی تفسیر کا پیپر ہوا ہے جس میں، میں نے فرسٹ پوزیشن لی ہے۔ 7 سپارے رہتے ہیں انشاء اللہ تفسیر مکمل ہوجائے گی تو پھر فرصت سے لکھوں گی۔ میری خواہش ہے کہ ردا کے رائٹرز میں، میں بھی شامل رہوں اور آپ میری کاوش کو اپنے ماہنامے میں جگہ دیں (اور اپنے گڈ بک میں شامل کرلیں) پلیز ہاتھ جوڑ کر!!! ہاہا۔ اللہ ردا کے ادارے کو دن دگنی رات چگنی ترقی دے۔ آمین!!!

☆ سویٹ روشانے! گفٹ بہت دیر سے ملا۔ سردیاں گزر گئیں روشانے جی اب گرمیوں کا انتظار ہے۔ بہر حال بہت شکریہ۔ میں بالکل یہ نہیں کہتی کہ آپ نے تکلف کیوں کیا۔ کیوں کہ مجھے تحفہ دینا اور لینا دونوں اچھے لگتے ہیں۔ بہت خوب صورت سوٹ ہے۔ آئندہ بھی تم نے خیال رکھنا ہے (قہقہہ)۔ میری گڈ بک میں وہ لوگ شامل رہتے ہیں جن میں لکھنے کی صلاحیت ہوتی ہے۔ میں پہچان لیتی ہوں آپ کے اندر صلاحیت زیادہ نہیں بہت زیادہ ہے۔ ٹھیک ٹھاک ساتھ رہے گا۔ شازیہ جی کے شاگردوں میں اضافہ ہوگا اور آپ کی اقساط ہم بھجوادیں گے۔ اپنا خیال رکھیں اور خوش رہیں۔

سیدہ فرزانہ حبیب فرزین۔۔۔۔۔کراچی

ہر دلعزیز صالحہ آپی اور ردا اسٹاف کو محبت اور خلوص بھرا اسلام۔ امید ہے آپ سب بخیر ہوں گے۔ سال نو 2015ء کا آغاز ہو چکا ہے۔ اللہ پاک سے امید ہے کہ یہ سال میرے، آپ اور تمام مسلمانوں کے لیے پر امن اور پر سکون ہو۔ پاکستان میں پشاور سانحہ جیسے المناک حادثات سے اللہ پاک سب کو محفوظ رکھے۔ فلسطین، کشمیر، سائبریا اور جہاں جہاں مسلمانوں کا ناحق خون بہایا جارہا ہے اللہ ان تمام عناصر کو ہدایت دے اور معصوم مسلمانوں کی عزت و آبرو، جان و مال کی حفاظت کرے۔ 'آمین' سال نمبر میں کچھ نئی لکھاری دوستوں سے بھی ملاقات ہوئی اچھا لگا ردا میں دن بہ دن نئے تخلیقی اور فکری اذہان رکھنے والوں کا اضافہ ہورہا ہے۔ امید کرتی ہوں ردا اسی طرح ادب کے میدان میں صف اول پر رہے گا اور صالحہ آپی کا شکر ادا کرنا چاہوں گی جو ''گوشہ آگہی'' کے ذریعے اتنی خوبصورت اسلامی معلومات سے ہمیں مستفید کرتی ہیں۔ آخر میں اس یقین کے ساتھ اجازت کہ ہمارا ساتھ ردا سے ہمیشہ اسی طرح جڑا رہے۔ ردا کے نام

میرے ہونٹوں کی ہنسی میں
ساری دلکشی تمہاری ہوتی ہے
میری شوخی و شرارت میں
خود اعتمادی تمہاری ہوتی ہے

گیتی آراء۔۔۔۔۔۔کراچی

پیاری باجی السلام علیکم! سب سے پہلے تو آپ کو، نورین کو اور ردا کے تمام اراکین اور قارئین کو عید میلاد النبیؐ کی دلی مبارک۔ اللہ ہم سب کو ایسی ہزاروں ساعتیں عیدیں دیکھنا نصیب کرے آمین۔ اور اب بات ہو جائے ماہ جنوری کے ردا کی تو سب سے پہلے تو فہرست پر نظر ڈالی تو فہرست میں اپنا نام دیکھ کر خوشی ہوئی لیکن آگے چل کر ''گوشہ آگہی'' میں سانحہ پشاور پر لکھی گئی دکھی نظم نے ہمیں اداس کردیا ''ردائے جنت'' میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے بارے میں وہ کس طرح اپنا کام خود کرتے تھے بیٹھتے، ہنستے بولتے تھے۔ واہ! پڑھ کر مزہ آگیا اور اب باری تھی باجی کی جس کا ردا کے قارئین بڑی بے تابی

سے ہمیشہ انتظار میں رہتے ہیں۔ افسانے ''ہم بہت روئے، وہ جب یاد آیا'' جس کے لفظوں کے سحر میں کھونے کے بعد ہم ایک بار پھر اداس ہو گئے۔ دل کو دکھی کر دینے والی تحریر دل کے اندر اتر گئی اور اب باری تھی ناول، ناولٹ اور سلسلے وار کہانیوں کی جو کہ ہمیشہ کی طرح ردا کے قارئین کو اپنے لیے بے تاب و بے چین کیے ہوئے تھا۔ ریما نور کے ''نیا سال سنگ سجا کے'' ہلکی پھلکی اچھی تحریر تھی۔ عائشہ کی ''سال کی آخری شام'' میں ایک شرعی اور مذہبی مسئلے کو بہت خوب صورتی سے واضح اور اجاگر کیا گیا ہے۔ جو کہ قابل توصیف ہے۔ سحر مبین کی ''بے غم'' ایک ہلکی پھلکی پر لطف تحریر تھی جس نے نہ چاہتے ہوئے بھی بارہا مسکرانے پر مجبور کر دیا۔ نظیر فاطمہ کی چھوٹی سی بات ایک نصیحت آمیز لیکچر! میں تم اور سال نو، وفائیں کہاں کا عشق، وہ ادھورا خواب میرا، نیو ایئر پارٹی، میری کہانی، محبت ابر کی صورت، پوشیدہ مصلحت، آشیانہ، دلنشین مسافر اور بے مراد سب ہی تحریریں خوب صورت انداز تحریر لیے منفرد اپنی جگہ بہترین تھیں۔ یہ فیصلہ کرنا بہت مشکل تھا کے سب سے بہترین تحریر اس ماہ کی کون سی ٹھہری لیکن یہ فیصلہ کرنا زیادہ مشکل نہ تھا جب ایک تحریر بارہا دماغ میں گھومتی اور گونج پیدا کرتی رہی جس کا مین کردار بار بار ذہن میں گھومتا رہا وہ تھی ایقان علی کی تحریر ''بے مراد'' جس کے خوب صورت طرز تحریر کے ساتھ ساتھ منفرد کہانی نے بھی اپنا اثر چھوڑا ویلڈن ایقان! زبردست۔ تکبر پر لکھی یہ تحریر اور خوب صورت ڈائیلاگ ہمیشہ یاد رہے گی۔ ''ردا کی ڈائری'' حناء سحر، عانیہ، فیضان عارف، دھنک ناز، مریم شیخ کا انتخاب پسند آیا۔ ''اشعار'' سباس گل، حنا علی، عانیہ نیازی کے اشعار اچھے رہے۔ ہاں البتہ ''خوشبو'' ہمیشہ کی طرح الف سے ے تک زبردست رہا۔ ''ذرا پھر سے کہنا'' میں سباس گل، مریم ماہ منیر، حمیرا فضا، حکیم خان، عمران فائق، سارہ احسان، کاوش، نائلہ نے خوب لکھا۔ ''سندیسے'' میں افشاں علی ہمیشہ کی طرح زبردست رہی دل خوش کر گئیں۔ ''دوستوں کے نام پیغام'' میں اپنی پیاری سی بہن اور دوست افشاں ہمیں دوستوں میں یاد رکھنے کا شکریہ۔ ''گوشہ چشم'' میں جیا قریشی کو شادی کی دلی مبارک باد۔ ''کچن'' میں بیف مصالہ، لاہوری کباب، بلوچی پلاؤ، بیف قیمہ زبردست رہے۔ ''سنگھار'' میں چہرے کے مختلف ماسک بہترین ٹپس تھیں۔ اب اجازت اگلے ماہ تک کے لیے ڈھیروں دعائیں اور سلام۔

مدیحہ اعجاز..................کراچی

السلام علیکم! صالحہ آپی جانی، نورین آپی جی اور تمام پڑھنے والوں کو پیار و دعا کے ساتھ اللہ تعالیٰ سب پر اپنی نظر کرم رکھے اور خوش و آباد رکھے۔ آمین۔ سب سے پہلے میں صالحہ آپی جی اور نورین آپی جی کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرنا چاہوں گی، جنہوں نے میری شاعری کو ''ذرا پھر سے کہنا'' میں اور مختصر واقعہ کو ''اس ماہ میں'' جگہ دی۔ ردا میں مجھے لکھتے ہوئے ڈھائی سال بیت چکے ہیں۔ صالحہ آپی جی، نورین آپی جی اور شاعری کی روح کو پہچاننے، شاعری سے دلی لگاؤ رکھنے والے قارئین نے چاہا تو ردا میں لکھنے کا یہ سفر انشاء اللہ تا عمر برقرار رہے گا۔ ''گوشہ آگہی'' ردا کی جان ہے، جس میں ہر بار ایک نیو میسج جاننے اور معاشرتی ماحول میں پائے جانے والے مسائل و مشکلات پر باریک بینی سے غور و فکر کرنے پر ان مسائل کا حل ملتا ہے۔ ''روائے جنت'' روح و جان کو سکون سا بخشتی ہے۔ سلسلے وار کہانیاں اپنے اندر مقصد لیے ہوئے گھریلو اور معاشرتی واقعات و مسائل کے حل اور دلیل پیش کرتی نظر آتی ہیں، ان کہانیوں میں محبت و نفرت، رشتے ناتے، دوستی و دشمنی جیسے تعلقات کی عکاسی کی جاتی ہے۔ جس کے اینڈ میں بچھڑے ایک دوسرے سے مل

جاتے ہیں، دشمنی دوستی میں بدل جاتی ہے اس کے برعکس رئیل لائف میں ایسا بہت کم ہوتا ہے، جہاں سب اچھا اچھا ہو، اس کے علاوہ ناولٹ اور افسانوں میں سبھی رائٹرز اپنے اپنے طور پر محبت و محنت سے بہترین اور اچھا لکھ رہی ہیں، مختصر جامع، مقصد لیے ہوئے، مستقل سلسلے سبھی بیسٹ جا رہے ہیں، ریما نور رضوان! تھینک یو سوچ، آپ کو میری نظم ''میری ماں'' پسند آئی۔ یقین جانیے اس نظم کے پہلی بار شائع ہونے پر جتنی خوشی محسوس ہوئی تھی، اس سے کہیں زیادہ اس نظم کے دوسری بار شائع ہونے پر ہوئی، تھینکس ریما جی، اپنا خیال رکھیے گا، دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔ اللہ حافظ۔

فرزانہ شوکت..................کراچی

السلام علیکم! صالحہ آپی کیسی ہیں آپ؟ آپ کو ڈھیروں ڈھیر نئے سال کی آمد مبارک ہو۔ ایک اچھا ردا کی شہرتوں اور ترقیوں بھرا سال شروع ہوا۔ ردا میرا پسندیدہ ڈائجسٹ ہے۔ آپ کا شکریہ ردا کے دامن میں جگہ دی۔ میں خط بہت کم تحریر کرتی ہوں مگر میرے دل میں ہر وقت آپ لوگوں کے لیے دعائیں اور عقیدت ہے۔ ردا کی میں کیا تعریف کروں میرا قلم خود سیکھنے کے مراحل میں ہے۔ ہر قلم اس کی تعریف بیان کرتا ہے۔ صفحہ صفحہ، ورق ورق، حروف در حروف دل میں اتر جاتے ہیں۔ یقیناً ردا کے لیے آنے والا سال بہترین سال ہے۔ میری تمام قابل احترام رائٹر بہنیں جن کی تحریریں اس تیز رفتار زندگی میں سکون کے لمحے میسر کرتی ہے۔ ڈھیروں سلام ان سب کو۔ قمروش شہبک، ریما نور، شازیہ مصطفےٰ، نور بانو، عانیہ نیازی، امبرین حیدر، سعدیہ عابد، نائلہ طارق، فرح ناز، شاہ کنول، نور الصباء، فریدہ فرید، انعم خان، دانیہ آفرین، عائشہ ذوالفقار، صبا عبدالغنی اور خصوصی صالحہ آپی، سیدہ امبر ہاشمی اور الیس۔ امتیاز کو بہت بہت نیا سال مبارک ہو۔ کسی بہن کا نام رہ گیا ہو تو معذرت۔ خدا آپ سب کے قلموں سے نکلے ہوئے جگنو کی طرح لفظوں کو مزید روشنی اور شہرت دے۔

نئے سال کی آمد پہ میں نے
اپنے خالی ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا دیئے
اے میری جان عزیز دعاؤں سے بڑھ کر
تجھے نئے سال کا کیا تحفہ دوں۔

عانیہ نیازی..................ربوہ

بہت پیاری اور سوئیٹ صالحہ آپی! اور ردا کے تمام رائٹرز و قارئین کو میرا محبت بھرا سلام اور ساتھ ہی نئے سال کی ڈھیروں مبارک، خدا کرے کے یہ سال ہم سب کے لیے محبتوں اور خوشیوں بھرا ہو، آمین۔ اب بات ہو جائے کچھ اپنے پیارے سے ردا کی۔ پچھلے کچھ ماہ میں غیر حاضر رہی سندیسے کی محفل میں، مگر ردا کو پڑھنا نہیں بھولی کہ ردا کے بناء اب دل لگتا ہی نہیں۔ اتنے سارے اور اتنے پیارے نیو رائٹرز کو دیکھ کر اور پڑھ کر بے حد خوشی ہوئی اور مجھے سب سے زیادہ جو بات اچھی لگی کہ سب نیو رائٹرز کا انداز تحریر نیا عمدہ اور فکر کا اندازہ پختہ ہے جو کہیں سے بھی نہیں لگتا کہ وہ پہلی بار لکھ رہے ہوں، پھر چاہے وہ رمل آرزو ہوں، عائشہ خان، شاہدہ علی، نظیر فاطمہ یا دیگر اور سب ماشاء اللہ بہت اچھا لکھ رہے ہیں۔ اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔ اب سلسلے وار کی بات ہو جائے تو مجھے جو سلسلے وار ناول سب سے زیادہ پسند ہے وہ ہے ''تیرے پیار کی خوشبو'' قمروش آپی آپ کے ناول کی قسط کا میں بہت بے چینی سے انتظار کرتی ہوں اور پڑھنے کے بعد ہمیشہ کہتی ہوں۔ اف اتنی جلدی قسط ختم ہو گئی۔ ہاہاہا۔ شازیہ آپی ''تجھ سے مانگوں میں تجھ کو'' نہایت خوبی سے آگے بڑھ رہا ہے اور اب دیکھنا یہ ہے حباب اور ضمران کے بیچ کی دوریاں کب ختم ہوتی ہیں۔ مکمل ناول اور ناولٹ سبھی دلچسپ ہیں پھر چاہے وہ رابعہ افضال خان کا ہو یا فاطمہ خان کا زبردست تھے۔ آپی نومبر میں آپ کا ناولٹ بہت ہی خوبصورت

تھا خوب صورت جذبوں اور احساسات پر مبنی دل کو چھو گیا اور اب سال نو کے موقع پر ''ہم بہت روئے جب وہ یاد آیا'' بہت ہی خوب صورت عنوان اور اس سے خوب صورت انداز بہنوں کے احساس کو آپ نے بڑی خوبی سے بیان کیا مگر اینڈ رلا گیا۔ آپی پلیز آپ اس طرح کے سرپرائز دیتی رہا کریں ہمیں بہت اچھے لگتے ہیں اور ہاں ایک بات تو میں کہنا بھول گئی کہ سندیسے کی محفل اب خوب سجنے لگی ہے جب سے افشاں علی نے انٹری دی ہے۔ باقی سب بھی حاضری لگانے لگے ہیں جو کہ بہت اچھی بات ہے اور سندیسے کی محفل دن بہ دن نکھرتی جارہی ہے۔ اب بات ہوجائے ردا کے مستقل سلسلوں کی تو جناب اس کے تو کیا کہنے پھر بات ہو ذرا پھر سے کہنا کی یا خوشبو اور اس ماہ کی ہمیشہ لاجواب ہوتے ہیں بہت سی دعاؤں کے ساتھ اجازت اگلے ماہ تک کے لیے۔

نور بانو..........................کوئٹہ

آداب آپی! کیسے مزاج کیسے ہیں اور دیگر قارئین و رائٹرز کو نیا سال مبارک میں دو ماہ سے بھائی کے پاس دبئی گئی تو ردا کو نیٹ پر پڑھ لیتی تھی اسی لیے سندیسے کی محفل میں شامل نہ ہوسکی مگر میری دیگر نگارشات مختلف سلسلوں میں شامل کرنے کا بہت شکریہ آپی۔ یہ آپ کی ذرہ نوازی ہے کہ آپ اپنی ہر قاری اور رائٹر کو اتنی عزت اور محبت دیتی ہیں تبھی تو ردا کا یہ گلدستہ روز بہ روز نئے نئے پھولوں سے سجتا اور بڑھتا جارہا ہے اور یہ سب آپ کی رہنمائی اور حوصلہ افزائی کا نتیجہ ہے کہ بہت سی نیو رائٹرز اپنی پہچان بنانے میں کامیاب ہوئیں ہیں اور اب بات کروں گی میں اپنی ان دوستوں کی جنہوں نے مجھے یاد رکھا اور مس کیا، افشاں علی، گیتی آراء، ثناء کنول اور ریما نور آپ سب کا بنڈل آف تھینکس مجھے بھی آپ کے سندیسوں اور تحریر کا انتظار رہتا ہے۔ انشاء اللہ اب مستقل سندیسے کی محفل میں ملاقات رہے گی۔ ردا کے سلسلے وار ناول اور ناولٹ سوپر جارہے ہیں خاص کر قمروش آپی تو چھائی ہوئی ہیں ان کی تحریر پڑھنے کے بعد کچھ اور پڑھنے کو دل نہیں چاہتا اور نائلہ آپی، خرمن، عارش میں سارا اور شیت والی بات نہیں وہ کمال تھے۔ روشانے کی شہزادی کے ساتھ ہوتے ظلم پر دل چاہتا ہے بدر غفار کو بندہ ایسے دو مارے جیسے وہ کرتا ہے۔ ایقان علی کی تحریر بے مراد بہت اعلیٰ اور کمال تھی۔ ایقان علی نے ہمیشہ مجھے متاثر کیا ہے ان کے موضوع بہت مختلف اور چونکا دینے والے ہوتے ہیں۔ فریدہ فرید کی تحریر بڑی ادبی سی ہوتی ہے لفظوں کا چناؤ بڑا خوب صورت ہوتا ہے، گیتی آراء آپی کی تحریر مختصر مگر اپنے اندر بہت بڑا میسج لیے ہوتی ہے اور یہی ان کا سب سے بڑا کمال ہے شازیہ آپی کی تحریر ہو اور اس میں شادی نہ ہو ایسا ممکن نہیں شہریار اور حسنی کی شادی کے بعد یقیناً کہانی اور دلچسپ موڑ لے گی۔ ردا کے سلسلے بھی شاندار اور جاندار ہوتے ہیں ردا کی ترقی اور کامیابی کی دعا کے ساتھ اجازت۔

ملالہ اسلم..........................خانیوال

السلام علیکم! پیاری سی صالحہ آپی اور کیوٹ سی نورین آپی کو چاہتوں اور پرخلوص دعاؤں سے پیاری سی ملالہ کا سلام قبول ہو۔ سب سے پہلے آپ سب کو نیا سال مبارک ہو اینڈ بنڈل اف تھینکس آپ نے مجھ ناچیز کو اپنی محفل میں شامل کیا، آپی! آپ جس طرح سے حوصلہ بڑھاتی ہیں اس سے مجھے لکھنے میں بہت مدد ملتی ہے۔ آپ سے بات کر کے مجھے ہمیشہ اچھا فیل ہوتا ہے، ایک کیوٹ سی ریکوئسٹ ہے لکھتی رہا کریں، آپ کی تحریروں کی میری بیسٹ فرینڈ ماہا دیوانی ہے، میری دعا ہے اللہ کرے زور قلم اور زیادہ ہو، آمین۔ اب بات ہوجائے جنوری کے ردا کی، 11 کو ردا دلکش ٹائٹل کے ساتھ ملا، گوشہ آگہی نے ایک بار پھر دل کو اداس کردیا مگر شہید تو زندہ ہوتا ہے نا آپی! نئے سال کے حوالے سے ویسے تو سب

ہی تحریریں زبردست تھیں، مگر ٹاپ آف دی لسٹ فاطمہ خان کی ''ایک تھی ساحرہ'' اور سحر مبین کی ''بے غم'' تھی۔ ناولٹ میں سلمیٰ غزل کا ''اظہار محبت'' اچھا لگا۔ ''ہم بہت روئے جب وہ یاد آیا'' مختصر تحریر درد سموئے ہوئے تھی، ہر لفظ نے متاثر کیا، عائشہ ذوالفقار نے اپنی کاوش کے ذریعے بہت اچھی بات سمجھائی ہے، ''تجھ سے مانگوں میں تجھ کو'' شازیہ آپی آپ سے بس یہی شکوہ ہے کہ تحریر مختصر ہوتی ہے، تشنگی باقی رہتی ہے۔ نظیر فاطمہ کی ''چھوٹی سی بات'' سے ہم بھی متفق ہیں۔ ''جو عشق میں بیتی وہ عشق ہی جانے'' نائلہ طارق نہایت خوب صورتی سے آگے بڑھا رہی ہیں۔ ہر کردار اپنی جگہ خوب صورت اور پاور فل ہے گڈ۔ ''میں تم اور سال نو'' اور گیتی آرا کا اعتراف اچھا لگا۔ ایقان علی کسی گریٹ او یار، ثناء کنول جی میں سو فیصد آپ کی بات سے متفق ہوں۔ ''وفا کیسی کہاں کا عشق'' بس وفا سچی اور عشق پاک ہونا چاہیے، گریٹ یار۔ ''نیو ایئر پارٹی'' دانیہ آفرین تحریر سبق آموز تھی، اچھی لگی۔ ''تیرے پیار کی خوشبو'' قمروش شہک کو اپنے ہر کردار پر مکمل گرفت حاصل ہے۔ سحرش فاطمہ، تبسم فیاض اور فریدہ فرید نے بھی خوب لکھا۔ ''محبت ابر کی صورت'' فرح ناز کی اچھی کوشش تھی، انداز تحریر دلچسپ لگا۔ ''مشرق کی شہزادی'' یار اتنی حقیقت پسندی، بدذر کا بیلٹ سے مارنا پھر قید کردینا مرد کا یہ کونسا روپ ہے؟ میرے لیے یہ پڑھنا ناقابل برداشت، تو آپ نے کیسے لکھ لیا؟ سب اچھا چل رہا ہے، مشرق کی شہزادی کو ایسا ہی ہونا چاہیے اپنا گھر بنانے کے لیے، بٹ اتنی تلخ اور سفاک حقیقت کہ مجھ جیسے قاری کے لیے یہ پڑھنا مشکل ہوجائے۔ آئی ریکوئیسٹ یو پلیز زمرد کے ساتھ اب کچھ اچھا کرنا۔ مستقل سلسلے ہمیشہ کی طرح اچھے تھے، خوشبو کے لیے نام ہی کافی ہے جناب، ''ذرا پھر سے کہنا'' کسی ایک کی تعریف کرنا مشکل ہے، سندیسے'' افشاں علی، رابعہ افضال اور دانیہ آفرین نے تبصرہ اچھا کیا، شازیہ آپی، نائلہ طارق، تھینک یو، شامل ہوتی رہا کریں ٹھیک کہا۔ ویسے بھی غرور، تکبر اللہ تعالیٰ کو بھی نہیں پسند سو الحمد اللہ ہم بچے ہوئے ہیں، ''کچن'' اور ''سنگھار'' بیسٹ تھے۔ صالحہ آپی! آخر میں آپ سب سے اجازت چاہوں گی اس دعا کے ساتھ کہ رب العزت، ہم پر اور تمام مسلمانوں پر کرم فرمائے اور ردا کو ہمیشہ کامیابی عطا کریں۔ (آمین)

زاہدہ ہاشمی..........................کراچی

سوئیٹ صالحہ آپی اور پیاری نورین ملک اور ردا اسٹاف و قارئین السلام علیکم! بعد از سلام خیریت کی طالب خود بخیریت، گزرے لمحے گھنٹے اور گھنٹے کب دنوں میں اور دن ماہ میں بدلے اور نئے سال کے سورج نے اس دیس پر دستک دے ڈالی۔ گزرے پل گزری یادیں ماضی بن گئیں۔ جو پل گزر گئے وہ لوٹ کر نہیں آئیں گے۔ زندگی کی حقیقت بھی یہی ہے جناب جو آیا ہے اسے جانا بھی ہے۔ جنوری کا ردا' ٹائیٹل سمیت بہت زبردست رہا۔ سانحہ پشاور پر ہر پاکستانی کو ہر مومن مسلمان کو تڑپا گیا۔ الفاظ بے معنی سے ہو جاتے ہیں۔ مگر ''گوشہ آگہی'' کے لفظوں نے آنکھوں کو نم کردیا مگر ساتھ ساتھ دل کو حوصلہ اور عزم بھی دے گئے۔ ننھے شہیدوں کا لہو ضرور رنگ لائے گا۔ ''ردائے جنت'' میں بچوں سے پیار اور شفقت کا سبق دیتے الفاظ دل میں اتر گئے۔ نورین آپی کے خوشبو کے سلسلے نے دل و دماغ کو معطر کردیا۔ سندیسوں میں سب نے بہت پیارا لکھا مگر افشاں علی کا سندیسہ مزہ دے گیا۔ گیتی آراء آپ کا بے حد شکریہ میری نظم کو پسند کرنے کا۔ خوش رہیں آپ۔ باقی تمام سلسلے بھی بہت خوب صورتی سے سجائے گئے۔ تمام افسانے، ناول اور ناولٹ سپر ڈوپر تھے۔ زاہدہ ہاشمی زاہی تمام رائٹرز سے دوستی کی خواہاں ہے۔ کریں گی نا آپ سب مجھ سے فرینڈ شپ؟ سندیسے میں ضرور بتائیے گا۔

......☆......

شادی مبارک

حناء کنول ہمراہ شہزاد



زندگی بہت خوبصورت ہے یہ سچ ہے مگر یہ زندگی اس وقت زیادہ خوبصورت لگنے لگتی ہے جب انسان کو کوئی خوشی ملتی ہے۔ کہتے ہیں جوڑے آسمان پر بنتے ہیں، مجھے اس بات پر سو فیصد یقین ہے مگر ہم نے کبھی نہ سوچا تھا کہ میری پیاری بہن حناء کنول کے نام کے ساتھ شہزاد کا نام جڑے گا۔

وہ دن بھی عام سے دنوں میں سے ایک عام سا ہی دن تھا۔ امی کو ماموں نے فون کیا اور جو کچھ کہا وہ ہمارے لیے زندگی کی امید سے کم نہیں تھا۔ میرے دو ماموں ہیں۔ بڑے ماموں کی سات بیٹیاں اور دو بیٹے شہزاد اور شہباز ہیں جب کہ چھوٹے ماموں کے صرف دو بچے شازیہ اور قاسم ہیں۔ خیر ماموں (بڑے) نے امی سے کہا۔ میں حناء کو شہزاد کی دلہن بنانا چاہتا ہوں۔ امی کے تو خوشی سے ہاتھ پاؤں ہی پھول گئے۔ امی نے کہا کیوں نہیں۔ پھر اس کے کچھ دن بعد بڑی مامی، ان کی بیٹی آسیہ، ماموں اور چھوٹی مامی کی فیملی کراچی سے لودھراں آ گئے اور 12-4-2013 جمعتہ المبارک کی نماز کے بعد مامی نے شہزاد کے نام کی انگوٹھی حناء آپی کی انگلی میں پہنا دی جسے پہن کر حناء آپی کی بڑی بڑی روشن آنکھیں خوشی سے اور بڑی ہو گئیں۔ بڑی دھوم دھام سے حناء کو شہزاد کے نام کی انگوٹھی پہنائی گئی اور شادی خالہ کے آنے پر رکھی گئی۔ کیونکہ میری ایک ہی خالہ ہیں جو کہ اپنے دو بیٹوں کے ساتھ امریکہ میں رہتی ہیں۔ خالہ نے کہا کہ جب میں آؤں گی تب شادی ہو گی۔ دولہا سات بہنوں کا بڑا بھائی تھا اور میری لاڈلی بہن، سو شادی کی تیاریاں زور و شور سے شروع ہو گئیں کہ جیسے ہی خالہ آئیں گی شادی کر لیں گے۔ وقت رک سا گیا دنوں نے گزرنے سے انکار کر دیا اور پھر 6-4-2014 کو ماموں نے فون کر کے امی ابو اور حناء کو کراچی بلوا لیا جہاں سے جہیز کی شاپنگ کرنی تھی۔ وہاں امی وغیرہ 12-4-2014 کو گھر آ گئیں اور تقریباً 18-4-2014 کو خالہ کراچی آ گئیں

اپنے شوہر کے ساتھ۔ پھر 20-4-2014 کو ماموں کی ساری فیملی خالہ سمیت ہمارے گھر آ گئے۔

کبھی کبھی کوئی دن ہماری زندگی کا سب سے خوبصورت دن ہوتا ہے وہ دن بھی بے حد خوبصورت دن تھا کیونکہ ایک تو 20 اپریل کو میری برتھ ڈے ہوتی ہے دوسرا اس دن مہمان آئے تو بہت اچھا لگا۔ ماموں وغیرہ ہمارے گھر آئے پہلے فریش ہوئے پھر ہلکا سا ناشتہ کیا اور پھر ہماری فیملی ماموں وغیرہ سب خالہ کے گھر (جو کے انہوں نے کرائے پر لیا تھا) وہاں گئے وہاں پر سب کی ٹریٹ تھی۔ سب شام کو واپس آئے ماموں وغیرہ اپنے کرائے کے گھر چلے گئے جو کہ ہمارے گھر سے 15 منٹ کے فاصلے پر تھا۔ خیر 22 اپریل کو ڈیٹ فائنل کی تقریب تھی جو کہ شاندار ہوئی۔ پھر 23 اپریل کو ہم دلہن والے دولہے کو پھول پہنانے گئے ہوا کچھ یوں کہ جس دن ہم گھر والوں نے دولہے والوں کے گھر جانا تھا اس دن صبح کو میں، میری بڑی بہن پروین صابرہ وغیرہ ہم پاس والے باغ میں گئے وہاں سے چنبیلی کے پھول توڑنے کے لیے تا کہ ہم گجرے اور بالیاں وغیرہ بنا سکیں وہ اس لیے کہ ہم نے سوچا کہ اس دن ہم پھولوں کے ہار بالیاں اور گجرے پہنیں گے تو خیر سارا دن میں نے بالیاں اور گجرے بنائے۔ بڑی آپی نے ہار وغیرہ جب کہ دولہے کے پھولوں کا ہم نے آرڈر دے دیا تھا۔ عین ٹائم یہ ہوا کہ ہم ابھی تیار ہو رہے تھے کہ سارے مہمان جمع ہو گئے اور پھر جلدی میں سب نے (میرے علاوہ) گجروں کو کانوں میں اور بالیوں کو ہاتھوں میں پہن لیا (ہا ہاہا)۔ میں نے جب دیکھا تو ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو گئی پھر انہیں بتایا کہ گجرے کانوں میں پہن رکھے ہیں اور بالیاں ہاتھوں میں۔ وجہ یہ تھی کہ دونوں کا ڈیزائن ایک جیسا تھا تو پتہ نہیں چلا پھر ہم دولہے والوں کی طرف گئے وہاں پر یہ ہوا کہ میری کزنز یعنی دولہا کی بہنیں اور گھر والے بالکل بھی تیار نہیں ہوئے تھے۔ پہلے امی نے دولہا کو مالا پہنائی پھر بڑی آپی نسرین صابرہ نے، پھر میں نے اور آخر میں میری بھانجی (جو کہ سات سال کی ہے) اس نے مالا دولہے کو پہنائی پھر دولہا نے اسے پیار کیا اور ہم سب نے پیسے لیے پھول پہنانے کے بھائی سے۔ کھانے کے بعد رات کو جاگنا تھا جس میں ہم نے بہت انجوائے کیا۔

بالآخر 30 اپریل 2014ء کو آپی اور شہزاد کا نکاح ہوا مغرب کے وقت۔ اس سے اگلے دو دن فنکشن تھے پہلے ہم لوگ مہندی لے کر گئے اس دن میں نے اسکائی بلیو کلر کا ڈریس پہنا تھا اور سب سے پیاری لگ رہی تھی (خوش فہمی) بڑی بہنوں نے دولہا کو مہندی لگائی گانے گائے اور پھر 4 مئی اتوار کو بارات آ گئی میری ننھی سی گڑیا کو کراچی لے جانے کے لیے۔ اس دن صبح کے وقت ہم سب جلدی اٹھ گئے حناء آپی کو ایک دن پہلے ہی شہناز آپی جو کہ دولہے کی بڑی آپی (سسٹر) ہیں، نے آپی کو مہندی لگائی ایک بجے میں اور صابرہ آپی دولہا والوں کے گھر گئے۔ (ارے بھئی ولیمہ کھانے کے لیے) پھر بڑی آپی پروین تو واپس آ گئی لیکن میں اور صابرہ ہم بارات کے ساتھ باراتی بن کر اپنے گھر آئے پھر ہم چاروں نے دروازے کے سامنے بڑا سا دوپٹہ پھیلا کر بارات کو روک لیا اور 5 ہزار روپے دولہے کے ابو یعنی بڑے ماموں سے لیے۔ خیر حناء کو خالہ اور خالو کمرے سے باہر لے آئے جو کہ ماشاءاللہ بہت پیاری لگ رہی تھی،

بڑی آپی نے دودھ پلائی کی رسم کی اور پیسے لیے۔ جوتا چھپایا بڑا مزا آیا اور پھر حناء میری جان ہمیں چھوڑ کر شہزاد کے ساتھ چلی گئی ہمیشہ کے لیے (آئی لو یو آئی مس یو سو مچ یار) اس رات میں دیر تک روتی رہی تھی تب میں نے حناء کے لیے ایک نظم لکھی تھی ...

پلیز آپ

سب دعا کرنا کے دلوں کے یہ سچے رشتے ہمیشہ قائم رہیں۔ ارے ہاں 5 مئی کو گانے کی رسم تھی۔

"ہاں بارات سے ایک رات پہلے 1 بجے جب ہم سب سو رہے تھے اور حناء آپی مہندی لگا رہی تھی تب ماموں اپنی فیملی اور کچھ رشتے داروں کے ساتھ بس اچانک آپی کو گانا پہنانے آگئے اور یہ فنکشن مجھ سے مس ہو گیا۔" خیر گانے والے دن حناء بہت خوبصورت لگ رہی تھی گانے کی رسم ہوئی۔ اب میں وہ نظم لکھ رہی ہوں جو میں نے حناء کنول شہزاد کے لیے لکھی تھی۔

سنو جاناں! حناء کنول شہزاد۔
تمہارے جانے سے دل اداس اور
ایک ریگستان کی طرح ویران ہے جہاں
تمہاری یادیں خاردار جھاڑیوں کی طرح ہیں
پتہ نہیں کیوں
صرف تمہارے جانے سے میری آنکھوں میں
بے اختیار آنسو آ جاتے ہیں
جنہیں میں لاکھ چھپانے کی کوشش میں
ہلکان ہوں
سنو جاناں
تم تو چلی گئی ہو اپنے دوسرے اور اصلی گھر
وہاں تم سب میں
گم ہو کر مجھے بھول جاؤ گی
مگر میں سوچتی ہوں کہ تمہارے بعد
مجھے موٹی کون کہے گا کس کے بازو پر
میں سر رکھ کر سوؤں گی؟
کسے اپنے دل کا حال سناؤں گی؟
کسے بدذوق کہوں گی؟
تمہیں تو اور بہت سے رشتے مل جائیں گے
مگر مجھے میری باربی ڈول کہاں ملے گی؟
مجھے میری اریبہ اور جندا اور جان کہاں ملے گی؟
اے میری جان سی بہن!
خوشیاں تمہارا مقدر بنیں تم ہنسو تو
سب مسکرائیں
جہاں جہاں تم نظر کرو
وہاں وہاں پر خوشیاں رقص کرتی نظر آئیں
ہمیشہ خوش رہو (آمین ثم آمین)۔

یہ نظم حناء کنول شہزاد کے لیے میری بہن دوست اور ہمراز کے لیے آئی لو یو جانی۔

یہ ہیں دلوں کے سچے رشتے اچھے رشتے
میری ہر دعا صرف تمہارے نام۔

پلیز پلیز آپ سب صرف ایک بار حناء کے لیے ضرور دعا کرنا اللہ اسے صبر ہمت برداشت اور اولاد نرینہ عطا کرے ہر خوشی صرف اس کے لیے اس کے لب مسکراتے رہیں آمین۔ اس نئے سال اسے نئی خوشیاں نصیب ہوں آپی نیا سال مبارک ہو ہر سال تمہارے لیے ہزاروں خوشیاں لے کر آئے آمین۔ اس نئے سال کا میری طرف سے یہ تحفہ ہے۔ او کے اللہ حافظ۔

......☆......

عائشہ حمد

دوست کے نام پیغام

ثناء کنول کے نام

ثناء کنول ہماری بہت پیاری رائٹر ہیں اور بہت کم وقت میں انہوں نے مصنفات کی فہرست میں اپنا نمایاں مقام بنایا ہے۔ ان کی منگنی ہو گئی ہے۔ ادارے اور ہماری جانب سے ان کو بہت بہت مبارک باد اور ہماری دعا ہے کہ ان کی زندگی خوشیوں اور مسرتوں سے بھری رہے۔
آپی

صالحہ آپی کے نام

پیاری آپی جاناں! کیا حال ہے؟ سب سے پہلے تو میری طرف سے تمام قارئین، رائٹرز، مدیر نگراں، اسٹاف اور باقی تمام بہنوں کو دل کی گہرائیوں سے سلام و آداب اور ڈھیروں دعاؤں کا خوب صورت اور ننھا سا تحفہ قبول ہو ہمیشہ خوش رہیں اور خوشیاں بانٹتے جائیں۔ اللہ پاک کی ذات سے دعا ہے کہ وہ ہمارے ملک پاکستان کو صدا اپنے حفظ و امان میں رکھے اور ہمارے پیارے ردا کو دن دگنی رات چگنی ترقی عطا فرمائے۔ (آمین) گو کہ مجھے ردا سے جڑے زیادہ عرصہ نہیں ہوا مگر پھر بھی ردا میرے لیے سب سے خاص سب سے انمول بن چکا ہے۔ وجہ آپ سب کی محبت اور خلوص ہے پھر صالحہ آپی کا مخلصانہ رویہ، کیا بتاؤں صالحہ آپی مجھے آپ بہت اچھی لگتی ہیں۔ آپ کے لیے ایک دعا

ہر لمحہ تو آباد رہے
تیرا چہرہ مانند گلاب رہے
ہے دعا میری یہ رب سے
ہر قدم پر تو کامیاب رہے

دانیہ آفرین منگنی کے خوب صورت اور نازک سے بندھن میں بندھنے کے لیے بہت بہت مبارک باد۔ اللہ پاک آپ کو صدا خوش اور آباد رکھیں، (آمین)۔ عائشہ آپا اور میری پیاری یاسمین آفریدی آپ کو ردا میں دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ اللہ زور قلم اور زیادہ کرے۔ اب قلم سے ناتہ مت توڑیے گا۔ میری دعائیں صدا آپ کے ساتھ ہیں۔

ثناء ناز رجانہ

میری جان کے نام دل کا پیغام

السلام علیکم صالحہ آپی، نورین آپی، افشاں علی، کشف ضیاء، مہرین کنول، سعدیہ عابد، ریما نور، دھنک ناز، عانیہ نیازی، صبا سحر، نور الصباء، صبا عبدالغنی، آسیہ علی اور میری دوستوں سب کو نیا سال نئی خوشیاں حنا کنول شہزاد کی طرف سے بہت بہت مبارک ہو۔ آئی وش کہ آپ سب ہمیشہ خوش رہیں مسکراتے رہیں اور اب میرے پیارے شوہر شہزاد آپ ہمیشہ خوش رہیں جہاں رہیں اللہ آپ کی قدم قدم پر حفاظت کرے۔ ہمیشہ آپ کے نام کے ساتھ میرا نام جڑا رہے آمین۔ اور ہاں چاہے کچھ بھی ہو آپ مجھ پر ضرور یقین کرنا کیونکہ اعتبار اور یقین پر ہی نکاح قائم رہتا ہے۔ میں آپ سے بے حد محبت کرتی ہوں آپ میرے لیے میری سانسوں سے بھی بڑھ کر عزیز ہیں۔

اے جانے والے کبھی یہ تو سوچا ہوتا کہ
تم بن کوئی کتنا اداس ہے

تم بن ٹوٹ کے بکھر گیا ہے
رات رت جگوں کی نذر ہو جایا کرتی ہے
تمہارے سوا مجھے کوئی نہیں بھاتا پل پل
اذیت میں میرا وجود رہتا ہے کاش تم
سمجھ پاتے تم بن کوئی ہنسنا بھی بھول چکا ہے
میں بہت تھک ہار گئی ہوں پلیز اس نئے سال
تم مجھ سے ملنے آجاؤ
صرف ایک نظر
میں تمہیں اس نئے سال کے سورج کی
پہلی کرن کے ساتھ
دیکھنا چاہتی ہوں
نیا سال مبارک ہو شہزاد میری جان!
تمہاری معصوم سی بیوی

ڈاکٹر کنول شہزاد۔کراچی

کسی اپنے کے نام

السلام علیکم! میرا عشق میری زندگی اور دھڑکن نئے سال میں تمہیں کچھ نئے تحفے دیتی ہوں میرے ...س کی ترجمان یہ میری نظم صرف محمود کے نام، اس کی ...وی کا پیغام۔

نجانے کیوں اس نئے سال
میرے دل میں اک نیا خیال
نئے احساسات جاگ رہے ہیں
تمہیں پانے کے خواب میری آنکھوں میں
بس رہے ہیں اس نئے سال نجانے کیوں
میرا دل چاہ رہا ہے کہ
تم سے اس بار نئے وعدے نئے عہد ہوں
جن میں تم اقرار کرو کہ
تم میرے صرف میرے ہو اس نئے سال
ہر بار کی طرح اس بار بھی نئے سال کی پہلی صبح
میں تمہارے کندھے پر سر رکھ کر گزاروں
اور
تمہیں اپنے دل کا حال سناؤں
مگر جانتی ہوں کہ ہر سال کی طرح اس سال بھی
میری یہ خواہش
کبھی پوری نہیں ہوگی
لیکن پھر بھی اک امید سی ہے
میری امید مت توڑنا پلیز!

مسز محمود۔لودھراں

دوستوں کے نام

السلام علیکم! صالحہ آپی اور نورین، کیسے ہیں آپ دونوں؟ ردا کی محفل میں پھر سے شامل ہونے جا رہی ہوں۔ اس شمارے میں بھی میری دوسری کہانی آئی کافی لوگوں نے پڑھی اور پسند کیا گیا اس کے لیے ان سب دوستوں کا شکریہ ادا کرنا چاہوں گی۔ ندا حسنین، صائمہ قریشی، ثریا بخاری، عکس علی، حنا درانی، ماہ روش، صدف آصف، ریمل آرزو، وفا علی، مشال خانم، ثمینہ فیاض اور بھی بے شمار لوگ ہیں لیکن میں ان سب کی تہہ دل سے شکر گزار ہوں۔ حیا بخاری آپ سب نے میرا حوصلہ بڑھایا ہے اور اس امید کے ساتھ کہ آگے جا کر بھی ہم سب ساتھ رہیں گے انشاء اللہ۔ افشاں علی اور دانیہ آفرین کا بھی بے حد شکریہ جنہوں نے میرا پہلا افسانہ پسند کیا۔ افشاں علی کا افسانہ پڑھا واقعی لوگ ابھی بھی جاہلیت میں گھیرے ہوئے ہیں۔ صالحہ آپی آپ کا ناولٹ پڑھا بہت پسند آیا۔ مجھے خوشی ہے کہ میں ردا کے ساتھ شامل ہوں اور آگے بھی رہوں گی۔ چلیں اب اجازت دیں۔ جن دوستوں کا نام رہ گیا ہو ان سے معذرت اور دوبارہ ضرور نام لوں گی۔ انشاء اللہ۔

سحرش فاطمہ۔کراچی

ماہا اور دیگر کے نام

السلام علیکم! کیوٹ سی صالحہ آپی اینڈ نورین آپی کیا حال چال ہے؟ سب سے پہلے طالہ کی جانب سے سال نو کی مبارک باد قبول کیجیے۔ دسمبر کی 12 تاریخ کو ہمیشہ کی طرح اس بار بھی ماہا نے کال کر کے

مجھے وش کیا تھا، ہمیشہ کی طرح بارہ بج کر 12 منٹ پر کال بند کی تھی۔ اس کے آخری الفاظ میرے کانوں میں اب بھی گونج رہے ہیں۔ ''منزہ اپنا بہت سا خیال رکھنا'' مگر وہ خود اپنا خیال نہ رکھ سکی۔ میں اسٹوری لکھ رہی تھی تبھی میرے سیل پر بپ ہوئی، وہ ماہا کی مما کی کال تھی جو روتے ہوئے مجھے ایکسیڈنٹ کا بتا رہی تھیں۔ طالہ کو ایک پل کے لیے لگا کسی نے اس کی جان نکال لی ہے، وہ آنٹی کو تسلی کے دو بول بھی نہ دے سکی۔ وہ جانتی تھیں ماہا کے لیے منزہ اور میرے لیے ماہا کیا ہے۔ تم تو مجھے ہمت دیتی تھی نا؟ تو پھر آج تم خود کیوں ہمت ہار رہی ہو۔ تم جانتی ہو نا طالہ تمہارے بغیر ادھوری ہے پلیز یار جلدی سے ٹھیک ہو، میں اپنے رب سے تمہاری زندگی مانگوں گی، مجھے اپنے رب پر بھروسہ ہے۔ میری ماہی بہت جلد تندرست ہو جائے گی۔ میری اپنے تمام فرینڈز سے کیوٹ سی درخواست ہے طالہ کی ماہا کے لیے دعا کیجیے گا۔ یو نو طالہ (منزہ) ادھوری ہے ماہا کے بغیر......! رابعہ خان، ایمان علی، صبا سحر، افشاں علی، زاہدہ ہاشمی، سندس عابد، بسمہ علی، فرزانہ شوکت، دھنک ناز، حناء علی، امبر افلن آپ سب کو نیا سال بہت مبارک ہو۔ افسانہ آفتاب، رضوانہ، سباس آپی، حافظہ مون شاہ، عائشہ خان، پکی والی فرینڈ شپ۔ جواب کی منتظر رہوں گی۔ ثمرین گل فرام مبارک پور 5 جنوری کو تمہاری برتھ ڈے ہوتی ہے بہت بہت مبارک ہو۔ آخر میں آپ سب سے ایک مرتبہ پھر درخواست کروں گی اینڈ نیا سال آپ سب کے لیے خوشگوار تبدیلیاں لائے، آمین۔

طالہ اسلم۔خانیوال

نوشین مدثر کے نام

مائی ڈیئر اینڈ لولی نوشین! صدا خوش اور مسکراتی رہو مدثر بھائی اور اپنے چھوٹے شہزادے کے سنگ تمہاری گا ہے بگا ہے نگارشات ردا میں پڑھ کر بہت خوشی ہوتی ہے کہ لاہور جا کر بھی تمہارا ردا سے تعلق جڑا ہوا ہے جو ایک خوش آئند بات ہے اس بار ردا کے توسط سے میں تمہیں نئے سال کی مبارک باد دینا چاہتی ہوں خدا کرے کہ یہ نیا سال تمہارے لیے بہت سی خوشیاں اور کامیابیاں لے کر آئے۔ آمین۔

عینی شاہ۔چکوال

چاہنے والوں کے نام

آج میں نے سوچا تم سب کو تھوڑا ڈفرنٹ طریقے سے نیو ایئر وش کروں۔ ہر سال گھر بلا کر پارٹی تو کرتی ہی ہوں ہاہاہا۔ تم لوگ منہ نہ بناؤ پارٹی بھی کروں گی ڈونٹ وری ناں مگر بس دل چاہا کے اپنے پیارے ردا میں تم سب کو مخاطب کر کے وش کروں۔ تو سنو! میری پیاری پیاری پریوں ردا، حنا، وشمہ، ماریشے، عینا تم سب کو یہ سال بہت بہت مبارک ہو اور اللہ سے دعا ہے اس سال تمہاری خواہشات اور تمنائیں پوری ہوں اور ہم سب کا ساتھ یونہی قائم ودائم رہے، آمین۔

رابعہ منیر۔سرگودھا۔

مون کے نام

مائی لولی اینڈ ڈارلنگ ہسبنڈ! آپ سے کہنا تو بہت کچھ چاہتی ہوں مگر اکثر لفظ نہیں ملتے یا پھر مجھے وہ تمام لفظ اظہار کے لیے کم لگتے ہیں۔ آپ نے میری زندگی کو خوشیوں سے بھر دیا ہے آپ کا ساتھ میرا اعتماد اور میرا مان بڑھا دیتا ہے ہر بات میں میرا خیال میری پروا مجھے خود پر پراؤڈ ہوتا ہے کہ آپ میرے ہیں اور مجھ سے محبت کرتے ہیں آپ کے ساتھ میرا ہر دن خوب صورت ترین ہوتا ہے۔ مجھے آپ کے پیار سے زیادہ آپ کا ڈانٹنا اچھا لگتا ہے ہاہاہا۔ آئی لو یو اب یہ لفظ مجھے بہت کم لگتے ہیں۔ آپ کو نئے سال کی بہت مبارک باد اور بہت سی دعائیں اور پیار۔ خدا آپ کو بہت کامیابی اور ترقی عطا کرے اور آپ یونہی میرے سنگ ہنستے مسکراتے رہیں۔

نور حبیب۔کراچی

......☆......

باتیں صحت کی

زیتون کی افادیت

زیتون کی اہمیت ثابت کرنے کے لیے یہی کافی ہے کہ اللہ رب العزت نے اپنی مقدس کتاب میں اس کی قسم کھائی ہے۔ جب کہ اس بابرکت اور صحت بخش پھل جسے عموماً بطور سبزی استعمال کیا جاتا ہے کے بارے میں کئی احادیث میں بھی ذکر ہے۔ زیتون کچے بھی کھائے جاتے ہیں اور ان کی چٹنی بھی بنتی ہے۔ بگڑے ہوئے السر ''زخم'' اور مختلف قسم کے پھوڑوں کے لیے جہاں مرہم تیار کیے جاتے ہیں وہاں ماؤف اور معطل اعضاء میں زندگی دوڑانے کے لیے مالش کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ زیتون کا پھل عام طور پر 76 فیصد پانی، 34 فیصد تیل، 5 فیصد پروٹین اور ایک فیصد معدنی نمکیات پر مشتمل ہوتا ہے۔ اس کا اچار بھی مفید ہے، زیتون خون سے اضافی کولیسٹرول کا خاتمہ کرتا ہے یہ خلیوں کی بیرونی جھلیوں کو کینسر جیسی بیماری سے بچاتا ہے۔ زیتون کے پھل خون کی کمی (انیمیا) کے خلاف بہترین حفاظت فراہم کرتے ہیں۔ یہ تولیدی نظام کی کارکردگی بہتر بناتا ہے۔ یہ غذائیت بخش ہے اور سوڈیم، پوٹاشیم، میگنیشیم، آئرن، فاسفورس اور آیوڈین جیسی معدنیات سے مالا مال ہے۔ یہ ضروری وٹامن اور امائنو ایسڈ بھی فراہم کرتے ہیں۔ زیتون میں ایک اور مفید فیٹی ایسڈ لینولیک ایسڈ کی مقدار بھی موجود ہوتی ہے جو جلد کے لیے فائدہ مند ہے۔ زیتون کو دل اور دوران خون کے نظام، نظام تنفس، اعصابی نظام، پٹھوں اور جسمانی نظام کے سوزش کے نظام اور نظام ہضم کے لیے بے شمار فوائد کا حامل پایا گیا ہے۔ روزانہ زیتون کھانے سے آپ کی یادداشت میں پچیس فیصد تک اضافہ ہو سکتا ہے۔ زیتون مانع تکسیدی وٹامن ای کی وافر سپلائی کا ذریعہ ہے۔ زیتون سے کشید کردہ عرق الرجک کا خاتمہ کرنے کی خاصیت کا حامل ہے۔ ثابت زیتون اور کینسر پر تحقیق کا ارتکاز عموماً کینسر کی دو اقسام پر ہوتا ہے۔ چھاتی کا کینسر اور معدے کا کینسر۔ چھاتی کے کینسر کے معاملے میں زیتون میں پایا جانے والا نباتاتی غذائی معدہ خصوصی توجہ کا مرکز بنتا ہے۔ زیتون کے یہ نباتاتی غذائی مادے کینسر کے خلیوں کے دائرہ حیات (لائف سائیکل) کو درہم برہم کر دیتے ہیں۔ زیتون کھانے سے کینسر سے بچاؤ کے طریقہ کار میں اضافہ ہو سکتا ہے۔ زیتون فولاد کے حصول کا زبردست ذریعہ ہے۔ اور زیتون سے بھرا صرف ایک کپ آپ کو 4.4 ملی گرام فولاد مہیا کرتا ہے۔ زیتون کو باقاعدگی سے کھا کر آپ اپنے چہرے اور جسم کی جھریاں 20 فیصد تک کم کر سکتے ہیں۔ آپ ہر کھانے سے پہلے صرف دس زیتون کھا کر اپنی بھوک میں بیس فیصد کمی کر سکتے ہیں۔ تحقیق سے پتا چلا ہے کہ زیتون استعمال کرنے والوں کے خون میں نقصان دہ

کولیسٹرول میں کمی ہوتی ہے جس سے دل کے عارضوں کا خطرہ کم ہو جاتا ہے۔ جب کہ ہائی بلڈ پریشر بھی کم ہو جاتا ہے۔

یہ الرجی پیدا کرنے والے خصوصی ریسپٹرز کو بلاک کرتا ہے جب کہ زیتون کا عرق دفع سوزش فوائد بھی پیش کرتا ہے۔ زیتون کے دفع سوزش فوائد امراض قلب میں خصوصاً توجہ کا مرکز ہے۔ زیتون میں موجود قدرتی مادے پولی فینولز دل کے مریضوں کے خون میں (CRP) کی سطح کم کرنے میں مفید پائے گئے ہیں۔ زیتون کی یہ مانع تکسیدی اور دفع سوزش خوبیاں اسے کینسر کے خلاف تحفظ کا قدرتی ذریعہ ثابت کرتی ہیں۔ کیوں کہ دائمی تکسیدی تناؤ اور دائمی سوزش کینسر کے پروان چڑھنے میں کلیدی عوامل ہو سکتے ہیں۔ اگر خلیے ضرورت سے زیادہ تکسیدی تناؤ (ضرورت سے زیادہ فعال آکسیجن بردار سالموں کی وجہ سے خلیے کے ڈھانچے اور کارکردگی کو نقصان پہنچ جائے) اور سوزش میں مبتلا ہو جائے تو خلیوں میں کینسر کا خطرہ بڑھ جاتا ہے۔ زیتون کے استعمال سے کینسر کا خدشہ کافی حد تک کم ہو جاتا ہے۔

انجیر کی افادیت

انجیر توت کے خاندان سے تعلق رکھتا ہے جس میں شہتوت، بھنگ اور کھٹی نارنگی شامل ہیں۔ اس کے درخت کی لمبائی 5 یا 6 میٹر ہوتی ہے اور اس کی پتیاں چوڑی اور گنجان ہوتی ہیں۔ پھل پکنے کے بعد نرم و ملائم ہو جاتا ہے اور اس کی رنگت ارغوانی ہو جاتی ہے۔ ان کے بیج بہت چھوٹے ہوتے ہیں اور کھائے جا سکتے ہیں۔ انجیر چونکہ صحت بخش ہوتا ہے اس لیے اس کی کاشت زمانہ قدیم سے ہو رہی ہے۔

انجیر میں حیاتین الف، بی کمپلیکس، ج اور د ہوتی ہیں۔ اس کے علاوہ غذائی ریشہ اور معدنیات ہوتی ہیں۔ ان معدنیات میں میگنیشیم، فولاد، کیلشیم اور پوٹاشیم شامل ہڈیوں کو گھلنے نہیں دیتا اور بلڈ پریشر کو کنٹرول کرتا ہے۔

یہ غدۂ درقیہ (Thyroid Gland) کی کارکردگی میں بھی اضافہ کرتا ہے۔ انجیر میں ایک مادہ Ficin ہوتا ہے، جس سے بند اجابت کھل جاتی ہے۔ چنانچہ رات کو اگر چار یا پانچ انجیر کھا لیے جائیں تو قبض دور ہو جاتا ہے۔ یہ بواسیر کو ختم کرنے کی بھی صلاحیت رکھتا ہے۔ اس میں قدرتی طور پر شکر زیادہ ہوتی ہے۔

انجیر قوت مدافعت پیدا کرتا، ورم جگر کو دور کرتا، اسہال کو رفع کرتا، کم خونی پر قابو پاتا، تیزابیت سے بچاتا اور سرطان کے علاج میں مفید ثابت ہوتا ہے۔ اگر اس کی پتیوں کو ابال کر پیا جائے تو پیشاب روانی سے آتا ہے۔ پتیوں کا جوشاندہ گردے اور مثانے کی پتھری کو بھی نکال دیتا ہے۔ انجیر دافع بلغم اور دافع فالج ہے۔ اسے کھانے سے وزن گھٹتا ہے اور کولیسٹرول میں کمی آجاتی ہے۔ اختلاج قلب کو دور کرتا ہے اور سرطان کے لیے فائدے مند ہے۔ یہ مانع ذیابیطس بھی ہے۔

انجیر کو خشک، تازہ کھایا جاتا ہے اور اس کا شربت بنا کر بھی پیا جاتا ہے جو قبض کشا ہوتا ہے۔ انجیر کو بیکری کی مصنوعات میں بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ اسے نہ صرف کیک، جام اور جیلی میں ڈالا جاتا ہے بلکہ میٹھے بسکٹوں اور بنوں (Buns) میں بھی ذائقے کے لیے شامل کیا جاتا ہے۔ خشک انجیر کو چینی، عربی اور ہندوستانی آیورویدک ادویہ میں بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اس جدید دور میں بھی اسے طب یونانی طریقہ علاج میں استعمال کیا جاتا ہے۔

......☆......



پنیر اور سبزیوں کے کباب

اجزاء

پھول گوبھی : ایک پاؤ
بروکلی : ایک پاؤ (ہرے رنگ کی گوبھی کی ہی شکل کی ہوتی ہے)
پنیر : آدھا پاؤ (کیوب کی شکل میں کٹا ہوا)

Batter کے اجزاء

میدہ : ڈیڑھ کپ
بیکنگ پاؤڈر : دو چائے کے چمچ
کری پاؤڈر : دو چائے کے چمچ
گرم مصالحہ : آدھا چائے کا چمچ
چینی : ڈیڑھ چائے کا چمچ
انڈے : دو عدد
نمک : حسب ذائقہ
دودھ : حسب ضرورت

ترکیب: پھول گوبھی اور بروکلی کو نمکین پانی میں ابال کر قدرے نرم کر کے فوراً ٹھنڈے پانی میں ڈال دیں اور پھر نچوڑ کر خشک کر لیں۔ بانس کے تنکے جو بازار میں عام مل جاتے ہیں ان پر دونوں گوبھی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے اور کیوب شدہ پنیر پرو دیں اور خشک میدے میں رول کر کے فالتو میدہ جھاڑ دیں۔ Batter کے اجزاء میں مناسب مقدار میں دودھ ملا کر پھینٹ لیں۔ کڑاہی میں تیل گرم کریں (تقریباً چار کپ)۔ سبزیاں اور پنیر پروئے ہوئے تنکوں کو Batter میں ڈبو کر نکالیں اور گرم تیل میں تل کر گولڈن کر لیں۔ دہی کے پیالے کے ساتھ پیش کریں۔ (نوٹ: کوئی اور سبزیاں بھی اپنی پسند کے مطابق لی جا سکتی ہیں)۔

قیمہ کے کٹلس

اجزاء

قیمہ (باریک) : ایک کلو
ہرا دھنیا (باریک کٹا ہوا) : ایک گٹھی
پیاز (باریک کٹی ہوئی) : ایک عدد
ڈبل روٹی کا چورا : ایک کپ
آلو (ابلے ہوئے) : ڈیڑھ کلو
ہری مرچ (پسی ہوئی) : ایک چائے کا چمچ
انڈے : دو عدد
کوکنگ آئل : حسب ضرورت

ترکیب: سب سے پہلے آلو ابال لیں۔ جب آلو اچھی طرح گل جائیں تو ان کا چھلکا اتار کر کانٹے کے ساتھ بھرتہ بنا لیں ایک دیگچی میں ایک کھانے کا چمچہ تیل ڈال کر اس میں قیمہ اور سارا مصالحہ ڈال دیں۔ جب قیمے کا پانی خشک ہو جائے تو تھوڑا سا بھون کر اتار لیں اور ٹھنڈا ہونے دیں پھر تھوڑے سے آلو لے

کر اس کو پھیلا دیں اب اس میں تھوڑا تھوڑا قیمہ بھر کر کٹلس بنا لیں انڈا لگا کر بریڈ کرمز لگا لیں اور ہلکی آنچ میں فرائی کریں، قیمہ کے کٹلس تیار ہیں۔

مٹر قیمہ

اجزا

مٹر (دانے) : ایک کپ
آلو : ایک عدد (بڑا)
نمک، مرچ : حسب ذائقہ
گرم مصالحہ (پاؤڈر) : ایک چائے کا چمچ
لہسن ادرک پیسٹ : ایک کھانے کا چمچ
قیمہ : آدھا کلو
ہلدی : آدھا چائے کا چمچ
خشک دھنیا : ایک چائے کا چمچ
ٹماٹر : ایک پاؤ
پیاز : ایک پاؤ
آئل : آدھا پاؤ

ترکیب: قیمے کو گھی میں بھون لیں۔ پیاز براؤن کر کے اس میں سارے مصالحے ڈال کر بھون لیں اب اس میں قیمہ اور آلو ڈال دیں ذرا دیر بعد مٹر کے دانے بھی ڈال دیں ایک ڈیڑھ گلاس پانی ڈال کر پکنے کے لیے رکھ دیں۔ جب گل جائے تو چولہے سے اتار لیں۔ باؤل میں نکال کر گرم مصالحہ چھڑک کر سلاد اور دہی کے ہمراہ پیش کریں۔

بوٹی گوشت

اجزاء

گائے کا گوشت : ڈیڑھ کلو (آدھے انچ کے چوکور ٹکڑے کر لیں)
سرکہ : ڈیڑھ کپ
لہسن ادرک پیسٹ : ایک چائے کا چمچ
انڈے : دو عدد
تیل : دو کھانے کے چمچ
پیاز : ایک عدد
ٹماٹر : تین عدد
ہری مرچیں : چھ سات عدد
سرخ مرچ : حسب ذائقہ

ترکیب: پیاز کاٹ کر سرکہ میں بھگو کر نکال لیں۔ انڈے ہاف بوائل کر کے چھیل لیں اور ان کے گول ٹکڑے کاٹ لیں۔ گوشت دھو کر سرکے میں بھگو دیں اور اس میں پسی ہوئی سرخ مرچ، نمک، لہسن اور ادرک بھی ملا لیں اور دو گھنٹے کے لیے چھوڑ دیں۔ اب فرائنگ پین میں تیل ڈال کر گرم کریں اور گوشت کے ٹکڑے سرکے سے نکال کر تیل میں تلیں۔ اگر یہ گلے نہ ہوں تو پانی ڈال کر گلا لیں پھر فرائی کریں۔ جب یہ سنہری ہو جائیں تو انہیں ایک پلیٹ میں نکال لیں اب بوٹیوں کے چاروں طرف ابلے ہوئے انڈوں کے قتلے سجائیں پھر ٹماٹر اور پیاز کے لچھے اور آخر میں ہری مرچ۔ اس مزے دار بوٹی گوشت کو رائتے اور کیچپ کے ساتھ نوش فرمائیں۔ مہمانوں کی تواضع کے لیے بھی یہ ایک اچھی اور ذائقہ دار ڈش ہے۔

تکہ بوٹی

اجزاء

گوشت (بغیر ہڈی کا دستی کا) : آدھا کلو
گرم مصالحہ : ایک چائے کا چمچ
ادرک لہسن پیسٹ : ایک کھانے کا چمچ
دہی : ایک چھٹانک
نمک، سرخ مرچ : حسب ذائقہ
سوکھا دھنیا پاؤڈر : ایک چائے کا چمچ
سفید زیرہ : ایک چائے کا چمچ
تیل : ایک کپ

ترکیب: گوشت کے ایک ایک انچ کے چوکور

ٹکڑے کٹوالیں۔ گوشت ابال کر نیم گلا لیں اور پانی خشک کر کے اتار لیں (پانی اتنا ہی ڈالیں جو مناسب ہو) سب مصالحے پیس کر دہی میں ملا دیں۔ گوشت کے ٹکڑے ٹھنڈے ہو جائیں تو ان پر یہ دہی لگا دیں۔ اب یہ ٹکڑے سلاخوں پر پرو دیں اور دہکتے ہوئے کوئلوں پر سینک کر سرخ کرلیں۔ ساتھ ساتھ تھوڑا تھوڑا سا گھی ٹپکاتے جائیں۔ جب وہ کوئلوں پر گرتا ہے اور اس کا دھواں تکوں کو لگتا ہے تو بہت مزے دار ہو جاتے ہیں۔ کٹی ہوئی پیاز کے لچھوں اور لیموں کی قاشوں کے ساتھ پیش کریں۔

باولی ہنڈیا

اجزا

پھول گوبھی	: ایک پاؤ
آلو	: ایک پاؤ
مٹر	: آدھا پاؤ
گاجر	: ایک پاؤ
چقندر	: آدھا پاؤ
میتھی	: چند پتیاں
ہرا دھنیا	: چند پتیاں
ادرک لہسن پیسٹ	: ایک کھانے کا چمچ
گوشت	: آدھا کلو
تیل	: ایک پاؤ
گرم مصالحہ	: ایک چائے کا چمچ
شلجم	: ایک پاؤ
بینگن	: ایک پاؤ
ٹماٹر	: چار عدد
نمک، مرچ	: حسب ذائقہ
شملہ مرچ	: دو عدد
ہلدی	: ایک چائے کا چمچ
دھنیا (پسا ہوا)	: دو چائے کے چمچ
ہری مرچ	: چار عدد

ترکیب: تیل میں پیاز براؤن کر کے گوشت اور مصالحہ ڈال کر بھون لیں۔ گوشت گلا لیں پھر اس میں تمام سبزیاں مناسب سائز میں کاٹ کر ڈال دیں اور اتنا پانی ڈال دیں کہ سبزیاں گل جائیں۔ آخر میں ایک مرتبہ پھر بھون لیں اور ہرا دھنیا چھڑک کر اتار لیں۔

اروی کے پتوڑ

اجزاء

اروی کے پتے	: دو عدد
سرخ مرچ نمک	: حسب ضرورت
پیاز	: آدھا پاؤ
ہرا دھنیا	: آدھی گٹھی
بیسن	: ایک پاؤ
انار دانہ	: دو کھانے کے چمچ
سبز مرچ	: چار عدد (باریک کٹی ہوئی)
خشک دھنیا	: دو چائے کے چمچ
کوکنگ آئل	: حسب ضرورت

ترکیب: اروی کے پتوں کو دھو کر باریک کاٹ لیں۔ ہری مرچیں بھی دھو کر باریک کتر لیں پیاز کو باریک لچھوں میں کاٹ لیں۔ دھنیے کو توے پر ہلکا سا بھون لیں۔ ہرے دھنیے کی پتیاں چن کر باریک کاٹ لیں۔ انار دانے کو چن کر صاف کرلیں۔ اب ان تمام اجزاء کو بیسن میں ملا دیں۔ نمک مرچ بھی ڈال دیں اور پانی ڈال کر اس آمیزے کی پیسٹ سی بنالیں کچھ دیر رکھا رہنے دیں۔ ایک کڑاہی میں تیل گرم کر کے اس میں پہلے سے تیار کردہ آمیزے سے پتوڑ بنا کر تل لیں۔ گولڈن براؤن ہونے پر کڑاہی سے نکال لیں اور ہری مرچ انار دانے کی چٹنی کے ساتھ پیش کریں۔

......☆......

شہلا مشائق

سنگھار

جلد چمکائیں

چکنی جلد کے لیے اسکرب

1۔ خمیر پاؤڈر، ایک بڑا چمچ، لیموں کا رس، ایک چھوٹا چمچ، گاجر کا جوس ایک چمچ، زیتون، بادام کا تیل ایک چمچ۔ ان تمام اجزاء کو ملا کر اچھی طرح مکس کریں اور 15 منٹ کے لیے چہرے پر لگا رہنے دیں۔ اس کے بعد نیم گرم پانی سے دھولیں۔ اگر اسکن بہت زیادہ چکنی ہو تو اسکرب میں آئل نہ ملائیں۔ اگر اسکن خشک ہو تو تیل تھوڑا زیادہ ملالیں۔ اس کو کیل مہاسے والی جلد پر استعمال نہ کریں کیوں کہ اس کے استعمال سے انفیکشن ہو سکتا ہے۔

2۔ گاجر 50 گرام، شلجم 50 گرام، دودھ 25 ملی لیٹر۔ گاجر، شلجم کو اچھی طرح ابال لیں اور ان کا اچھی طرح گودا بنالیں پھر اس میں دودھ مکس کریں اور اس مکسچر کو چہرے پر لگائیں۔ پہلے اس کو رگڑتے ہوئے چہرے سے دور کریں اور پھر نیم گرم پانی سے چہرہ دھو کر صاف کرلیں۔

نارمل جلد کا فیس اسکرب

1۔ خشک دودھ پاؤڈر ایک چمچ، جو کا آٹا ایک بڑا چمچ، لیموں کا رس دو بڑے چمچ۔ ان تمام اشیاء کو اچھی طرح ملائیں اور چہرے پر لگائیں جب خشک ہونے لگے تو اس کو رگڑ کر اتار لیں۔ پھر نیم گرم پانی سے چہرے کو دھولیں اور اس کے بعد ٹھنڈے پانی سے بھی دھوئیں۔

2۔ ایک کیلا، انڈے کی زردی، زیتون یا بادام کا تیل، ایک چمچ انڈے کی زردی اور تیل کو اتنا پھینٹیں جب تک کہ وہ یکجان نہ ہو جائیں۔ اس کے بعد ایک پکے ہوئے کیلے کے گودے میں انڈے اور تیل کے آمیزے کو ملا کر چہرے اور گردن پر لگائیں۔ اس کو آدھا گھنٹہ لگا رہنے دیں۔ پھر چہرے کو تھوڑے سے لیموں ملے پانی سے دھولیں بعد میں چہرے کو ٹھنڈے پانی سے دھولیں یہ داغ دھبے دور کرنے کے لیے موثر نسخہ ہے۔

3۔ خشک دودھ کا پاؤڈر دو چمچ، شہد ایک چھوٹا چمچ، آڑو یا خوبانی کا گودا دو بڑے چمچ، لیموں کا رس ایک چھوٹا چمچ۔

تمام اجزاء کو مکس کر کے چہرے اور گردن پر ملیں۔ پھر چہرے کو لیموں ملے پانی سے دھولیں اور ٹھنڈے پانی سے دھولیں۔

4۔ باریک پسے ہوئے بادام ڈھائی سو گرام، دودھ یا پانی سو ملی لیٹر، باریک پسے ہوئے بادام میں دودھ یا پانی ملائیں تاکہ وہ ایک پیسٹ بن جائے۔ پھر اس کو چہرے اور گردن پر ملیں۔ اس کو تیس منٹ لگا رہنے دیں اس کے بعد نیم گرم پانی سے دھولیں اور تھوڑے سے بادام کے تیل سے جلد پر مالش کریں۔ یہ جلد سے داغ دھبے دور کر کے نرم و ملائم بنا دے گا۔

5۔ اسٹرابیری فیس اسکرب: اسٹرابیری سو گرام، خشک دودھ کا پاؤڈر دو چمچے، لیموں کا رس ایک چھوٹا چمچ۔ اسٹرابیری کا گودا لے کر اس کو پاؤڈر ملک اور

لیموں کے رس کے ساتھ ملائیں۔ اس کو چہرے اور گردن پر مل لیں۔ رگڑائی کے عمل سے پہلے پندرہ منٹ تک لگا رہنے دیں۔ پھر اس کو نیم گرم پانی سے جس میں لیموں کا رس ملا ہوا ہو دھولیں اور آخر میں چہرے کو ٹھنڈے پانی سے دھولیں۔

ہونٹوں کے لیے

ہونٹوں پر خشکی کی وجہ سے پپڑی آتی ہے۔ آپ رات کو باقاعدگی سے گلیسرین لگائیں۔ گائے کا کچا دودھ ہونٹوں پر لگانا بہت مفید ہے۔ بالائی لگانے سے بھی ہونٹوں کی خشکی دور ہو جاتی ہے۔

ایڑیوں کا پھٹنا

چار چمچے گلیسرین میں ایک لیموں کا عرق ملا لیں۔ دو چٹکی پسی ہوئی، پھٹکری ملا لیں۔ دن میں تین بار لگائیں۔ رات سونے پہلے چار کپ گرم پانی میں ایک چمچہ، نمک اور ایک چمچہ سرسوں کا تیل ملا لیں۔ دس منٹ تک دونوں پیر اس محلول میں رکھیں۔ پھر جھانویں سے رگڑ کر صاف کرلیں۔ اس کے بعد پاؤں خشک کر کے اچھا سا باڈی لوشن لگائیں۔ اگر باڈی لوشن نہ ہو تو گلیسرین اور عرق گلاب کا محلول بنا کر رکھ لیں سونے سے پہلے پیروں پر لگائیں۔

بالوں کے لیے

دہی میں ایک چمچہ ناریل کا تیل ملا کر اچھی طرح پھینٹ لیں۔ سر دھونے سے آدھا گھنٹہ پہلے اس کو اچھی طرح سر اور بالوں پر لگائیں۔ پھر سر دھولیں بال چمک دار ہو جائیں گے۔ کچھ لوگوں کو دہی کے استعمال سے خشکی بڑھ جاتی ہے ان کے لیے مشورہ ہے کہ ناریل کے تیل میں لیموں کا رس ملا کر اس سے سر کی خوب مالش کریں اور ایک گھنٹے بعد سر دھولیں۔

رنگ گورا کرنے کے لیے

☆ کسی برتن میں پانی ابال لیں۔ پھر اس کی بھاپ اپنے چہرے پر لیں۔ اس سے چہرے کے مسام کھلتے ہیں۔ چہرہ صاف و شفاف رہتا ہے۔ رنگ بھی گورا ہو جاتا ہے۔

☆ گاجر کھائیں۔ گاجر کھانے اور گاجر کا جوس پینے سے بھی رنگ سرخ و سفید ہو جاتا ہے۔

☆ پودینے کی پتیاں اُبال کر انہیں ٹھنڈا کر کے رکھ لیں۔ نہار منہ پودینے کا ایک کپ پانی پینے سے بھی رنگ صاف ہوتا ہے۔

☆ لیموں کا رس چہرے پر ملنے سے بھی رنگ گورا ہوتا ہے۔

آسان ٹوٹکے آزمایئے

☆ بالوں کو چمکدار بنانے کے لیے لیموں کا رس نکال کر اس کی مالش کر کے تھوڑی دیر کے بعد دھو لیں۔ اس کے علاوہ شیمپو کرنے سے ایک یا دو گھنٹے پہلے سر پر تیل کی اچھی طرح مالش کرنے سے بھی بالوں کی چمک بڑھ جاتی ہے۔

☆ ناخنوں کو مضبوط بنانے کے لیے ایک گہری پیالی یا پلیٹ میں زیتون کا تیل ڈال کر اس میں ناخنوں کو ڈبو دیں اس کے بعد نیم گرم تیل میں ڈال کر ناخنوں کو ٹشو پیپر سے صاف کرلیں کچھ دنوں کے بعد ناخن مضبوط ہو جائیں گے۔

☆ سردیوں میں پھٹے ہونٹوں پر گائے کا کچا دودھ لگانا چاہیے اس طرح ہونٹ نرم ہوتے ہیں۔

☆ گھی کے ایک ڈبے میں نکی گول پیندے والی کٹوری کے اردگرد مہندی، چینی اور چائے کی پتی ڈال کر ڈبے کو گوندھے ہوئے آٹے سے بند کر کے آگ پر آدھا گھنٹہ کے لیے رکھ دیں آدھے گھنٹے کے بعد لوشن تیار ہو جائے گا۔

☆ روزانہ دو سے تین چمچے شہد ملا کر پینے سے سردیوں میں چہرے کی خوب صورتی میں اضافہ ہوتا ہے۔

ثناء کنول۔ لودھراں

......☆......